بن باسی دیوی

از

اشرف صبوحی دہلوی

انگلش

مرلفی علی سنگ بیگ (عفی عنہ)

ترجمہ

سید علیم اللہ حسنی ایچ۔ سی۔ ایس حیدرآبادی

معاون

سید غوث محی الدین بی۔ اے (عثمانیہ)

کتب خانہ علم و ادب دہلی

ناشر
آزاد بک ڈپو دہلی

طبع دوم　　سنہ ۱۹۴۵ء　　قیمت ۲؎

مقدمہ

(از عالی جناب پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب دہلوی۔ ایم اے۔ آئی۔ ای۔ ایس)

اردو ادبیات کے دور جدید میں بے شمار ناول اور افسانے انگریزی سے ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ان سب ترجموں کو عموماً دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم وہ ترجمے ہیں جن میں اصل کتاب کی تقلید کو مترجم حتی الامکان ملحوظ رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ مصنف کے خیالات کو بلا کم و کاست دوسری زبان میں لیکن اس انداز اور اسلوب سے جو مصنف نے اپنے لئے اختیار کیا ہے منتقل کر دے۔ اگر ترجمہ کا مقصد انگریزی ادب سے روشناسی ہو تو ظاہر ہے کہ اس قسم کے ترجموں کو ترجیح دینی چاہیئے۔ لیکن ایک عام پڑھنے والے کی نظر میں قصہ کی دلچسپی دوسرے ادبی محاسن سے زیادہ وقعت رکھتی ہے اور بسا اوقات اس دلچسپی کو قائم رکھنے کے لیے مترجم نفس مضمون اور عبارت میں کم و بیش تصرف کو بالکل روا بلکہ ضروری خیال کرتا ہے۔ ایسے ترجموں کو جن میں اصل سے تھوڑا یا بہت انحراف موجود ہو میں ترجمہ کی دوسری قسم قرار دیتا ہوں اور اشرف صبوحی صاحب کے ترجمے اس قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف مصنف کے الفاظ اور اسلوب بیان کو بدل دیتے ہیں جو ترجمہ کی لازمی شرط ہے۔ بلکہ قصہ کے واقعات۔ اس کے ماحول کرداروں کے نام اور ان کے اقوال و افعال میں اپنے خیال یا پڑھنے والے کے ذوق کے مطابق جو تحریف اور تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں وہ کر دیتے ہیں۔ اس رد و بدل سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ پرائی چیز کو اپنا بنا کر پیش کر دیں جو آج کل کے بعض ادبی افسانہ نگاروں کا مذموم شیوہ ہے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ قصہ فسانے

کے مماثل ایک ایسا افسانہ تیار کیا جائے جس سے اردو خواں اسی نوع اور اسی درجہ کی ذہنی تفریح حاصل کر سکیں جو ایک انگریزی خواں کے لئے اصل افسانہ کے مطالعہ سے حاصل ہونی ممکن ہے اپنے مقصد میں وہ کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا صحیح اندازہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اصل کتاب اور ان کے ترجمہ دونوں کو دیکھنے کا موقع ملا ہو۔ میرا اور غالباً اکثر آدمیوں کا تجربہ ہے کہ اگر ایک قصہ انگریزی میں پڑھ لیا جائے تو اس کا اردو ترجمہ پڑھنے میں کوئی خاص لطف نہیں آتا۔ لیکن اشرف صبوحی صاحب کے ترجموں کی دلچسپی اصل کتاب کے مطالعہ کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔

پیش نظر افسانہ انسانی تمدن کی ابتدائی کیفیت کی ایک خیالی تصویر ہے۔ لیکن اس کو محض خیالی تصور کرنا غلطی ہوگی مصنف نے اس افسانے کی ترتیب و تالیف میں ان انکشافات اور معلومات سے پورا فائدہ اٹھایا ہے جو مغربی محققین کے تجسس و تفتیش کا نتیجہ ہیں۔ یہ قیاس بیجا نہیں کہ جب انسان کو کائنات کا علم حاصل کرنے کا شوق اور سلیقہ پیدا ہوا تو اس نے سب سے پہلے اصل اور ماخذ کو معلوم کرنے کی سعی کی ہوگی۔ لیکن واقعہ اس قیاس کے بالکل برعکس ہے۔ آج سے دو سو سال پہلے تک انسان کائنات کی مختلف اشیاء کے بارے میں بہت سی مفید معلومات فراہم کر چکا تھا۔ لیکن اپنی ابتداء اور آغاز تمدن کے متعلق اس کا انحصار زیادہ تر چند قدیم روایات پر تھا جن میں انسانی معاشرت کی ابتدائی حالت کو ایک مفروضہ عہد زریں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان روایات کے مطابق انسان کو آفرینش کے آغاز میں ہر طرح کی مادی اور روحانی آسائش نصیب تھی اور اس کے بعد جو مراحل اس کو طے کرنے پڑے ان کو ارتقا یا ترقی نہیں بلکہ تنزل و انحطاط تصور کرنا چاہیئے۔ رفتہ

رفتہ ان پرانی روایات پر سے یورپ کے سمجھدار آدمیوں کا اعتماد اٹھ گیا اور وہ اس غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ انسان کی کیفیت ابتدا میں افریقہ کے ان وحشی قبائل کے مانند تھی جن سے یورپ والوں کو جنگ اور تجارت کے سلسلے میں سابقہ ہوا تھا اور جن کی زندگی اور معاشرت یورپ اور ایشیا کی تمام نہاد مہذب اقوام کی زندگی اور معاشرت سے بالکل مختلف ہے۔ مزید تحقیق سے یہ نظریہ بھی پرانی روایات کی طرح غلط اور بے بنیاد ثابت ہو گیا جن قوموں کو ہم وحشی کہتے ہیں ان کے رسم و رواج اس قدر پیچیدہ ہیں کہ ان کو ابتدائی سمجھنا بالکل ناممکن ہے۔ غالب گمان ہے کہ یہ قومیں بھی ہماری طرح ارتقا کی کئی منزلیں طے کر چکی ہیں اگرچہ ان کا راستہ کچھ اور رہا ہے اور ہمارا کچھ اور۔ تمدن اور معاشرت کے آغازی دور کے متعلق جو تخئیل اس وقت مغربی علما کے ذہن میں ہے اس کا عکس موجودہ افسانے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس خاکہ میں اشرف صبوحی صاحب نے مشرقی رنگ بھر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس رنگ آمیزی سے اس کی تاریخی صحت اور واقفیت میں کچھ فرق آ گیا ہو۔ کیونکہ اصل کتاب کے مصنف نے اپنا خاکہ یورپ میں تیار کیا تھا اور جس ابتدائی تمدن کی جھلک اس میں نظر آتی ہے وہ یورپ کا ابتدائی تمدن تھا۔ ممکن ہے کہ ہندوستان کا ابتدائی تمدن یورپ کے ابتدائی تمدن سے کچھ مختلف خدوخال رکھتا ہو اور اس لئے یہ خاکہ اس کا صحیح عکس نہ تصور کیا جائے۔ لیکن جہاں تک قصہ کی عام دلچسپی کا تعلق ہے اشرف صبوحی صاحب کے تصرفات نے اسے کچھ زیادہ ہی رنگین اور دلکش بنا دیا ہے

محمد مجیب

بہت پہلے، بڑھیوں کی کہانیوں کے اگلے وقتوں سے بھی بہت پہلے آج سے کوئی پندرہ بیس ہزار برس پہلے انسان کی پیدائش کے خدا جانے کتنی صدیوں بعد کہ ابھی یہ ذات شریف بن مانسوں سے کچھ ہی آگے بڑھے تھے۔ جانوروں کے ریوڑوں کی طرح رہنا سہنا تھا اپنے سے کمزوروں کا خون چوسنا اور ان کے گوشت کو ہڑپ کر جانا عادت تھی وحشیوں کی طرح لڑتے بھی تھے۔ لڑائی پیٹ کی خاطر ہوتی۔ شکار کرتے اور شکار ہوتے۔ جینے کا سلیقہ تھا نہ مرنے میں قدر۔ جنگل خود رو۔ دریا ندیاں بے روک ٹوک بہنے والے۔ پہاڑ اپنی جگہ قائم۔ زمین بے جتی جہاں اور چوپائے اکیلے گیلے پھرتے تھے یہ حضرت بھی اپنی ٹولیاں بنائے موجیں مارتے۔ دوسرے چوپایوں پر یہ دو پاؤں والا شروع سے اپنی حکومت جتایا کرتا۔ سب کو اپنا غلام سمجھتا۔ اور اس لئے اس نے قدرت کی پیداوار کو ہتھیانے کے لئے اپنے من مانے بہت سے قاعدے بنائے تھے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ جانوروں کو دیکھا تھا کہ قدرت نے انہیں لڑنے، حملہ کرنے کے ہتھیار دیے، اس کے پاس نہ سینگ تھے نہ پنجے۔ اس نے اپنے بچاؤ اور مار پیٹ کا سامان خود بہم پہنچایا۔ کمان بنائی، تیر بنائے۔ چھریاں۔ خنجر بھالے

ڈنڈے تیار کیے۔ شیر، چیتے، ہرن، چیتل، بارہ سنگھے۔ پردار جانوروں میں مور۔ مرغ وغیرہ دیکھے کہ خدا نے ان کو مختلف رنگ دے کر کیسا خوشنما بنایا ہے۔ یہ بھی ان جانوروں کی نقل کرنے لگا۔ خون سے لال رنگ لیا۔ گھاس پتوں سے نیلا پیلا۔ جسموں پر دھاریاں ڈالتا۔ کھالیں پہنتا۔ سینگ لگاتا اور نہ جانے کیسے کیسے روپ دھار کر خوش ہوتا۔ ہر قبیلہ اسی وضع سے پہچانا جاتا۔

ان دنوں دنیا میں جہاں جہاں انسانی نسل تھی، اسی شان کی دریاؤں کے کنارے پہاڑوں کے غاروں میں ان کے مسکن تھے ہندوستان اپنی تہذیب کی قدامت کتنی ہی پرانی بتائے۔ مگر اس سے پہلے یہاں بھی دوربین لگا کر دیکھو تو یہی وحشی چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔

آج جن کو دیوی دیوتا بنا رکھا ہے عجب نہیں کہ وہ ہمارے اپنی وقتوں کے آباواجداد ہوں۔ اکثر دیویاں اور دیوتا جو جا بجا مندروں میں براج رہے ہیں۔ ان کی صورتیں دیکھ لو۔ ان کی کہانیاں سن لو۔ خود بخود تصدیق ہو جائے گی۔ کبھی پہاڑوں کے غار اور تلیٹیاں ان غیر متمدن انسانوں کا ملجا و ماوا تھیں آج روحوں کے رہنے سمجھی جاتی ہیں۔ بہرحال پرانی یادگاریں مٹی نہیں۔ وہ نہیں رہے تو ان کی مورتوں کی پوجا ہوتی ہے۔

انسان اور جنگلی بجار

زمین کی ابھی تقسیم نہیں ہوئی ہے نہ دریاؤں کے نام رکھے گئے ہیں۔
پہاڑوں کے وار پار جانے آنے کی بھی نوبت نہیں آئی ہے۔ اس
دھرتی پر جسے ہندوستان کہتے ہیں سب سے اونچے پربت کے
دامن میں کوسوں تک سنسان جنگل پڑا ہے۔ سفید کالے لال رنگ
رنگ کے پنچھی شور مچا رہے ہیں۔ رات کا آخری حصہ ہے۔ زمین
سے آسمان تک اندھیرا۔ ٹھنڈی ہوائیں۔ طرح طرح کے درندوں
کی بھیانک آوازیں وادیوں سے ٹکرا ٹکرا کر خاموش فضا میں ہلچل ڈال
رہی ہیں۔ اب مشرق کی طرف آسمان پر سفیدی جھلکنے لگی۔ رات کے
شکاری پرندے جو اپنے گھونسلوں سے اڑ کر دور چلے گئے تھے۔
تھکے ماندے واپس آنے لگے۔ الو کی ہوک جس سے پہاڑ کی چٹانیں
گونج رہی تھیں بند ہو گئی اور افق پر سورج دیوتا کی آمد کے آثار نمایاں ہوئے
ایکا ایک ایک طرف سے ڈکرانے کی گرجتی ہوئی مہیب آواز آئی
وادی اور میدان دہل گئے۔ جنگلی بجار جاگ اٹھے تھے۔ ایک بڑے
بڑے سینگوں والا موٹا تازہ بوڑھا خرانٹ سانڈ آگے آگے پیچھے
پیچھے اس کا قبیلہ۔ گابھن، بچھڑے جوان بیل۔ گلہ کا گلہ اونچے پربت کی
تلہٹی والے سبزہ زار سے جس کی نرم نرم لہلہاتی گھاس پر رات گزاری تھی
اٹھ کر اگلا میدان پیتا جا رہا تھا۔ کبھی کوئی گائے ادھر منہ ڈالتی۔ کبھی کوئی بچھڑا
ادھر منہ مارتا۔ آپس میں کلیلیں ہو رہی تھیں کہ ایک بجار سانڈ نے کان
کھڑے کیے [illegible] نے کمر باندھ کر بڑے زور سے ڈکرایا۔ کنبے کے

سارے چھوٹے بڑے چوکنے ہو گئے۔ سب نے دمیں دبا لیں اور اس کے پاس خاموش کھڑے ہو گئے۔ سانڈ کی وحشت دم بدم بڑھتی جاتی تھی اس نے کھروں سے مٹی اڑانی شروع کی۔ منہ سے جھاگ نکلنے لگے اور سر جھکا کر لمبے لمبے سینگ اس طرح سامنے کر کے کھڑا ہو گیا۔ جیسے کوئی سپاہی دشمن کے مقابلے میں سنگینیں چھتیا لے۔

جنگل کے رہنے والے پتوں کے کھڑکنے کی آوازیں تک سمجھتے ہیں ان کی ناک کوسوں سے اپنے دشمن کی بو سونگھ لیتی ہے۔ لحیم شحیم بجار نے درختوں کے ایک جھنڈ کے اس طرف اپنی بڑی بڑی کالی کالی آنکھیں گڑو رکھی ہیں نتھنے پھلا کر پھنکارے مار رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی آنے والی آواز کی تھاہ لگانا چاہتا ہے اور جس جانی بوجھی بو نے اسے خطرہ کی اطلاع دی ہے اس کو پوری طرح جانچتا ہے۔ جانور ہمیشہ سے آدمی کی نسبت زیادہ جتھے باندھ کر رہنے والے ہیں اور ان کا سردار جتنا اپنے گلے کی دیکھ بھال رکھتا ہے گڈریا بھی کیا رکھے گا۔ دشمن کے مقابلہ میں یہ ایک دوسرے کی ایسی حمایت کرتے ہیں کہ انسان کو نصیب نہیں میانے والی بھیڑیں۔ ڈکارنے والے شیر پر جا پڑتی ہیں مریں یا جیئیں لیکن ساتھیوں کو نہیں چھوڑتیں۔ بجار کے پیچھے اس کی ساری ٹولی جب چاپ کھڑی اپنے سردار کی حرکتیں دیکھ رہی تھی سانڈ کوئی دس منٹ اس حالت میں رہا ہوگا کہ ایک دفعہ ہی پھنپھنا کر چلا۔ اس کے ساتھی بھی ساتھ ہی دوڑے۔ مشکل سے میدان کو طے کر کے درختوں کے جھنڈوں کے قریب پہنچے ہوں گے کہ ایک قسم کی نہایت ڈراؤنی آوازیں سنائی دیں۔ گلے کے سارے جانور سیدھے جاتے جاتے پلٹ پڑے اور ایک کھلی جگہ میں حلقہ باندھ کر

کھڑے ہو گئے۔ بچھڑوں نے اپنے پاؤں کے تھنوں کے نیچے پناہ لی جوان بیل اور حسن ماداؤں کے بچھڑے ننھے ادھر ادھر ٹہلنے لگیں۔ جیسے پہرہ دار پہرا دیتے ہیں کسی نا معلوم دشمن کا خوف بڑھتا جاتا تھا۔ دشمن کون ہے؛ بے زبان کیا بتائے لیکن تھی سب کو اپنی حفاظت کی پڑی ہوئی چند منٹ کے بعد آوازیں قریب آنے لگیں۔ گلے کا منڈ۔ اس گلّہ کا بڑا وہ جگادری سانڈ پھر ڈکرایا۔ اس کے نتھنے پھولنے لگے۔ خاردار جھاڑیوں اور گنجان درختوں میں سے کچھ بھیڑیے دانت چمکاتے نظر آئے۔ ڈرپوک گائیں بے تحاشہ بھاگیں۔ انھیں اپنے بچوں کی بھی سدھ نہ رہی۔ بھیڑیے جب تک انتہائی بھوکے نہیں ہوتے بڑے جانوروں پر حملہ نہیں کرتے وہ عموماً چاروں طرف ریوڑوں کو گھیر کر ڈراتے ہیں۔ تاکہ مائیں بچوں کو چھوڑ کر بھاگ جائیں اور پھر وہ اطمینان کے ساتھ نوش جان کریں۔

اس سانڈ نے یہ تماشے اکثر دیکھے تھے۔ وہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے سینگ سیدھے کرکے دوڑا۔ بھیڑیے تو نکل گئے مگر یہ اپنی رو میں برابر چلا جا رہا تھا کہ سامنے چند گز کے فاصلہ پر ایک جھاڑی ہلی سانڈ جھجک کر اچھلا ساتھ ہی ایک آدم نژاد نے جھاڑی کے پیچھے سے سر نکالا برچھی تان کر اس کے سینہ میں ماری اور چاہا کہ اچھل کر بچارگی زد سے ہٹ جائے۔ بچارہ دیوزاد، غصہ میں اندھا، اس پر چوٹ کھایا ہوا اور یہ کچھ یوں ہی سے عبد عبد، قصنا سر پر کھیل رہی تھی۔ بدن کو تولتے ہی رہے کہ بڑے بڑے سینگوں نے لپک لیا ہوا میں اڑا کر زمین پر دے مارا۔ ان کی چیخ پکار کو کون سنتا۔ دو رگڑوں میں آدمی سے چیتھڑا بن گئے۔

آدمی جب اس زمانہ میں خونخوار درندہ تھا تو جانوروں کا نیا یو چھنا

ہے۔ وہ کیسے کچھ نہ نہ ہو رہے گے۔ غصہ میں بھرے ہوئے بجار نے پہلے تو اپنے سینگوں سے اپنے خوب روندا۔ اور پھر اپنے سینگوں پر اس کی لاش کو فتح کا نشان بنا کر ہلانے لگا۔ وہ آدمی بھی اکیلا نہ تھا۔ اس کے حمایتی بھی آس پاس لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے تیر برسانے شروع کئے سانڈ گھبرا کر ادھر چلا وہ پھرتیلے تھے درختوں پر چڑھ گئے یہ جو بجل میں پھر اپنے شکار کے پاس آیا اور اس کے مردہ جسم کو روند روند کر ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ کبھی پیچھے ہٹ ہٹ کر سینگ زمین پر مارتا۔ کبھی ان تیروں سے نجات پانے کے لئے جو اس کی موٹی کھال میں سیئی کے کانٹوں کی طرح پیوست ہو گئے تھے۔ اپنے بدن کو جھڑ جھڑاتا۔ آخر ہانپ گیا اور خون میں نہایا ہوا اپنے گلے کی طرف بھاگا۔

بھاگ کر کہاں جاتا؟ ایک آدمی کا خون کیا تھا۔ وہ دمی تنگ جسم زہر میں بجھے ہوئے تیروں سے چھلنی، تھوڑی دور جا کر زور زور سے ڈکرانے لگا۔ سارا جنگل اپنی ہیبت ناک آواز وں سے سر پر اٹھا لیا۔ ادھر تو بجار کی امت اپنے سردار کی یہ گت دیکھ کر سہمی ہوئی ایک ایک کا منہ دیکھ رہی تھی ادھر ایک نیا شور ان کے کانوں میں پڑا۔ یہ عمل ڈھولوں، نرسنگھوں اور سیٹیوں کا تھا جو مرنے والے آدمی کے ساتھ بجاتے چلے آ رہے تھے۔

ریوڑ چاروں طرف سے گھر گیا تھا۔ نکل بھاگنے کا کوئی رستہ نہیں۔ پھندیت پھندے ڈالنے، برچھیت برچھے ہاتھوں میں لئے شکار کو تیار تھے۔ سانڈ اپنے ریوڑ کے پاس جا کر ٹھیر گیا۔ گائیں اندھا دھند دھکا پیلی کر رہی تھیں۔ گرے ہوئے درختوں نے جال باندھ دیا تھا۔ بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔ گلہ کا گلہ اب ان شکاریوں کے گھیرے میں

تھا۔ انھوں نے سانڈوں کے پھنسنے کے لئے جہاں تہاں باڑے بنا رکھے تھے۔ خندقیں کھود رکھی تھیں۔ جنھیں درختوں کی پتلی پتلی ٹہنیوں سے پاٹ دیتے اور ہری ہری دوب بچھا دیتے۔ سارے راستے روک کر جانوروں کو ہانکا کرکے ادہر لے جاتے اور پھانس لیتے۔ اپنے اسی دستور کے مطابق ان وحشی آدمیوں نے اس ریوڑ پر بھی گھیرا ڈالا اور ہانک کرلے چلے اور تو سارا گلہ ایسا تھا فقط یہ خرانٹ ذرا دیر میں داؤں پر چڑھا۔ اسی جگاوری کے پھنسنے کی کسر تھی اب جو یہ بھی کمزور ہوکر اپنے ریوڑ میں آگیا تو باقی کیا رہا۔ بیل گائیں بچھڑے کل کے کل ایک جگہ گھر گئے۔ ان کا بے بس ہونا تھا کہ باڑے کے باہر سے تیر پڑنے لگے۔ گلے میں ہل چل مچ گئی۔ پتھروں اور تیروں کی بارش نے بولادیا۔ کئی چھوٹے بچھڑے لوٹ گئے۔ مائیں ان کو سونگھتیں چاٹتیں اور مامتا کی ماری خود زخمی ہوتیں۔ جوان بیل اور غصیلی گائیں ادھر کی ادھر ادھر کی ادھر قلابچیں مارتیں کہ کسی طرح قید سے نکل جائیں لیکن انسانو کی لگائی ہوئی باڑے کیا نکل سکتیں۔ سانڈ پہلے ہی ادھ موا ہوگیا تھا۔ اس کے زخم چرا رہے تھے۔ پھر بھی اسے جوش آگیا اور اپنے گلے کی پریشانی سے بیقرار ہوکر آخری حملہ کے لئے چلا۔ ایک آدمی اسے باڑ کے پیچھے نظر آیا۔ انتقام کے جذبہ میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ انسان ہو یا حیوان جب اپنے دشمن سے بدلا لینا چاہتا ہے تو مرتے مرتے بھی بدلا لئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ وہ غصہ میں بھڑک کر اس زور سے لپکا کہ باڑ تک پہنچ کر سنبھل نہ سکا۔ گرا۔ گرا تو باڑ پر۔ شکاری نے جو وہیں تھا نہ ادھر بھاگنے کی کوشش کی نہ بھاگ سکا۔ بچا۔ کے گرنے سے باڑ ٹوٹی جھاڑ جھنکاڑ اتنی بھاری لاش کو کیا سہارتے۔ باڑ کے نیچے وہ اجل رسیدہ بھی دب گیا۔ بہا ڑ آ پڑا تھا۔ منٹوں میں جان نکل گئی

باڑ ٹوٹی، رستہ کھلا، گلے کو بچ نکلنے کا موقع ملا۔ بجار لوٹ پیٹ کر اٹھا اور بھاگا تو اس کے ساتھ سارا گلہ بھی قید خانہ سے نکلا۔ سانڈ ایک دفعہ اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوگیا۔ قید خانہ بھی اس نے توڑ دیا تھا۔ لیکن اس کی حیوانی قوتیں کہاں تک اس کا ساتھ دیتیں۔ کمزوری اور تکلیف بڑھتی جاتی تھی۔ کھلے میدان میں آکر وہ زور زور سے ڈکرانے لگا اور اپنے سینگوں اور کھروں سے زمین کی مٹی اچھالنے لگا۔ ادھر اس کے ڈکرانے اور خاک اڑانے کا شور تھا ادھر دور سے آدمیوں کی ماتمی آوازیں سنائی دیں۔ غم اور خوشی کے اظہار کی آوازیں نکال کر وہ اپنے ساتھیوں کو باخبر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے سننے والے سمجھ لیں کہ کوئی خوشی کا واقعہ پیش آیا ہے یا غم کا اور وہ سب جمع ہو جائیں۔

شکار

آج کے مہذب انسانوں کے جنگلی آباؤ اجداد کی کٹھن زندگی جس طرح گزرتی تھی اس کا حال آپ نے سنا۔ پیٹ کی آگ بجھانے میں شکار کرتے تھے اور شکار ہوتے تھے۔ مرنا جینا کس قدر دہشت ناک اور بیکسی کا تھا۔ یہ شکار جس میں دو انسانی جانیں گئیں اس کی بھاگ دوڑ ہفتوں پہلے سے ہو رہی تھی۔ جاڑوں کے دن جا رہے تھے۔ کھاد کا گوشت ختم ہونے والا تھا۔ ہرن بارہ سنگے گائے بیل اور گھوڑوں کے گلے جو کھر پڑتے ہی برفانی علاقوں سے نکل کر چرنے کے لئے دوسری طرف میدانوں میں چلے گئے تھے ان کے واپس آنے کا تانتا لگ گیا تھا۔ جنگل خبر لانے والے روز خبر لاتے کہ آج ہرنوں کی ڈاریں دیکھیں

بارہ سنگھے چرتے دکھائی دیے۔ آج گدھے نظر آئے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنیں۔ لیکن گائے بیل کی ابتک کسی نے اطلاع نہیں دی تھی۔ ان لوگوں کو یہی گوشت زیادہ پسند تھا۔ خاص کر موٹے تازے بڑے کو بان دا بجار کا اور وہ انہی کے آنے کے انتظار میں تھے۔

خزاں جا کر بہار آنی شروع ہو گئی تھی۔ سارا جنگل ہرا بھرا تھا۔ ان دنوں میں گائے بیلوں کے گلے آجایا کرتے۔ مگر اب کے ان کا پتہ نہ تھا۔ شکاری دور دور تک نکل گئے۔ چپہ چپہ دیکھ ڈالا۔ اپنے بس ہر ایک نے بہتیری کوشش کی۔ سب یہی چاہتے تھے کہ پہلے میں خبر دوں اور میری بڑائی ہو۔ کھوج ہی نہیں لگتا تھا۔ صبح تڑکے تڑکے بلکہ اندھیرے منہ کمریں کس نکل جاتے اور شام کو تھکے ہارے۔ مایوس صورت بنائے چپکے سے آکر دبک جاتے کہ قبیلہ کا سردار برا بھلا نہ کہے۔ عورتیں طعنے نہ دیں۔

اس وادی میں دو قبیلے رہتے تھے۔ ایک نے اپنا نام اشوتیا رکھا تھا اور دوسرے نے ہیشیا۔ وادی کے دونوں سروں پہ دو بڑے بڑے غار تھے۔ جو غار اشوتیا والوں کا مسکن تھا اسے تہاتوپ کہتے تھے اور جس میں ہیشیا والے بسیرا لیتے وہ تھاو ہسٹ کہلاتا۔ بیچ کے سارے میدان پر ان دونوں کی حکومت تھی۔ دونوں نے یہ تمام علاقہ اپنی ضرورتوں اور طاقتوں کے موافق بانٹ رکھا تھا۔ خود غرضی اور ہماہمی نے آدمی کے ساتھ جنم لیا ہے۔ زر، زن، زمین اول سے بس کی گانٹھیں ہیں۔ جنگلی پن میں انہی کی بدولت کٹتے اور مرتے رہے۔ تہذیب کے دور میں بھی یہی چین سے نہیں بیٹھنے دیتیں۔ اشوتیاں اور ہیشیا اگر چہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں گے لیکن ؟ پادھاپی نے ان کو دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ ایک دوسرے کے دشمن۔ تاہم

چونکہ ابھی تمدن کا روگ نہیں لگا تھا اس لئے صرف روزمرہ کی زندگی میں وہ بیر اور دشمنی کرتے تھے۔ یعنی ایک کا کیا ہوا شکار دوسرا چرا لے جاتا۔ ایک کے گھر سے ہوئے گلے پر دوسرے قبضہ کر لیتے اور اس چھینا جھپٹی میں مارنے مرنے سے بھی نہ ہچکچاتے۔ ورنہ جب کبھی کسی بڑے خطرہ کا سامنا ہوتا۔ کوئی ایسا زبردست غنیم آپڑتا جس کا مقابلہ اکیلے نہ کرسکتے تو دونوں ایک ہو جاتے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی مدد کرتا اور ایک سردار کے ماتحت دونوں مل کر لڑتے۔

ان دونوں ہمسایہ قبیلوں میں تھاٹوپ والا اشوبا بالادست کے ہیتیا والے سے زیادہ قوی تھا۔ اس میں سوسے زیادہ بڑے آدمی تھے اور اس میں بچے کچھے سب ملا کر کوئی سو ہی ہوں گے۔ پھر جیسا جتھا بڑا ویسے اس کے سامان، ویسی ہی اس کی دھاک، طاقت والے جرگے میں رعونت پیدا ہو جانا معمولی بات ہے۔ اشوبا اپنے گھمنڈ میں بہت بڑھ گئے تھے ہروقت فساد کے لئے تیار رہتے۔ کھلم کھلا تو نہیں ہاں چوری چھپے جب موقع ملتا ہیتیا کو ستاتے۔ رواداری کے یہ لوگ تو کیسے چوری اس پر سینہ زوری۔ باتوں باتوں میں ہاتھ چھوڑ بیٹھتے۔ کمزور شریف بن جاتا ہے۔ شر سے بھاگنے لگتا ہے۔ ہیتیا والے اپنے پڑوسیوں کے یہ سارے ظلم برداشت کرتے۔ برداشت نہ کرتے تو کیا کرتے۔ ان میں مڈبھیڑ کی طاقت نہ تھی۔

ہیتیا گوت کے سردار کا لڑکا شکتی بڑا منچلا جوان تھا۔ اس کی شکل صورت، بول چال، وضع قطع بھی اپنے سارے قبیلے والوں سے الگ تھی یہ بھی اوروں کی طرح سویرے نکل جاتا اور پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر دیا

کے کنارے دور تک میدانوں میں نظر دوڑایا کرتا۔ سب سے پہلے گائے
بیلوں کا گلہ اسی نے دیکھا تھا جو پہاڑیوں کی چراگاہوں سے واپس آ رہے تھے
اس کی نظر جب ان پر پڑی ہے تو اس نے اپنے دستور کے مطابق جلدی
سے خشک لکڑیوں کے دو ٹکڑے لیے اور پھرتی کے ساتھ انہیں زور زور
سے آپس میں رگڑا، وہ گرم ہو کر جل اٹھے۔ اس وقت آگ جلانے کا یہی
طریقہ تھا اور جب شعلے بھڑکنے لگے تو ان پر اور سوکھی ہوئی ٹہنیاں ڈال
دیں۔ یہ سب سلگ گئیں تو اوپر سے ہری شاخیں جھونک کر الاؤ لگا دیا۔ ہوا
بند تھی۔ دھواں سیدھا اوپر کی طرف چلا۔ اور بیس پچیس گز اونچی دھوئیں کی
ایک لاٹھ سی بن گئی۔ یہ ان لوگوں میں اپنے دور پرے کے ساتھیوں کو
خوشخبری دینے کا اشارہ تھا۔ نکتی نے بھی اس ترکیب سے اپنے قبیلے کے
شکاریوں کو جو گائے بیلوں کی آمد کے منتظر تھے خبر دی کہ ہمارا شکار آ گیا
ہے تیار ہو جاؤ۔

جہاں نکتی کھڑا ہوا اپنے قبیلہ والوں کو شکار کے آنے کی اطلاع
دے رہا تھا، اتفاق کی بات وہیں کوئی دو تین سو قدم کے فاصلہ سے درختوں
کے ایک جھنڈ کی اوٹ میں دھوئیں کا ایک دوسرا مینار بھی بلند ہوا۔ اشوسیا
خاندان والے بھی بیلوں کے ریوڑوں کی ٹوہ میں تھے۔ ان کا بھی ایک
شکاری یہاں پہنچا تھا اور وہ بھی اپنے شکاریوں کو شکار کی دعوت دے
رہا تھا۔ ان دونوں قبیلوں میں رہنے سہنے اور شکار کے متعلق کچھ شرطیں
تھیں۔ جن کی پابندی کرنی پڑتی تھی مثلاً شکار کو جو پہلے دیکھے اور دھواں
کرے دوسرے کو دست اندازی کا حق نہیں رہتا۔ نکتی نے چونکہ پہلے
دھوئیں کی جھنڈی گاڑ کر اپنا حق قائم کر دیا تھا اس لیے میدان کے قانون

کی رو سے اشوئیا والوں کو اب شکار کی تگ و دو نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن زبردست کے سو سو سے۔ قانون طاقت کے ہاتھوں میں کچے تاگے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ قانون کی پناہ ہمیشہ کمزور ڈھونڈا کرتے ہیں۔ چنانچہ شکتی کو اشوئیا والوں کی اس قانون شکنی پر بڑا تاؤ آیا۔ بل کھاتا ہوا اوپر کو لپکا جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر درختوں کی شاخوں میں جھانکا۔ دیکھا کہ ایک لمبا تڑنگا آدمی چیتے کی کھال میں لپٹا ہوا درخت سے لگا کھڑا ہے۔ سامنے آگ سلگ رہی ہے۔ شکتی کے قدموں کی آہٹ سے چونکا۔ نگاہ اٹھائی اور اسے دیکھتے ہی ایک عجیب قسم کا ہتھیار نکال کر حملے کے لئے آمادہ ہوگیا۔

شکتی اور اس آدمی میں کوئی تیس قدم کا فاصلہ ہوگا۔ اب درختوں کی اوٹ نہیں رہی تھی۔ دونوں آمنے سامنے تھے۔ غور سے دیکھا۔ پہچان لیا کہ دہاتوپ والوں کا سردار بگھیلا ہے۔ سارے جنگل میں اس کی طاقت۔ لڑاکا پن اور خونخواری مشہور تھی۔ سوچا کہ اس سے مقابلہ کرنا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ غصہ کو پی گیا اور تعظیم کے لئے جھکا۔ دوستی کی علامتیں ظاہر کیں۔ بگھیلا بھی مسکرایا۔ اپنا ہتھیار کمر میں اڑس لیا۔ دونوں آگے بڑھے اور ایک دوسرے کے پاس آگئے۔ ایک اپنے قبیلہ کا سردار دوسرا اپنے قبیلہ کے سردار کا بیٹا تھا۔ قانون سے باتیں ہونے لگیں۔

شکتی: "جناب! بیلوں کا یہ گلہ سورج نکلتے ہی میں نے دیکھ لیا تھا۔ اس لئے ہمارا حق ہے۔"

بگھیلا۔ "جھوٹ ہے میں نے انھیں کل دیکھا تھا۔ یہ میرے ہیں۔"

شکتی۔ "(ذرا تیز ہو کر) ایسا نہیں ہوسکتا۔ کل یہ یہاں کب تھا؟"

بگھیلا۔ "تھا کیوں نہیں اور نہیں تھا تو اب ہے۔"

شکتی :۔ لیکن آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جنگل کے اس حصہ میں اشوتیا والوں کو شکار نہیں کھیلنا چاہیئے۔ اس کے مالک مہنتیا ہیں۔"

بگھیلا :۔ "اچھا پھر؟"

شکتی :۔ "پھر یہ کہ آپ اپنی حد میں رہیں اور ہم کو اپنی حد میں رہنے دیں۔"

بگھیلا :۔ (حقارت آمیز ہنسی کے ساتھ) "رہو، جہاں چاہے رہو۔"

شکتی :۔ (غصہ کو ضبط کرتے ہوئے) "آپ مہنتیا کے میدانوں کو چھوڑ دیں پرائی ملک میں شکار کھیلنا قانون کے خلاف ہے اور اس سے رودھیں ناخوش ہوتی ہیں۔"

بگھیلا :۔ "قانون غلط بنا ہے۔ مہنتیا والوں کو اتنی زمین کی ضرورت نہیں۔"

شکتی :۔ (زور دے کر) "اشوتیا والے اتنے مغرور نہ ہوں۔ اپنے بڑوں کے بنائے ہوئے قانون کا پاس چاہیئے۔ کیا آپ نے گرد کے آگے سردار بنتے وقت قسم نہیں کھائی تھی اور روحوں سے ان نیک صلحوں پر قائم رہنے کا عہد نہیں کیا تھا؟"

بگھیلا :۔ "زیادہ بکواس نہ کرو۔ میں تمہارے اس چھوٹے منہ سے ایسی بڑی بڑی باتیں سننا نہیں چاہتا۔"

شکتی :۔ "جناب آپ سردار ہو کر ہمیشہ دھرم بھولے جاتے ہیں۔"

بگھیلا :۔ "کیا تم لڑنا چاہتے ہو؟ کس بھروسے پر؟ تم کیا اور تمہارا قبیلہ کیا؟ کیا چڑی اور کیا چڑی کا شوربا۔ اشوتیا والے اگر چاہیں تو تم سے زبردستی شکار کی زمینیں چھین لیں۔ مہنتیا والے تو ہمارے رحم پر ہیں۔"

یہ کہکر بگھیلا اکڑ گیا اور نفاخرانہ انداز کے ساتھ اس طرح ہنسا کہ اس کی گھنی ڈاڑھی اور سرخ موچھوں کے درمیان سفید سفید دانت چمکنے لگے۔ اس

کے ماتھے پر دونوں بھنووں کے بیچ میں قبیلہ کا نشان تھا۔ ایک کالی بندی اور بہ کئی رنگ کی لکیریں سی جو اوپر ماتھے تک اور نیچے آنکھوں کے گرد اگرد پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ بے پروا ہی کے ساتھ اپنے دائیں کندھے پر لٹکے ہوئے تیر چلانے والے ٹیڑھے بڑنگے کمانچے سے کھیلیں۔ ہاتھا اور اس کا بایاں ہاتھ کمر میں اڑے ہوئے لکڑی کے خنجر پر تھا جس کی نوک میں پتھر کی تیز انی جڑی ہوئی تھی۔

کمزور کا غصہ ہی کیا۔ وہ جو کہتے ہیں کمزور مار کھانے کی نشانی۔ شکتی کو بگھیلے کی دھونس جمانے پر غصہ تو بہت آیا۔ اس نے اکیلے اسی کی نہیں بلکہ اس کے سارے قبیلہ کی تباہ کی ہتی طیش میں جی تو یہ چاہا اور وحشت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اچھل کر بگھیلے کا منہ نوچ لے۔ دانتوں سے بوٹیاں کاٹ ڈالے پھر کچھ بھی ہو مرے یا مارے۔ لیکن اس میں اس زمانہ کے وحشیوں سے زیادہ سمجھ تھی۔ وہ اپنے وقتی جوش کو دبا گیا۔ صبر سے کام لیا۔ کمزوری کی سپر صبر ہی ہے۔ اس نے خیال کیا اس وقت نشونموں کی بنی ہوئی ہے۔ بھڑنا نہیں چاہیے۔ بات ٹال دو۔ کبھی تو ہمارے بھی دن بھلے آئیں گے۔ اللہ میں سب قدرت ہے۔ اور اس نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

شکتی۔ "تو پھر ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ دونوں قبیلے والے مل جل کر شکار کھیلیں۔"

بگھیلا۔ (قہقہہ لگاکر) باگھ اپنے شکار کا بٹوارا نہیں کیا کرتے۔ ہاں ہمارا بچا کھچا تم لے جانا چاہو تو لے جاسکتے ہو۔

ہیڈشیا والوں کی حقارت اس سے زیادہ کیا ہوسکتی تھی۔ شکتی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اندر ہی اندر چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح بل کھا رہا تھا۔ مگر چپ۔ زبان ہلائے تو ہاتھ پاؤں بھی ہلانے پڑیں۔ اُدھر بگھیلا

اپنے رقیب کی بے بسی پر اس زور سے ہنسا کہ اس کی پیلی مٹی میں رنگے ہوئے
بال جن کا جوگیوں جیسا جوڑا بندھا ہوا تھا کھل کر بکھر گئے اور چاروں طرف ہلنے
لگے۔ اگر اس وقت دونوں قبیلوں کے آدمی جو دھوئیں کا اشارہ پاتے ہی
دوڑ پڑے تھے نہ آ پہنچتے تو عجب نہیں تھا کہ کشتی اور جھمیلا میں ہاتھا پائی ہو جاتی
شکار عرصہ کے بعد ملا تھا۔ مصلحت یہی تھی کہ حق و ناحق کے جھگڑے فی الحال
چھوڑ دیئے جائیں۔ پھر کسی موقع پر دیکھا جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں آپس میں
لڑتے ہی رہیں اور گائے بیلوں کا گلہ کسی طرف راستہ لے۔ اس لئے فوراً شکار
کا انتظام ہونے لگا۔ یہ آدمی گنتی میں کوئی چالیس پچاس تھے۔ سب ہتھیاروں
سے لیس۔ شکار پر نظر ڈالی اور تین ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک ٹولی چلی کہ
گلے کو آہستہ آہستہ ہنکالتی ہوئی اس حکمت سے باڑے کی طرف لے جائے
کہ کوئی جانور بھڑکنے نہ پائے اور اپنے آپ چپ چاپ بوچڑخانے
میں جا داخل ہوں۔ جنگلی جانور جب خوف زدہ ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا سامنا
میں آنا آسان نہیں۔ وہ ادھر ادھر ایسے بدحواس بھاگتے ہیں کہ خدا
کی پناہ۔ جان تو نہ یوں بچتی ہے۔ نہ یوں۔ آدمی کا شکار نہیں ہوتے تو درندے
پھاڑ کھاتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اپنے شکار کو گھیرنے میں بڑے داؤں
پیچ سے کام لیتے تھے۔ دوسری دونوں ٹولیاں چاروں طرف پھیل گئیں۔ نکلنے
کے رستے روک لئے۔ ہانکا شروع ہوا اور شکار کو ہانکتے ہوئے مہا جال کی
طرف لے چلے۔ مہا جال ایک بڑا احاطہ تھا جس میں کئی قسم کے پھندے بنے
ہوئے تھے اور جس کے گرداگرد باڑیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ مہشیا قبیلے والوں
نے اس وقت بنایا تھا جب وہ پہلے پہل یہاں آئے تھے۔ موسم بہار میں وہ
گائے بیلوں گھوڑوں بارہ سنگھوں اور اسی طرح کے بڑے جانوروں کو گھیر گھار

اس کے اندر بند کر دیتے اور حسب ضرورت مار مار کر کھاتے رہتے۔

ہوا موافق تھی۔ گھیرا ڈالنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بعض منچلے پرانے شکاری جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں بیٹھے ہوئے ایک دم سے بیلوں کے گلہ کی پشت پر جا نکلے۔ یہ رنگ برنگ کی کھالیں پہنے اور چہروں پر بھیڑیوں کے سر لگائے ہوئے تھے۔ گلہ آہٹ پاکر بغیر کسی خیال کے اس راستہ پر ہو لیا جو شکاریوں نے پھانسنے کے لیے چھوڑا تھا۔ بھیڑیوں سے ان بڑے جانوروں کو زیادہ مغائرت نہ تھی۔ لڑنے میں بھی اکثر برابر چھوٹتے۔ ہاں آدمیوں سے انھیں پورا بیر تھا۔ سانڈ اس سارے گلہ کا نگہبان اپنے فرض سے کب غافل رہتا۔ وہ کہیں تاڑ گیا۔ اس کی ناک میں بو آ گئی۔ پھر ایک آدمی بھی دکھائی دے گیا جو بھیڑیے کا چہرہ لگائے ہوئے نہ تھا۔ اس کا حال پہلے باب میں ہم سنا آئے ہیں۔ ایک آدمی کی جان جاتی بچی تھی گئی۔ لیکن گلہ کو ڈگر سے نہ ہٹنے دیا۔ اور آخر دوسرے دن شام تک باڑے میں قید کر کے چھوڑا۔

دم لے کر صبح کو شکار کرنا تھا۔ بڑی ہوشیاری سے رات بھر چوکسی کرتے رہے۔ سورج نکلتے ہی قبیلہ کا ہر آدمی اپنے ہتھیار سنبھالنے لگا۔ سارا گلہ باڑے کے اندر تھا۔ باڑ مضبوط، نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اچھل کود وہاں بیکار تھی۔ لیکن زخمی بچار کی ہمت کا کیا کہنا۔ اس نے ایسا ابھارا کیا کہ سارے شکاری منہ دیکھتے رہ گئے۔ آگے چھ تین چار بچھڑے۔ دو تین گائیں۔ ایک دو بیل اس کے خاندان کے بھی پیچھے اور خود بھی بری طرح زخمی ہوا۔ تاہم اپنی طاقت کے بل بوتے باڑ کو توڑ کر راستہ نکال ہی لیا۔ خود قید سے چھوٹا۔ اپنے قبیلہ کو آزادی دلائی اور چلتے چلتے شکاریوں میں سے ایک

اور کو بھی خدا کے گھر بھیجا گیا۔

کریا کرم

ایک عجیب قسم کا شور برپا تھا۔ آوازیں بھی مدھم پڑ جاتیں کبھی بہت تیز یہ ماتمی صدائیں تھیں۔ جانوروں کو غم بھی ہوتا ہے اور خوشی بھی اور وہ ہر موقع کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ انسان انھیں سمجھ تو نہیں سکتا۔ کیونکہ ان کی زبان نہیں جانتا۔ لیکن آوازوں سے یہ پتہ ضرور چل جاتا ہے کہ وہ کس حالت میں ہیں۔ یہی حال اس زمانے کے آدمیوں کا تھا۔ جذبات کی ترجمانی کے لئے ان کے پاس زیادہ الفاظ نہ تھے۔ گویائی میں غم و خوشی کے ظاہر کرنے کی طاقت نہ تھی۔ خوش ہوتے تو ناچنے تھرکنے لگتے۔ کوئی بپتا پڑتی تو منہ کالا کر لیتے۔ چٹکیاں کھانے لگتے اور طرح طرح کی ایسی آوازیں نکالتے جس سے رنج و ملال ٹپکتا۔ آج بھی جو قومیں اپنی قدیم حالت میں ہیں ان میں رنج و خوشی کا یہی دستور ہے خوشی کا موقع آیا کلکاریاں مارلیں۔ ڈھول پیٹ پیٹ کر ٹھمک لئے۔ رنج میں ایک دوسرے کے دو نہیڑا ارتے ہیں کلیجہ پھاڑ کر چیختے ہیں جیسے کسی کو زخم لگے۔ یا دل میں درد ہو اور وہ ہڈکیں ارسے۔

ان قبیلے والوں کے سامنے بیچارگی اور بے بسی کا اس سے زیادہ کیا نمونہ ہو سکتا تھا کہ باڑے کے باہر ان کے ہم جنسوں کی دو لاشیں پڑی تھیں ایک ٹکڑے ٹکڑے قیمہ قیمہ ہاتھ کہیں پاؤں کہیں۔ دوسری گوشت کا لوتھڑا۔ وہ بھی کچلا ہوا وہ باڑے کے اندر مردہ پڑا تڑپتے ہوئے جانور۔ اندر والے بے خبر اپنے شکار کے چاروں طرف کھڑے باہر والوں کی غمناک آوازیں سن رہے

تھے۔ حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتا اور آنکھوں آنکھوں میں پوچھتا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ایک شکاری جس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو مرتے دیکھا تھا۔ باہر سے بھاگا ہوا آیا اور ان کے بیچ میں کھڑا ہو گیا کہنے لگا۔

آنے والا۔ "سانڈ کے بدن میں کوئی بڑی دشٹ روح تھی"۔

اندر والوں میں سے ایک۔ "مگر سے یا پاکس کا ہے؟"

آنے والا۔ "ہمارے قبیلے والوں میں سے دو کو اس نے مار ڈالا"۔

دوسرا۔ "جان نکال ڈالی؟ مر گئے!"

آنے والا۔ "تم سمجھتے ہو جب کوئی دشٹ روح بدی پہ آتی ہے تو بھینٹ لئے بغیر نہیں مانتی"۔

تیسرا۔ "جب ہی اس پہ برچھیوں اور تیروں کے وار کارگر نہیں ہوئے"۔

چوتھا۔ "اور یہ بھی دیکھا کہ باڑے کا پھاٹک اس کے آگے آپ ہی آپ کھل گیا"۔

خونخواری اور جان بازی کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اچھی بری روحوں کے بھی حد درجہ قائل تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ جو کچھ دنیا میں اچھا یا برا ہوتا ہے اس کی کرنی دھرنی صرف اچھی بری روحیں ہیں۔ آنے والے نے جو کچھ کہا اسے سب نے مان لیا۔ اس سرے سے اس سرے تک سب پر ہیبت طاری ہو گئی طرح طرح کے وہم آنے لگے اصلی واقعات پر پردہ ڈال دیا اور اب ہر شخص اس دیو ہیکل جنگلی بچار کو بدی کا اوتار سمجھ کر ڈرنے لگا۔

باڑے میں اس وقت مردہ اور سسکتے ہوئے کئی جانور تھے۔ ایک گائے کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ جب اٹھتی ڈکرا کر گر پڑتی۔ ایک بیل نیم جان ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ زخمی شکاری پہ ٹھنڈے ہونے سے پہلے چھریاں چلائی ان

گئے مذہب کے خلاف تھیں۔ لیکن توہمات اتنے غالب تھے کہ انھوں نے اپنے دستور کا کچھ خیال نہیں کیا۔ انھیں وہم ہوا کہ کہیں وہ بچارے اپنے ساتھیوں کی آواز سن کر پھر نہ آجائے اور رہم سے بدلہ نہ لے اور گھبراہٹ میں جلدی جلدی منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھ کر چھریاں چلانی شروع کر دیں۔ زخمیوں کو جان سے مار دیا۔ ان کے ٹھنڈے ہونے کی راہ بھی نہیں دیکھی۔ مار مار کھالیں اتار ڈالیں۔ گوشت کے پارچے بنائے۔ اب ذرا اطمینان ہوا، لکڑیوں اور ہڈیوں کی چھریاں صاف کر کے اپنی جگہ اڑ بیٹھے۔ دو آدمی گوشت کی نگرانی کیلئے باڑے میں چھوڑے۔ باقی دوسرے ایک کھال جو زیادہ کٹی پھٹی نہ تھی اور جس میں سر اور سینگ لگے ہوئے تھے ساتھ لے کر ماتم میں شریک ہونے کے لئے چلے۔

خاک میں ملا کر، آگ میں جلا کر، پانی میں بہا کر، چیل کوؤں کو کھلا کر مقصود مردے کو اول منزل پہنچانا ہوتا ہے۔ جس طرح انسانی زندگی نے ہزاروں روپ بدلے ہیں۔ اس طرح بے جان جسموں کے ساتھ بھی قسم قسم کے سلوک ہوتے رہے۔ مردہ بدست زندہ کی مثل اسی سے بنی۔ ہر جگہ ہر زمانے میں نئی رسمیں تھیں۔ آج بھی ہیں۔ پہلے غیر مہذب طریق ہوں گے۔ اب شائستگی سے کرتے ہیں۔ بات جہاں تھی وہیں رہی۔

باڑے والے باڑے سے نکل کر ماتم کرنے والوں کے پاس جب پہنچے تو وہاں کریا کرم کا سامان ہو رہا تھا۔ شکاری اپنے بدنصیب ساتھیوں کی لاشوں کے ارد گرد اکڑوں بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ باڑے والوں کو بیل کی کھال لئے آتے دیکھا تو اور بھی چیخ چیخ کر رونے لگے۔ یہ بھی انسانی فطرت کا ایک تقاضا ہے۔ اپنے ہمدردوں اور رنج و راحت میں شریک

ہونے والوں کو دیکھ کر آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے۔ ہنستا ہو تو قہقہے مارنے لگتا۔ روتا ہو تو پیٹنے لگتا کچھ قدرتی باتیں ہیں دونوں قبیلوں کے آدمی وہاں موجود تھے اور ان کی پہچان صرف ان کے چہروں پر بنے ہوئے رنگین نشانوں سے ہوسکتی تھی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ایسے موقعوں پر کہ موت کا سامنا ہو ان کا یہی طریقہ تھا کہ آپس میں ایک ہو جاتے اور مل جل کر ماتم کرتے۔ ان میں سے ایک نے کچھ گانا شروع کیا۔ گانا کیا بین کہنا چاہیئے۔ پہلے دھیمے سروں میں جیسے مکھی بھنبھناتی ہے۔ پھر بڑی تیز اور اونچی آوازیں۔ یہ ان کے انتہائی غم کی علامت تھی۔ جب وہ اپنا بین ختم کرتا تو سب ایک ساتھ آوازیں ملا کر ہو ہو ہو۔ ہو ہو ہو کرتے۔

موت کی مصیبت سے بڑھ کر کونسی مصیبت ہوسکتی ہے۔ جنگل کے رہنے والے ہوں یا شہر کے۔ مہذب ہوں یا غیر مہذب۔ فرق صرف طرز زندگی کا ہوتا ہے دنیا کے تعلقات اور تمدن کی الجھنیں جتنی کم ہوں گی اس مصیبت کا احساس زیادہ ہوگا اور جس قدر مصروفیتیں بڑھتی جاتی ہیں یہ تکلیف بھی شدت کی نہیں رہتی۔ جیسی موت ویسا رونا دھونا۔ چار آنسوؤں اور دو افسوس کے لفظوں میں ماتم ختم۔ یہ لوگ ابھی تمدن سے بہت دور تھے۔ ان کے مشغلے محدود ضرورتیں گنی چنی۔ ان میں سے یکایک دو ہم جنسوں کا کھینچ جانا۔ وہ بھی ان کا جو ہاتھ پیروں کے مضبوط، شکار کرنے میں چالاک۔ بیکار یا دوسروں پر بار نہیں۔ واقعی بڑی مصیبت تھی۔ وہ جتنا ماتم کرتے کم۔ اس لئے یہ سماں بہت ہی المناک اور رقت انگیز تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک شکاری اٹھتا اور مردے سے مخاطب ہو کر کہتا۔" تو بڑا جیوٹ تھا۔ تو نے کبھی رات کا اندھیرا ہو یا دن کا اجالا، کٹھن وقتوں میں پیٹھ نہیں دکھائی۔ پچھلی گرمیوں میں جب ہم تیرے ساتھ

مل کر بھیڑیوں سے لڑے تھے، تجھے یاد ہے؟ ہائے ہائے! اب تو کیسا چپ چپ پڑا ہے۔"

دوسرا:۔ (روکر) ارے تو وہی ہے جو شیروں کو پچھاڑتا تھا۔ اٹھ دیکھ وہ تیسرا آیا۔"

تیسرا:۔ کوئی راکھشش سانڈ بن کر آیا تھا۔ تیری آتما نکال کرلے بھاگا۔ ارے رے رے۔ تیرا بل کچھ کام نہ آیا۔ پھر بھی تیرا جیسا سورما کون ہے۔ باڑے کے نیچے ہی دب کر مرا۔"

چوتھا:۔ "تو دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن تھا۔ تو نے اپنوں کا سدا مان رکھا اور کبھی کسی کے ساتھ برائی نہیں کی۔ ہو ہو ہو۔

اس طرح باری باری سے ہر ایک کچھ کہتا اور آخر میں سب مل کر اس کے ساتھ ہائے ہائے۔ ارے رے رے۔ ہو ہو ہو کرتے۔ اتنے میں ان کا گرو اپنی خاص وضع میں آ پہنچا۔ اس کے آگے پیچھے قبیلے کی عورتیں تھیں جنھوں نے آتے ہی مرنے کو گھیر لیا۔ حلقہ باندھ کر بین کرتی جاتیں اور چھاتی کوٹتی ہوئی چاک پھیری کھاتی جاتیں۔ یہ گرو داگھیاروں کی قسم کا ایک بوڑھا جہاندیدہ شخص ہوتا۔ قبیلے کی برائی بھلائی کا نگراں، ان کی جان و مال کا محافظ، بلاؤں کا ٹالنے والا۔ فالیں وہ کھولتا جادو اسے آتا۔ سب اس کی عزت کرتے۔ اس سے ڈرتے گویا قبیلے کی زندگی کے نیک و بد اس کے ہاتھ میں تھے۔ ان کی ساری کائنات میں اس کا بول بالا تھا۔ ناراض روحوں کو وہی مناتا۔ مرنے والوں کی آتمائیں اسی کے منتروں سے نجات پاتیں۔ قحط، امساک باراں وغیرہ اسی کی کارروائیوں سے ٹلتے۔ لڑائیوں میں فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں تھی۔ شکار کی کمی بیشی کے لئے اسی سے کہا جاتا۔ یہ سارے توہمات کے کرشمے تھے۔ ان دیکھے خدا کو کون جانتا تھا۔ نہ جانے ان دنوں اس واجب الوجود ہستی کا تخیل کیا ہوگا۔

اب گرو جی آہستہ آہستہ مردے کے پاس آئے۔ عورتیں ہٹ گئیں۔ کچھ پڑھنا شروع کیا۔ یہ ایک منتر تھا، ایسا منتر؟ جس کو پڑھ کر مردے پر پھونکنے سے اس کی روح کو سکون نصیب ہو جاتا ہے اور وہ بھٹک کر زندہ لوگوں کو ستاتی نہیں پھرتی منتر کے ساتھ ساتھ گرو جی اپنا جادو جگانے والا ڈیرو بھی بجاتے جاتے تھے۔ جسے کسی درخت کے موٹے ٹہنے کو کاٹ کر بنایا تھا۔ اس طرح کہ پہلے تو آگ سے جلا اور پتھروں سے کھرچ کر اس کو بیچ میں سے کھوکھلا کر لیا۔ پھر اس کے دونوں طرف بارہ سنگھے کی کھال منڈھ دی۔ اس ڈھولکی یا ڈیرو پہ لال، سیاہ اور سفید لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔ سینگ، ہڈیوں اور لکڑیوں کے ٹکڑے چاروں طرف لٹک رہے تھے۔ گرو کا عجیب چیتھڑا، ڈیرو کا روائتی تقدس، اس کی بھیانک آواز پھر حضرت کا صورتیں بنا بنا کر منتر پڑھنا۔ بارہ سنگھے کے سینگ سے ڈیرو کو دھڑا دھڑ پیٹنا اور ایک انوکھے انداز کے ساتھ مردے کے گرد ناچتے جانا قبیلے والے جتنے ہیبت زدہ نہ ہوتے کم تھا۔ وہ اس رسم کو اپنے لئے بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔ مردوں کی ڈانواڈول روحوں سے زیادہ انھیں پریشان کرنے والی اور کوئی چیز نہ تھی۔ انھیں یہ یقین تھا کہ سدھ گرو کے منتر کی لے میں اس ڈھول کی آواز جتنی دور تک جائے گی۔ بدروحوں کے لئے آگ کا پہاڑ کھڑا ہوجائیگا

منتر ختم ہوا۔ اکڑوں بیٹھے ہوئے شکاری کھڑے ہوگئے اور اب یہ گیتیں بھرنے لگے۔ ان کے ماتم کا یہی طریقہ تھا۔ وقت وقت کی رسمیں ہیں غرض تو جذبات کے اظہار سے ہے۔ خیر۔ سننے کی بات یہ ہے کہ نوجوان بیل کی کھال جو باڑے سے لائے تھے سر اور دو سیاہ سینگوں سمیت جن کا رخ آسمان کی طرف تھا زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ دو شکاری ہو ہو کرتے اس کے نیچے گھس گئے۔ جوں جوں ناچ تیز ہوتا وہ کھال بھی اچھلتی۔ مردے کو چھوڑ کر سارے

ماتم کرنے والے نسکاری بیل کی اچھلتی ہوئی کھال کے گرد چکر لگانے لگے۔ جو شخص بیل کے سر کی طرف سے گزرتا اپنی برچھی کا رخ اس طرف کر دیتا۔ گرو آب تھک کر یا کوئی دوسرا منتر پڑھنے کے لئے بیچ میں کھال کے سرہانے بیٹھ گیا۔ ڈیرو کی آواز برابر زور شور پر تھی۔ بد روحیں آخر بھاگیں کس طرح؟ عورتوں کے آہ و نالوں کی صدائیں سبکیوں اور سسکیوں کی آوازیں آرہی تھیں اور اس غل غپاڑے کو بڑھانے کے لئے تالیاں اور پیروں سے دھمال بھی ہوتی جاتی تھی۔

خدا خدا کر کے ماتمی ناچ رکا۔ سارے قبیلے والے تھک کر چور اور نڈھال ہو گئے تھے۔ کریا کرم کی نوبت آئی۔ گرو جی اپنی جھولی سنبھال کر لاش پر نذر مٹی اور بکرے کے سینگ میں سے کوئی رنگ نکال کر چھڑکا۔ پھر بیل کے خون سے لتھڑی ہوئی کھال میں مرنے والے کو مع اس کے ہاروں تعویذوں اور ہتھیاروں کے لپیٹ کر باندھ دیا۔ گویا ارتھی بنا ڈالی۔ سب نے مل کر ارتھی اٹھائی اور ایک بڑے درخت کی اتنی اونچی دو شاخوں کے درمیان رکھ دیا۔ کہ بھیڑیے اس تک نہ پہنچ سکیں۔ بیل کا سر پاس کے ایک ٹھنٹھ پر اس طرح جما یا کہ اس کا رخ نیچے مردے کی طرف رہے۔

صبح سے شام ہو گئی۔ سورج چڑھ کر ڈھلا اور ڈھلتے ڈھلتے پہاڑوں میں ڈوبنے لگا۔ چھوٹے پرندے جاڑے کے جاڑ بسیرے کے لیے آرہے تھے ان کے پھڑ پھڑانے اور ادھر سے ادھر اڑنے کی آوازیں، چیخیں، چیخیں، چوں چوں، اداس سماں تھا۔ جنگلی اور پہاڑی کوؤں کی بے سری کائیں کائیں اور غائیں غائیں سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ جو ان اونچے اونچے گھنیرے درختوں کا چکر لگا رہے تھے۔ جن پر اندھیری رات میں انھیں

بسیرا لینا تھا۔ سورج پہلے سرخ آگ کا دہکتا ہوا انگارا تھا۔ رفتہ رفتہ زرد ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اسی طرح شفق پھولی۔ درختوں اور چٹانوں کو سنہری کر دیا۔ ملگجی ہوئی اور اندھیرا چھا گیا۔

جس درخت پر مردے کی ارتھی ٹنگی ہوئی اور بیل کا سر لٹک رہا تھا اس کے نیچے آگ سلگائی گئی تھی۔ شعلے بھڑک رہے تھے۔ چند شکاری بار سے ایک جوان بچھڑے کے بڑے بڑے پارچے اٹھا کر لائے۔ انھیں صاف کر کے کوئلوں پر بھونا۔ گوشت کے بھننے کی سوندھی خوشبو سارے جنگل میں دور دور تک پھیل گئی اور دھوئیں کے ساتھ بلند ہو کر مردہ شکاری کی روح کو بھی دعوت دینے لگی۔ جو کفن میں لپٹا ہوا درخت کی ٹہنیوں پر اکڑا پڑا تھا۔ لاش کے پاس شکار کا گوشت بھوننے کی غرض ہی یہ تھی کہ جس کے لئے اس نے جان دی ہے اسے اگر وہ کھا نہیں سکتا تو کم از کم اس کی روح خوشبو ہی سونگھ لے۔ فاتحہ کی ابتدا اس کو کہنا چاہیئے۔ اس کے بعد کھانا شروع ہوا۔ ایک تکا ہاتھ میں ہے۔ تو دوسرا منہ میں۔ چند منٹ میں سارا بچھڑا پیٹوں میں چلا گیا۔ ہڈیوں اور چھیچھڑوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ جب پیٹ کی پوجا ہو چکی اور ذرا سستا بھی لئے تو پھر مجلس ماتم آراستہ ہوئی ساری رات ماتمی ناچ، سوگ کے گانے ہوتے رہے۔ آگ برابر صبح تک جلائی تاکہ بھیڑئے، لومڑیاں، یا کوئی دوسرا مردار خوار جانور قریب نہ آسکے البتہ دور سے ان کی آوازیں آتی رہیں۔

دوسرے دن صبح کو دونوں قبیلوں میں شکار کا گوشت تقسیم ہونا تھا باڑے میں سب اکٹھے ہوئے۔ چھوٹی بڑی سات راسیں تھیں۔ اشوریا والوں نے سات میں سے بڑی بڑی چار پر ہاتھ رکھنا چاہا۔ اس پر تکرار

ہونے لگی ۔ نہ ہونے کے کیا معنی ؟ دونوں قبیلے برابر کے شریک تھے ۔ مہنشیا
والے ہنسی خوشی کم کیوں لیتے ؟ گرز بر دست مارے اور رونے نہ دے
بگھیلا اشوئیوں کا سردار تحکمانہ لہجہ میں بولا " ہم گنتی میں تم سے دگنے ہیں ہمیں
دگنا لینا چاہیئے ۔" شنکتی مہنشیا کے سردار کے بیٹے نے جواب دیا " آپ
بھولتے نہیں ۔ جھگڑے کے لیئے ہم سب جمع ہوئے تھے ۔ اس وقت آدھم
آدھ پر فیصلہ ٹھہرا تھا ۔"

بگھیلا : " میں کسی فیصلے کو نہیں مانتا ۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ ہم چار رسا ہیں لینگے "

شنکتی : " ایسا اندھیر نہ کیجئے ۔ عہد و پیمان بھی کوئی چیز ہے ۔"

بگھیلا : " عہد و پیمان ٹوٹنے کے لئے ہوتا ہے ۔"

مہنشیا قبیلے کا ایک دوسرا شکاری کہنے لگا " جناب ذرا انصاف کرنا چاہیئے
شکاری ہماری زمین پر ہوا ۔ باڑہ ہمارا بنایا ہوا ہے ۔ پھر بھی آپ ہٹ دھرم
بنے جاتے ہیں ۔"

بگھیلا : " کچھ پرواہ نہیں ۔ ہم ایسا ہی کریں گے ۔ کر لو تمہارا جو جی چاہے ۔"

دونوں طرف گرمی پیدا ہوگئی ۔ جھگڑے بگڑ گئے ۔ زبانیں چلیں سخت
وسست الفاظ کا آپس میں تبادلہ ہوا ۔ اس کے بعد برچھیوں اور نیزوں
پر ہاتھ پڑنے لگے ۔ اس اثنا میں ایک نئی چپقلش نکل آئی ۔ مہنشیا والوں کی
کچھ عورتیں چشمے سے پانی بھرنے گئی تھیں ۔ چشمہ باڑے کے پرلی طرف
تھا ۔ وہ بکری کی کھال میں پانی بھرے سامنے سے گزریں ۔ بگھیلے کی نظر
ان میں ایک جوان عورت پر پڑی ۔ اس نے اسے روک لیا اور چلا کر کہا
" یہ میری ہے ۔"

عورت کے معاملہ میں آدمی بہت پہلے سے اپنی جان کی پرواہ نہیں

کرنا۔ جن جانوروں کے قدرت نے جوڑے لگائے ہیں ان میں بھی یہ بات موجود ہے دوسرے بے حیا سے بے حیا اور وحشی سے وحشی درندے، چرندے پرندے بھی جائز نہیں رکھتے کہ ایک کے ہوتے دوسرا کسی مادہ کو ہتھیا لے مرغ اور سانڈوں کو دیکھ لو۔ نہ مرغ دوسرے مرغ کو دیکھ سکتا ہے۔ نہ سانڈ سانڈ کو وہ خون خرابہ دھکا پیل ہوتی ہے کہ پناہ بخدا۔ بھینیا قبیلے والوں نے جو بھگیلے کو اپنے ہاں کی عورت پر دست درازی کرتے دیکھا۔ ان کی غیرت بھڑک اٹھی۔ ایک نوجوان جھپٹ کر آگے بڑھا اور بھگیلے کے برابر میں کھڑا ہو کر کہنے لگا۔" یہ میری ہے۔ اگر لینے کی ہمت ہے تو آؤ اس کے لئے لڑو۔"

موقع بہت نازک تھا۔ دونوں طرف جوش پیدا ہوگیا۔ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عورتیں غل مچاتی ہوئی بھاگیں۔ گوشت جوں کا توں پڑا رہا۔ اس پر مکھیوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھنبھنا رہے تھے۔ لڑائی ہونے والی تھی کہ مقدس ڈھول کی آواز کانوں میں آئی۔ معلوم ہوا گرو گھنٹال بھاگے چلے آتے ہیں۔ عورتوں کی چیخ پکار کے علاوہ کسی نے اس کو ساری خبریں یہاں کی دیدی تھیں کہ اگر تم نے بیچ بچاؤ نہ کیا تو آج دونوں قبیلے لڑ مر کر ڈھیر ہو جائیں گے۔ گرو اپنے جھٹ پٹ جا کر بیٹھا ہی تھا کہ گھبرا کر الٹے پاؤں ڈھول پیٹتا دوڑا بھاگتا۔ اور خوب وقت پر پہنچا۔ اس کے پیچھے ایک اور ضعیف شخص ہانپتا لنگڑاتا لکڑی ٹیکتا آرہا تھا۔

گرو، جگت گرو تھا۔ اس کے جادو ٹونے کی دھاک سب پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صورت دیکھتے ہی سب ٹھنڈے پڑ گئے۔ سناٹا ہوگیا۔ ہتھیاروں کی کھٹ پٹ گالی گلوچ اور آوازے توازے غل غپاڑا سارا بند۔ جس کو اپنا بڑا بنا لے، جسے اپنے اچھے برے کا کرتا دھرتا سمجھے، اس کی اتنی تو عزت

ہو۔ گرو نے آتے ہی ایک ایک کو برا بھلا کہنا شروع کیا کہ تم منش کہلا کر جنگل کے جانوروں سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔ ایک گیدڑ گیدڑ کو نہیں کھاتا شیر شیر سے نہیں لڑتا۔ تم کیسے انسان ہو کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے۔ تف ہے تمہاری ذات پر۔ آج اگر تم یوں ہی کٹ کر مر گئے تو کل تمہارے دشمنوں کا مقابلہ کون کرے گا۔ اپنے حمایتی کہاں سے لاؤ گے۔ لومڑیاں تم پر شیر ہو جائیں گی۔ تھو تھو تھو۔ اندھے ہو۔ دیکھتے نہیں سامنے درخت پر تمہارا ایک بھائی شیطان کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔ جو سانڈ کے روپ میں تھا۔ کیا تم بھی پاگل ہو کر اپنی ایسی ہی گت بنوانا چاہتے ہو؟ کیا تمہارے جسموں میں بھی بد روحیں سمائیں ہیں؟"

تھوڑی دیر تو سب گردنیں جھکائے گرو کا اپدیش سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوا تو پھر غل شور مچنے لگا۔ ہر ایک بڑھ بڑھ کر شکار کی ملکیت کا دعویٰ جتانا چاہتا تھا لیکن دھینگا مشتی سے نہیں، بلکہ زبان زوری سے۔ کیونکہ گرو کی موجودگی میں ایسی لڑائی تو ہو نہیں سکتی تھی جس میں جانوں کا نقصان ہو بڑی بک بک جھک جھک کے بعد آخر قصہ نمٹارا ہوا۔ پھر بھی اشوبیا والے ھنٹیا سے زیادہ ہی لے گئے ان غریبوں کی ایک نہ چلی۔ قاعدہ ہے کہ کمزور ہی کو سب دباتے ہیں۔ گرو جی نے بھی ان ہی بیچاروں کو زیادہ ڈانٹا۔ کہ چلو تم ہی چھوٹے باپ کے بیٹے بن جاؤ۔ مونچھیں نیچی کر لو۔ تھوڑا اگر گوشت وہ زیادہ لے جاتے ہیں لے جانے دو انہی کا پیٹ بھر جائے۔ کئے دن کھائیں گے۔ تمہارے صبر کی داد خدا دے گا"

بہر حال گرو کا آنا غنیمت ہو گیا۔ جانیں بچی لاکھوں پائے۔ اشوبیا والے

بغلیں بجاتے اپنے حصہ کا گوشت لاد لودروانہ ہوئے۔ ہیٹھیا والوں میں ویسی خوشی کہاں؟ کھسیانے کھسیانے اپنا اپنا بوجھ اٹھا رہے تھے۔ ہارے ہوؤں کو واقعی کھانا پینا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ ناانصافی کا آخر کیا علاج؟۔ طاقت! مقابلہ یہ ان میں تھی نہیں۔ مقابلہ کرتے۔ طاقت آزماتے تو اور بھی نقصان میں رہتے انھیں غصہ اس بات کا تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ جنگلی بیلوں کے گلّے کو پہلے انہی کے آدمی نے دیکھا۔ باڑہ بھی انھوں نے ہی بنایا۔ شکار بھی انہی کی زمین پر ہوا اور ایک چھوڑ دو جانیں بھی انہی کے بھائی بندوں کی گئیں۔ پھر بھی وہی گھاٹے میں رہیں۔ گوشت بھی انہی کو کم ملے۔ قہر درویش بجان درویش۔ فریاد کس سے کریں اور سنے کون۔ لیکن دلوں میں سب نے عہد کیا اور قسم کھائی کہ ایک نہ ایک دن جب موقع ملا ضرور بدلہ لیں گے۔

کوئی خوش کوئی غمگین کسی کے صرف پیٹھ اور کندھوں پر بوجھ کسی کا دل بھی بھاری۔ غرضکہ سب اپنے اپنے راستے لگے۔ باڑے میں اب صرف خون کے لوتھڑے، کھوپڑیاں، ہڈیاں، اور انتڑیاں پڑی رہ گئیں تھیں۔ درختوں پہ کوّے کائیں کائیں کر رہے تھے۔ گدھوں کی ٹکڑیاں آنی شروع ہو گئیں چیلیں منڈلانے لگیں۔ ان کے ہاں عید تھی۔ اللہ نے ان کے لئے رزق پہنچایا تھا۔ یہ دعوت اڑا چکیں گے تو رات کو بھیڑیوں، گیدڑوں اور لومڑیوں کی موجیں ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کو اسی طرح دیتا ہے۔ کسی کو محنت سے اور کسی کو بے منت کوئی مار کر کھاتا ہے، کوئی مرے ہوئے پر ہاتھ مارتا ہے۔

گرو کا جنتر منتر

ایسی بے بسی کی موت جس کے مقابلہ میں نہ دل کی حسرت نکلی ہو۔ نہ ہاتھ پیروں کی۔ بڑی حسرت ناک ہوتی ہے ہیتیا والوں کے دو شکاری مرے اور کس طرح؟ کہ انتقام بھی نہ لیا جا سکا۔ بجار بھی بھاگ گیا۔ بلکہ اس کے بھیس میں جو شیطانی روح تھی اس نے اپنی نحوست یہ دکھائی کہ شوئیوں سے ذلیل ہوئے اور ہمیشہ کے لیے ان کے وبال بن گئے۔ اس واقعہ کے بعد ہیتیشی بہت اداس تھے۔ اپنی کمزوری کا احساس انھیں رات دن کھائے جاتا تھا۔ پیٹ کی ضرورت سے اگر کبھی ادھر ادھر شکار کی گھات میں نکلتے تو آس پاس ہی دیکھ بھال کر چلے آتے خدا کی شان شکاری جانوروں کی بھی کیسی ہی ہوگئی تھی۔ جو جاتا خالی ہاتھ آتا۔ ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ توہمات سے گھبرانا شروع کر دیا۔

ایک روز لیے غار میں سب جمع تھے آگ جل رہی تھی کسی نے شکار آنے کا شبہ ظاہر کیا۔ سارے شکاری کھڑے ہو گئے دور دور تک دوڑ دھوپ کی جھنڈوں مارے مارے پھرے کچھ نہ ملا۔ خالی ہاتھ لوٹے۔ نحوست اور وہم۔ اب کیا ٹھکانا تھا ہر ایک کو ہیبت بجار دکھائی دینے لگا۔ جیسے اس پر تیروں کا مینہ برس رہا ہے اور وہ ڈکرا ڈکرا کر حملے کرتا ہے۔ اپنے جھنٹ میں آئے تو ڈرتے، کانپتے کہ اب کہیں ادھر ادھر سے وہ خونی سانڈ نکلا اور اس نے کھایا۔ انھیں پورا یقین ہو گیا کہ اس میں ضرور کوئی خبیث روح سمائی ہوئی تھی اور اس نے ہمیں بھوکا مارنے کے لئے جادو کے زور سے شکار کو بھی آنے سے روک دیا ہے۔ ہماری شکارگاہیں باندھ دی ہیں۔

دن چھپ رہا تھا۔ رات آدھی تھی۔ سائے گہرے ہو کر غائب ہو رہے تھے سنسان بیابانوں میں اندھیرے کی عملداری۔ درندے طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگے۔ ہیتیا قبیلے کا بوڑھا سردار "زنگھا" اپنے جھنٹ میں آلتی پالتی مارے تیر دل

بھالوں اور چھڑیوں کے نوک دار پتھروں کے ۔ بنے ہوئے پھلوں، انیوں، اور پیکانوں کو تیز کر رہا تھا۔ یہ لوگ ان چیزوں کی بڑی احتیاط رکھتے تھے۔ ان کی زندگی انہی کے بھروسے پر تھی۔ اس قسم کے چقماق کے پتھر جو لکڑی میں جڑ کر فولاد کا کام دیتے مشکل سے ملتے بڑی تلاش سے ہاتھ آتے۔ جب کبھی پاجاتے تو جان سے زیادہ عزیز رکھتے۔

اندھیرا ہوتے ہوتے گھپ ہوگیا اور بوڑھے نرسنگھا کی کمزوری آنکھیں جواب دینے لگیں، تو اس نے کام چھوڑ دیا۔ الاؤ میں ایندھن جھونکا۔ آگ کو بھڑکایا جس سے ڈر کر جنگلی جانور بھاگ جاتے تھے اور اندھیرا اجالے سے بدل جاتا تھا۔ پھر اکڑوں بیٹھ گیا۔ نظریں بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں پر جمی ہوئی تھیں اور کسی گہری سوچ میں تھا۔ اس کا بیٹا شکتی ابھی شکار سے واپس نہیں آیا تھا۔ حالانکہ دوسرے شکاری کبھی کے آکر شام کے کھانے سے بھی فراغت پاچکے تھے۔ باپ کو بیٹے کے ساتھ اس بلا کا خیال ستا رہا تھا جو سانڈ کی شکل میں آلی تھی ۔ ذرا سی دیر کے بعد وہ الاؤ سے آنکھیں ہٹا کر غار کے منہ پر ایک لمبے بانس میں لٹکی ہوئی مورت کو دیکھ لیتا۔ جس کی نسبت ان کا گمان تھا کہ یہ ہماری محافظ ہے ہر قسم کی بلائیں اس سے ڈر جاتی ہیں۔ جس کے ارد گرد کوئی بد روح بھٹکنے نہیں پاتی۔ یہ جانوروں کی ہڈیوں، سینگوں اور مختلف درختوں کی شاخوں کا ایک پیکر سا بنا ہوا تھا۔ ان دنوں توہمات کو ماننے کی ایسی ہی عادتیں تھیں۔ بوڑھے سردار کو یقین تھا کہ یہ دیوتا ہر قسم کی طاقت رکھتا ہے۔ ضرور ہم کو پناہ میں رکھے گا۔ لیکن ساتھ ہی اسے دیوتا کی خفگی سے ڈر بھی لگتا تھا کہ جو نفع پہنچا سکتا ہے وہ نقصان بھی۔ اس لئے وہ جھرجھری سی لے کر کانپ بھی اٹھتا تھا۔

آگ کی کم اور زیادہ ہونے والی روشنی میں جہاں بوڑھے سردار کو اچھی شکلیں سی نظر آتی تھیں وہاں ڈراؤنی بھی۔ مورت برابر روپ بدل رہی تھی۔ مورت کا سر

بارہ سنگھے کے سینگوں سے بنا۔ لال رنگ میں رنگا ہوا۔ بڑی بڑی سفید آنکھوں سے ٹکٹکی باندھے گھورتا دکھائی دیتا۔ اس کا جسم پہاڑی گائے کی پشم دار کھال کا تھا۔ جس میں گھوڑے کی دم لگی ہوئی تھی۔ پرندوں کے سروں، پنجوں، سانپ اور رینگنے والے جانوروں کی ہڈیوں، کھوپریوں سے اس کو سجایا گیا تھا۔ ہوا کے جھونکوں سے اس میں کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوتی۔ گویا شیاطین اس کی پوجا کرتے بانس کی جڑ کے پاس پتھر اور لکڑی کے بہت سے ان گڑھ ٹکڑے پڑے ہوئے تھے جن کو چڑھاوا کہنا چاہیئے۔ مورت کی انوکھی ہیئت اور اس کے ارد گرد کا سامان بھوت، پریت، جن آسیب کے تخیل کو قوت پہنچانے کے لئے بہت کافی تھا۔

دل کی دھکڑ پکڑ کے باوجود اس مورتی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنے کے بعد بوڑھا سردار مطمئن ہوگیا۔ اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو دیوتا کی حفاظت میں دے دیا۔ بیٹوں کا تصور آتے ہی وہ خیال کرنے لگا کہ شکتی سب سے بڑا لڑکا تو میرا جانشین اور میرے بعد قبیلے کا سردار ہی ہوگا۔ اس پر دیوتاؤں کی مہربانی ضروری ہے۔ دوسرا ساکھیا بھی بڑا اجا بنہار ہے۔ تیسرا ابھی بچہ ہے انھیں دیوتا کبھی نہیں بھول سکتے۔ اپنے سیوا کرنے والوں کو کون دکھ دے گا اس کی ایک لڑکی بھی تھی۔ اس کا بھی دھیان آیا لڑکی کیا چاند کا ٹکڑا تھا۔ وہ مسکرا اس لئے کہ کنواری کنیا سے سارے دیوتا محبت رکھتے ہیں۔ دوسرے جب وہ شادی کے قابل ہو جائے گی اس کے ہزاروں گاہک پیدا ہو جائیں گے اور وہ کسی نہ کسی قبیلے کی ماں بنے گی۔

بوڑھا سردار جلتی ہوئی آگ کے شعلوں میں اپنے خیال کے یہ تماشے دیکھ رہا تھا کہ غار کے پاس ڈھلان پر کسی کے پاؤں سے پتھروں کے لڑھکنے

کی آواز آئی۔ قبیلے والوں نے خوشی کے نعرے لگائے۔ ہو ہا کے غل سے چونک کر اس نے ہاتھ سے روشنی کی اوٹ کی۔ آنکھیں چندھیا کر دیکھا۔ آدمی تھے مگر پہچان نہ سکا۔ اتنے میں شکتی سامنے آیا وہ ایک چھوٹے ہرن کے پیچھے بہت دور نکل گیا تھا۔ جھٹ پٹے میں بڑی مشکل سے شکار کیا ہرن کی پوٹ اس کی پیٹھ پر تھی۔ آتے ہی اس نے پہلے باہر مبس دیوتا کے آگے سر جھکایا، ڈنڈوت کی پھر اندر آیا۔ بوڑھا سردار اب جان گیا تھا کہ اس کا بیٹا ہے اور دیوتا کی عنایت سے خالی ہاتھ بھی نہیں۔

بوڑھا۔ "بیٹا! کیا ملا؟"

شکتی۔ "وا ایک ہرن۔ بہت بڑا نہیں چھوٹا ہی سا ہے"

بوڑھا۔ "خیر ناں تو نوٹی۔ مجھے بڑی آس تھی"

شکتی۔ "اور میں نے ایک بجار کا بھی کھوج لگایا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ گلہ نہیں۔ نہ گائیں ہیں نہ بچھڑے۔ بھینسیں ہی دکھائی دیا۔ دریا کے کنارے جہاں ان کے پانی پینے کی جگہ ہے وہ درختوں کا بن جس میں ہمیشہ یہ جانور بیٹھتے اٹھتے ہیں۔ ساری جگہ کھوند ڈالی ہے اب کے نہ جانے ان کا کیوں کال پڑ گیا۔ کوئی ہون اپنا نہیں جو اس نیدی کو توڑ دے۔ میرے ہتھیاروں میں جس آئے۔ گرو سے کہو وہ ہمارے لئے روحوں کو بلائے۔ بجاروں کی روحیں ہم سے الگ الگ رہیں گی تو بڑا کلیش ہو گا"

باپ۔ "تم کیا جانو۔ ہمارا گرو اگیا بنیال، ہم کو بھولا نہیں ہے۔ تین روز اس نے برت رکھے ہیں۔ جاپ کرتا رہا ہے تاکہ ہمارے مرنے والے شکاریوں کی روحیں شانت ہوں۔ وہ سانڈوں کے گلوں کو نہ بھنکائیں

اور اس بجار کی دشمنی بھی نہ چلے۔ جس نے ہمارے شکار میں کھنڈت ڈال دی ہو۔"

شکتی: "جب ہی ہمارا شگون اچھا ہوا۔ تو اب ہمارے دن بھلے آ گئے۔ ہمیں ضرور بیلوں سے گلّے کا پتہ چلانا چاہیئے۔"

بوڑھا: "اور کیا! گرو گرو ہی ہے۔"

شکتی: "چلو گرو جی کو بھی یہ خبر سنا دیں۔"

بوڑھے سردار نے کسی کا نام لے کر آواز دی۔ ایک آدمی آیا اور الاؤ کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ آگ کا محافظ ہے کہ برابر جلتی رہے بجھنے نہ پائے۔ ساری رات ایندھن جھونکتا رہے گا۔ بوڑھا سردار اٹھ کر چلا۔ شکتی پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیا دونوں چپ چاپ گرو کے بھٹ کی طرف چلے۔ قریب ہی تھا۔ دروازے پر پہنچ کر بوڑھے نے اپنی جھولی میں سے چربی کا ایک لمبا بتی بنا ہوا ٹکڑا نکالا اور جلتی ہوئی لکڑی سے جسے وہ مشعل بنا کر الاؤ سے اپنے ساتھ لایا تھا روشن کیا۔ چراغ کی طرح جلنے لگا تو پہاڑ کی ایک دراز میں اسے اڑس دیا۔ گرو کو روشن کرنے والوں کی آمد کی خبر ہو گئی۔ اب دونوں باپ بیٹے سر جھکائے غار میں داخل ہوئے جو قبیلے والوں کی عام بھٹوں کی نسبت تنگ اور گہرا تھا۔

گرو جی جس کو سارے قبیلے والے اگیا بیتال کہتے تھے۔ بڑا اگنی بھگت تھا۔ جنگل میں رہنے سے اسے بہت سی بھید کی باتیں معلوم ہو گئی تھیں کہ موسم بدلنے کی کیا علامتیں ہیں؟ آئندہ برسات کیسی ہوگی؟ جاڑا، گرمی کیسا رہے گا؟ بجلی کی کڑک سن کر کیا کرنا چاہیئے؟ کونسا جانور گرمی میں کہاں رہتا ہے، اور جاڑے میں کہاں؟ کس راستے سے وہ جاتے آتے ہیں؟ کون کونسی جڑی بوٹیوں میں زہر؟ اور کون کونسی میں امرت؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس کی اپنے بوڑھوں سے سنی سنائی باتیں تھیں یا اپنا تجربہ۔ مگر لوگ اس کو جادوگر یقین کرتے

تھے۔ اس کے گمان میں اس کی ہر کہن جادو کے زور سے ہوتی تھی۔ ہر شخص جانتا تھا کہ اگیا بتیال میں بڑی طاقت ہے۔ اس کے ٹوٹکے منتر بے روک ہیں۔ وہ اچھی بری روحوں سے بات چیت کرنا جانتا ہے۔ آئندہ جو ہوگا اسے معلوم ہے۔ دیوتا کن باتوں سے خوش ہوتے ہیں؟ زمین اور ایسے کچے رنگ جو روحوں کی غذا ہے وہ کہاں سے لائیں؟ یہ خبر صرف گرو ہی کو ہے۔ ان کا ایمان تھا کہ اگیا بتیال اگر چاہے تو شکار اپنے آپ گردن ڈالے آ جائیں شکاریوں کے تیروں کی رفتار کا گھٹنا بڑھنا، نشانے پر بیٹھنا نہ بیٹھنا سب گرو کی بدولت ہوتا ہے۔ مینہ برسائے۔ گرتی بجلی کو روک دے۔ چاند سورج تارے اس کو اپنا بھید بتا دیں۔ غرضکہ اگیا بتیال، ادت بستی کا پرمیشور تھا۔ زمین آسمان اسی کے بل پر چلتے تھے۔

اس زمانے کے قبیلوں میں اگیا بتیال جیسے شخص کا ہونا ضروری تھا۔ آج بھی ہندوستان میں پردہشت۔ دوسرے مقامات میں پادری، ملا وغیرہ تعلیم یافتہ طبقوں میں برائے بیعت اور ان بڑھوں توہم پرستوں کے ہاں وہی پرانی ڈیولی بھگتانے کے لئے موجود ہیں۔ ہتیا والوں کے ساتھ اس کی عزت جکی تھی۔ قبیلے والے اسے اپنا گرو، اس کے حکم کو واجب التعمیل سمجھتے تھے اور وہ بھی ان کی بہتری میں جان ٹیک دیتا۔ اس نے بہت لمبے سفر کئے تھے۔ بیسیوں بہاریں اور خزائیں دیکھی تھیں اپنے بڑوں کی طرح جب تب بکا کرتا تھا۔ اس لئے اس کے جنتی ستی ہونے میں شک کی جگہ ہی نہ تھی۔ اس کی پیشین گوئیاں عموماً سچی نکلیں۔ اس کا جنتر منتر اپنا اثر دکھاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں فرد تھا۔ اس کے جادو کا ڈھول بجانے والا سینگ جس میں دو سوراخ تھے بڑا مقدس سمجھا جاتا۔

نرسنگھا جھنیا والوں کا بوڑھا سردار کستی اس کا نوجوان بیٹا۔ دونوں اپنے گرو دا گیا بیتال کی خدمت میں نہایت ادب سے حاضر ہوئے وہ اس وقت گیان دھیان میں تھا۔ آنکھیں بند۔ جھوٹ موٹ یا سچ مچ یہ اللہ ہی جانے غار میں خاموشی۔ دھیمی دھیمی آگ جل رہی تھی۔ بوڑھے سردار نے بیٹے کو اشارہ کیا۔ اس نے دو چار لکڑیاں الاؤ میں ڈالیں۔ روشنی ہوئی کچھ دیر کے بعد گرو نے آنکھیں کھولیں سر اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا اس کی لال انگارہ سی آنکھیں چہرے پر پڑے ہوئے بل بتا رہے تھے کہ وہ کوئی برا خواب دیکھتے دیکھتے جاگا ہے یا روحوں کے ساتھ کسی سخت مرحلہ پر گفتگو کر رہا تھا۔ یا ایسے بھوتوں نے ابھی ابھی چھوڑا ہے قریب ہی پہاڑی میں پانی کے گرنے اچھلنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پربت کی دیویاں رازداری کی باتیں کرتے کرتے لڑنے لگتی ہیں اور جس کا بھید اگیا بیتال کے سوا دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔

الاؤ کی آگ پھر کملا چلی تھی۔ اس کی دھندلی اور بھیانک روشنی میں تینوں اپنی اپنی جگہ بیٹھے تھے۔ گرو نے ایکا ایکی حرکت کی۔ پہلو میں رکھے ہوئے لکڑی کے برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ وہ چربی سے منہ تک بھرا ہوا تھا مٹھی بھر کر چربی نکالی۔ اس کا گولا سا بنایا۔ اس میں انگوٹھے سے گڑھا کیا۔ گڑھے میں کائی کی ایک بتی سی بنا کر جمائی، پھر اسے دبانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ گولا گاجر کی وضع کا اوپر سے پتلا اور نیچے سے موٹا ہو گیا۔ بتی کی نوک اوپر نکلی ہوئی تھی۔ یہ ان دنوں کا چراغ تھا۔ موم بتی کا اسے خاکہ کہنا چاہیے۔ چراغ یا شمع تیار ہو گئی تو ایک جلتی ہوئی لکڑی الاؤ میں سے اٹھا کر اسے روشن کیا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔

گرو نے غنودگی کی سی آواز میں، "چھان! میں نے بہت جتن کر لئے مگر ابھی تک گرہ نہیں کھلی"

شکتی :- گرو جی۔ آپ کی کرپا سے آج ایک ہرن مل گیا ہے اور بیلوں کے بھی کچھ کھوج لگے ہیں "

گرو :- بچّو اس سے کیا ہوتا ہے۔ بدروحیں دھوکا بھی دیتی ہیں "

سردار :- تو مہاراج! آپ کوئی اپاؤ کریں "

گرو :- کروں گا۔ ہارا تھوڑی ہوں۔ بجار میں جو روح سمائی ہوئی تھی۔ بڑی دشٹ ہے۔ شکاری کی آتما کو وہ چھوڑ دے تو آج ہی ہمارے سارے کام سدھر جائیں "

سردار :- اچھا تو اب ہمیں وہ آخری بھینٹ پوجا کرنی چاہیئے جو ایسے کٹھن سمے ہمارے بڑے کیا کرتے تھے۔ میرے پاس اگلے سورماؤں اور بیلوں کا لہو موجود ہے "

گرو :- دسی ان سنی کرکے ، دو دن سے میں برت میں ہوں گوشت کی بو میری ناک میں نہیں گئی۔ فقط تھوڑا سا وہ پانی پیا ہے جس میں جادو دور کرنے والی جڑی بوٹیاں پڑی ہوئی ہیں دن چلا جائے۔ اجالے میں بھوت پرچھائیاں بن جاتے ہیں۔ تم نہیں دیکھتے میرے آس پاس ہواؤں ان کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں نہیں آرہی ہیں۔ رات آجانے اندھیرے میں تم بالکل نچنت رہو۔ ہم اپنی کارروائی کریں گے "

شکتی :- گرو جی۔ سورج تو کبھی کا ڈوب لیا۔ چاند بھی آج نہیں نکلے گا "

گرو :- بھلا؟ پھر تو وقت آپہنچا۔ چندرماں کے بنا رات اور بھی اچھی "

دراصل کئی دن سے لگاتار غار کے اندر بیٹھے رہنے کے سبب اس غریب کو وقت اور اندھیری اجالی رات کا اندازہ بالکل نہیں رہا تھا۔

آگ جو قریب بجھ سی گئی تھی۔ اسے چمکانے کے لیئے گرو نے کھسا

پھولوں پتیاں، درختوں کی سوکھی شاخیں الاؤ میں جھونکیں۔ شعلے بھڑکے، چڑ چڑ کی آوازیں آنے لگیں اور دھوئیں کے غبار اڑتے دکھائی دیے۔ گرو، منا اور سردار کا بیٹا۔ تینوں لکڑیوں اور کوئلوں کے چٹخنے کی آوازیں سن کر یہ سمجھ رہے تھے کہ آگ کی دیوی اور دیوتا آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ آگیا بیتال کی ہر چیز انھیں بولتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جادوگر جو ٹھہرا۔ اس کا کوئی عمل جادو کے اثرات سے خالی ہونا ناممکن تھا۔

غار دھوئیں سے گھٹ گیا۔ آگ بھڑکی تو دھواں ذرا کم ہوا۔ روشنی بھی چمکی۔ دیواروں پر دھوئیں کی لہریں اور شعلے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی ناچ رہی ہیں۔ جس جگہ یہ بیٹھے تھے کوئی تین چار گز اندر، دور کونے میں ان کے پیچھے ایک شگاف سا تھا۔ آگیا بیتال جھک کر اس میں گھسا۔ سردار اور سردار کا بیٹا بھی اپنے گرو کے پیچھے پیچھے چلے۔ اندر سے وہ غار خاصا کشادہ اور ہموار تھا۔ شگاف کے پار پہنچتے ہی تینوں فوراً کھڑے ہو گئے۔ گرو نے کوئی منتر پڑھا۔ دونوں باپ بیٹے دم سادھے رہے۔ ان کے خیال میں یہ روحوں کے رہنے کی جگہ تھی۔ گرو جی اپنے عمل یہیں سدھ کرتے، اسی مقام پر گیان دھیان اور جوگ پڑھا کرتے۔ بھینٹ پوجا ہوتی، جب کوئی مصیبت آ پڑتی تو اسے دور کرنے کے لیے یہیں کارروائیاں ہوتیں۔

منتر پڑھ چکے تو آگے بڑھے۔ مشعلیں تینوں کے ہاتھوں میں تھیں۔ مشعلیں کیا؟ الاؤ کی جلتی ہوئی لکڑیاں۔ چلنے میں وہ اگر کچھ بھی حرکت کرتے تو شعلہ بجھ جاتی، ذرا ٹھہرتے یا غار کی دیوار سے رگڑ لگتی تو پھر جل اٹھتی۔ اسی طرح رک رک کر کوئی پندرہ بیس قدم چلے۔ ان کی مشعلوں کی روشنی میں دھبے سامنے کبھی ظاہر ہوتے اور کبھی غائب۔ ان کا وہم تھا کہ آگ کی طاقت سب کی سردار ہے۔ اس کے آگے روحیں تک ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ اب گرو اپنے چیلوں سمیت وہاں پہنچ گئے جہاں

روحیں ان کی منتظر تھیں یا جہاں ھگلت جی کو اپنی ہنگامائی دکھائی تھی۔ غار کا یہ حصہ
اتنی پرانی سے پرانی روحوں کا استھان سمجھنا چاہیے۔ یقیناً داداؤں سے پہلے بھی
اس میں ان سے کہیں زیادہ وحشی انسان رہتے ہوں گے ہر طرف پتھروں پر عجیب و
غریب نقش تھے بعض بہت قدیم۔ صرف ان کے رنگ اڑ گئے تھے۔ بعض نئے۔ آدمی کا جسم
ہے تو سانڈ کا سر۔ سانپ پر بارہ سنگے کے سر بنے ہوئے تھے کئی تصویروں میں خون کی
دھاریاں۔ مہذب انسان تو انہیں دیکھ کر کانپ جاتا۔ مگر ان وحشیوں کے لئے
یہ سب چیزیں مقدس تھیں۔

چند منٹ خاموش رہنے کے بعد رسومات شروع ہوئیں۔ پہلے چربی کی ٹکیاں
سی بنائی گئیں۔ کائی کی بتیاں بٹ بٹ کر ان میں رکھیں اور جلائیں قبیلے کے
بوڑھے سردار اور اس کے جوان بیٹے نے مٹی گرد کا ہاتھ بٹایا۔ پھر انہوں نے اپنے
چہروں اور جسم کو پیلی مٹی سے جو بیلوں کی ہڈیوں کے گودے میں گوندھی ہوئی تھیں
اپنے تا عدسے سے رنگا بالکل ایسی شکلیں بنائیں جیسے بھوتوں کی۔ کوئی دیکھتا تو سچ مچ
کے بھوت سمجھتا۔ غار خاصہ بھوتوں کا ڈیرا ہوگیا۔

دو دن کی فاقہ کشی اور ایک جگہ چپ چاپ بیٹھے رہنے کی وجہ سے گیا بنیا
کی کمزوری کے مارے بری حالت تھی۔ جسم میں کپکپاہٹ۔ زبان لڑکھڑاتی ہوئی
آواز ایسی جیسے کوئی کنوئیں میں بول رہا ہو۔ مگر چیلے تو ان باتوں کو کچھ اور ہی سمجھتے
تھے ان کو گمان تھا کہ گرد پر مختلف روحیں مسلط ہیں۔ جو ان منتروں کے بغیر سدھ
نہیں ہوتا۔ خون چاہیئے تھا۔ انسانی ہو یا حیوانی۔ ضرورت تھی کہ کسی وقت کوئی جان
بھینٹ چڑھتی زبان سے بڑھ کر کوئی چیز خونی دیوتاؤں کو خوش نہیں کر سکتی قدیم
زمانے کی مذہبی رسموں میں ان اعمال کا بڑا زور تھا۔ اول تو اولاد کو بھینٹ پڑھانے
اور اولاد کی اتنا زیادہ ہوتی تو راہ چلتوں میں سے کسی کو پکڑ لاتے اسے ذبح کر ڈالتے

پھر جانوروں کا نمبر لگا۔ غرضکہ جس طرح ہو سکتا دیوی دیوتا کو خون چڑھاتے تاکہ وہ مہربان ہوں اور ان کے کام بنائیں۔ ان اعمال کی ساحرانہ قدر و قیمت تو ہم پرستوں کے دل سے کوئی پوچھے۔ پھر اس پر شعبدہ باز نام نہاد برہم گردوں کی سختیاں۔ ڈراوے، دھمکاوے، آج بھی کہیں کہیں یہ تماشے دیکھنے میں آ جاتے ہیں اس وقت کا تو ذکر ہی کیا۔

اگیا بیتال سے پہلے بھی اس غار میں اسی قسم کے کرشمے ہوتے رہتے ہوں گے پڑی ہوئی کھوپریاں، ہڈیوں کے پنجر، [illegible] دیوار پر خون کے چھینٹے گواہی دے رہے تھے کہ اب تک نہ جانے یہاں کتنی جانیں بھینٹ چڑھی ہیں۔ اپنے وقت کا ہر گرو حالات کو خوب سمجھتا تھا۔ اگیا بیتال نے گردن جھکا کر اٹھائی وہ غور کر رہا تھا کہ کس طرح کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی زندگی میں قبیلے پر ایسی کٹھن گھڑی پہلی مرتبہ آئی تھی۔

اگیا بیتال : "(بڑے سوچ بچار کے بعد) دیویاں بھینٹ مانگ رہی ہیں۔"

سردار : "جان کی؟"

اگیا بیتال : "میرے گرو نے دیوتاؤں کو راضی کرنے کے دو طریقے بتائے ہیں۔"

سردار : "وہ کیا؟"

اگیا بیتال : "وہ لال یا کالی مٹی کی مورتیاں بناتے تھے اور تازہ خون ان پہ چڑھاتے اس سے روحیں بہت خوش ہو جاتیں اور جادو روز بروز تیز ہوتا رہتا۔"

سردار : "اور دوسرا؟"

اگیا بیتال : "(سردار منشا سمجھ کر) دوسرا اس استھان کی مورتیوں کو جیتے خون سے رنگنا۔ مگر اس میں تھوڑی سی خرابی ہے۔"

سردار کا لڑکا:۔ "وہ خرابی کیا ہے؟"

اگیا بیتال:۔ "اثر دیر تک نہیں رہتا۔ خون کا رنگ بدلا اور روحوں نے آنکھیں پھیریں۔"

سردار:۔ "کالا جادو نہیں؟"

اگیا بیتال:۔ "کالا جادو تو یہی ہے۔ ترت اثر۔"

سردار کا لڑکا:۔ "تو پھر یہی کرنا چاہیئے۔"

چاہیئے تو یہ تھا کہ تازہ خون ہوتا۔ انسان کا یا جانور کا۔ سردار یا اس کا بیٹا دونوں میں سے کوئی اپنی رگ کھول کر دیتا یا کوئی موٹا تازہ جانور ذبح کرتے لیکن گرو نے جب انھیں سوچ میں دیکھا تو کہنے لگا۔

اگیا بیتال:۔ "جلدی کرو روحیں منڈلا رہی ہیں۔"

سردار:۔ "زندہ جانور کہاں سے آئے؟"

اگیا بیتال:۔ "اس طرح تو جادو الٹ جائے گا۔"

سردار کا لڑکا:۔ "میرے پاس اپنے قبیلے کے سورماؤں کا اور ان بچھڑوں کا تھوڑا سا خون ہے جو پچھلے دنوں میں شکار کئے تھے۔"

اگیا بیتال:۔ "اس سانڈ کے ساتھیوں کا جس میں بدروح سمائی ہوئی تھی؟"

سردار کا لڑکا:۔ "ہاں۔"

اگیا بیتال:۔ "(جادوگروں کے انداز میں) بس تو کام بن گیا۔ اس سے اچھا کوئی بھوگ نہیں ہو سکتا۔ جلدی نکالو دیر نہ کرو۔"

شکتی نے اپنی بندھی ہوئی کمر کھول کر بیلوں کی دو بڑی بڑی ہڈیاں نکالیں جن میں سے ایک میں بہت پرانی بدرنگ سی گاڑھی گاڑھی کوئی چیز تھی۔ اور دوسری میں کسی قدر سیاہی مائل نسبتاً رقیق۔ ان لوگوں کو خون محفوظ کرنے کا

طریقہ آتا تھا۔ بعض جڑی بوٹی کا رس ڈال کر لکڑی سے اس طرح متھتے کہ وہ جمنے نہ پاتا اور اسے موٹی موٹی ہڈیوں میں ان کا گودا نکال کر بھر لیتے یہ مدتوں ایک حالت میں رہتا۔ سوا اس کے کہ رنگ بدل جاتا۔

شکتی: "(ایک ہڈی گرد کو دے کر) اس میں ہمارے قبیلے کے اس سورما کا خون ہے جو ہمارے یہاں آنے سے پہلے سفر میں ارنے بھینسے کا شکار کرتے ہوئے مرا تھا اور ہمارے ساتھ والے دادا گرد نے اس کے زخموں سے سونت سونت کر جمع کیا تھا۔"

اگیا بیتال: "دادا گرد نے! واہ واہ! اگیا کے ہاتھ لگا ہوا اور وہ تو مہا شکت تھے۔"

شکتی: "(دوسری ہڈی بڑھا کر) یہ بیلوں، گایوں کا خون ہے۔ جن کو بلّے میں شکار کیا تھا۔"

اگیا بیتال: "تھوڑا تھوڑا سب کا؟"

شکتی: "ہاں۔ دو چار بوندیں اس بجار کے خون کی بھی جو اس کے بھاگتے بھاگتے بازو پر پڑی تھیں۔"

اگیا بیتال: "جے ہو مہتیا کی۔"

گرد نے کمزوری کے باوجود اس زور سے جے کارا لگایا کہ سارا غار گونج اٹھا اور دونوں ہڈیاں ہاتھ میں لے کر درخت کی ایک شاخ جھولی میں سے نکال دانتوں سے اس کا سرا چبا چبا کر نرم کیا۔ اور جب وہ برش کی طرح نرم ہو گئی۔ اس کے ریشے الگ الگ ہو گئے تو ہڈی میں ڈالا اور خون میں ڈبو کر پتھروں پر بنے ہوئے نقش و نگار پر پھیرنا شروع کیا کبھی ایک ہڈی میں ڈبوتا۔ کبھی دوسری میں۔ یہاں تک کہ جتنی شکلیں پہلے کی بنی

ہوئی تھیں چھپ گئیں اور ہر جگہ لال لال اور کالا کالا پلا سڑ سا ہو گیا۔ اس کے
بعد گرد نے جھینی کی دُم کا ایک تیز نکیلا پتھر لیا اور جہاں جہاں خون پھیلا
تھا۔ اس طرح کھٹ کھٹ کرنے لگا جیسے کوئی بڑا کاریگر بت گھڑتا ہے
جھینی چلنے کی جو آوازیں نکل رہی تھیں سردار اور اس کا بیٹا دونوں سمجھ رہے
تھے کہ وہ ہمیں ہمارے گرد پر دانت بجا رہی ہیں۔ لیکن یہ ایسی ہی ٹملائیں تھیں۔
دکھائیں مگر وہ بھی انہیں بغیر ملے نہیں چھوڑتے۔ گرد بیان جادو کا جنتر بنانے
میں مصروف تھا۔ اس نے تصویر میں ناخونی بخار کی شکل تھی جس سے ہتھیا
بیلے تھے دو شکاری مارے تھے۔ موقع کے لحاظ سے اور کونسی تصویر مناسب
ہو سکتی۔ دوسروں کی نظروں سے وہ اپنے خیال کے ذریعہ وہ کبھی اڑیا
کبھی تو کبھی کہیں گہری کہیں ہلکی لکیریں بناتا۔ ان تعداد کے مطابق اس کی
کوشش تھی کہ تصویر ہو بہو کھینچے۔ گرد ان بھی
حملہ کر رہا ہے۔ اس کے ہاتھ نہایت پھرتی کے ساتھ چل رہے تھے زبان
سے منتر بھی جپتا جاتا تھا۔ سردار اور اس کا بیٹا بھی کچھ بڑبڑاتے جاتے۔ سانڈ
کی تصویر بنتی گئی بن گئی۔ لیکن گرد نے اپنی دانست میں سانڈ کی ایک
آن نہیں چھوڑی۔ اس کی گردن کے کھڑے ہوئے بال، اٹھی ہوئی دم، اپنی
نگاہوں میں تو جسم سانڈ سینگ ہلاتا اور غصے میں بھنبھناتا۔ اس
کے بعد گرد تن کر کھڑا ہوا اور سانڈ کی تصویر کو مخاطب کر کے بولا تو نے جو کیا
کی تھی اب اس کا بدلہ پایا۔ میں نے تجھ کو اور تیرے ساتھ تیرے سارے بیلے
کو کیل دیا ہے۔ میں نے تمام جنگل کی روحوں کو راضی کر لیا ہے۔ میں حکم دیتا
ہوں کہ تیری تمام طاقت ہتھیا کے بوڑھے سردار کے بیٹے منگی میں جو بڑا بھاری

شکاری ہے سما جائے یہ کہہ کر اس نے پھر اپنی چھینی چلائی سانڈ کے پاس ہی ان تیروں کی تصویر بھی بنائی جو شکاری چلائے جاتے تھے اور کہنے لگا "شکتی کا بل بڑھے اور تیر ا گھٹے۔ اس کے تیر اور بھالے تیری چھاتی میں گڑ جائیں تیرا خون دھار باندھ کر اچھلے۔ تو سرخ رو ہو اور تجھے وہ آگ پر بھون بھون کر کھائیں"

جل بھری

شکار کے دن باڑے میں ہیشیا والوں کی جو عورتیں پانی بھر کر لا رہی ہیں۔ اشوئیا کے سردار نے ان میں سے ایک کو تاک لیا تھا جس پر فساد ہوتے ہوتے رہ گیا۔ فساد تو گرد کے آتے ہی جاتا رہا۔ اس نے کہہ سن کر ملاپ کرا دیا لیکن بگھیلا اپنی بات سے باز نہ آیا۔ عورت کو اچکا ہی لیا۔ اس کی تو نظر ایک ہی پر پڑی تھی۔ اس کا اشارہ بھی ایک ہی کے لئے تھا۔ اس کے ساتھ دوسروں کا وار کیوں نہ چلتا۔ سردار کی بدعت سے سپاہی بھی بدعت کرنے لگتے ہیں اشوئیا ایسے تین چار عورتوں کو اڑا کر لے گئے۔ اصل میں اشوئیوں کے ہاں عورتیں کم تھیں وہ ہمیشہ تاک میں رہتے تھے کہ جہاں عورتیں ملیں لے آئیں۔

ان عورتوں میں شکتی کی ایک رشتہ دار جل بھری بھی تھی جس کے حسن کا سارے قبیلے میں شہرہ تھا بگھیلے کی طبیعت اسی پر آئی ہوئی تھی لے جانے کے دو چار روز بعد جب جل بھری کا غصہ کم ہو گیا تو شادی ہو گئی۔ دوسری بھی اسی طرح قبیلے کے نوجوانوں میں بٹ گئیں پہلے تو شکتی اور اس کا باپ بہت جھنجھلائے قبیلے والے بھی بگڑتے رہے مگر یہ معلوم کر کے کہ لڑکیاں مزے میں ہیں جل بھری

سے بگھیلے نے شادی کی ہے اور دوسری بھی نوجوان کنوارے شکاریوں کی بیویاں بنی ہیں تو وہ انھیں بھول گئے۔ آخر کیا کرتے۔ اس زمانے میں اسی طرح گھر بستے تھے۔

جل بھری ایڑیوں کے بل آگ کے پاس بیٹھی ہوئی اپنے شوہر کا انتظار کر رہی ہے۔ کوئلے آہستہ آہستہ بجھ رہے ہیں نہ دھواں ہے نہ شعلے۔ گوشت بھوننے کے لئے ایسے ہی الاؤ کی ضرورت تھی۔ دنوں سے تازہ گوشت نہیں کھایا تھا۔ شکار گوشت بھون بھون کر کھاتے روزانہ سب شکار کو جاتے اور ڈنڈے بجاتے چلے آتے آج بھی قبیلے کے اکثر شکاری گئے تھے اور ان کے ساتھ بگھیلا بھی۔ سب لوٹے۔ شام ہوگئی اور بگھیلا نہ لوٹا۔ الاؤ بھڑک کر بجھے۔ رات کا وقت آگیا۔ دوسرے شکاری آدھا آدھا پیٹ کھا کر سوکھی ہوئی گھاس کے بچھونوں پر سو رہے ہیں۔ ایک جل بھری صرف بھوکی، اکیلی، اپنے پیا کی آس میں الاؤ لگائے بیٹھی ہے کہ کب وہ شکار لائے اور دونوں مل کر تازہ گوشت کھائیں۔ اسے بھروسہ تھا کہ وہ ضرور لائے گا اسی لئے دیر ہوئی ہے۔

بگھیلا جتنا غیروں کے لئے برا تھا۔ اتنا ہی اپنوں کے حق میں اچھا۔ جل بھری کے ساتھ اس کو جانوروں کی سی نہیں بلکہ آدمیوں کی سی محبت تھی۔ وہ اسے جانوروں کے پنجے اور دانت دیا کرتا۔ جنھیں سلیقے سے پرو کر ہار بنا یا کرتی جب کبھی کوئی خوش رنگ پرندہ شکار کرتا اس کے پر ضرور لاتا۔ جل بھری ان پروں کو اپنے بالوں میں لگاتی۔ کمر میں رسی اور خوش ہو لی۔ بازوں پر باندھ کر پری بنتی گھاگرے کی طرح کولھوں پر لٹکاتی اور ناچتی۔ جل بھری بگھیلے سے بہت خوش تھی۔ وہ ان بدسلوکیوں کا خیال بھی نہیں آتا تھا جو بگھیلے نے اس کے باپ کے قبیلے کے ساتھ کی تھیں وہ سارے واقعات بھول بسر گئی تھی۔ کبھی یاد آتا

تو صرف اتنا کہ وہ اپنی ہمجولیوں کے ساتھ پانی بھرنے گئی۔ واپس آئی تو ہانڈے میں گوشت بھن رہا تھا۔ اچانک غل شور مچا۔ آدمی دوڑے۔ پھر کیا ہوا؟ چند آدمیوں نے اسے پکڑ لیا۔ کھینچنے لگے۔ اس نے اپنا بچاؤ نہیں کیا۔ کیوں؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا آپ ہی آپ ہوتا چلا گیا اور بس۔

اس واقعہ کو آج دو سردیاں گزر گئی تھیں۔ اس کا دل مگن تھا۔ میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار تھے وہ اپنے شوہر کے تصور میں محو تھی کہ بھاری قدموں کی چاپ نے اسے چونکایا۔ بھیلا آ پہنچا تھا۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا اور جلدی سے پھونک مار کر کوئلوں سے راکھ اڑائی۔ آگ چمک اٹھی۔ الاؤ کی سرخ روشنی جل بھری کے مسرور چہرے پر پڑی۔ اگیا بیتال دونوں قبیلوں کا ایک ہی گرو تھا۔ شکار کھونے کے جو منتر اس نے کئے تھے بھیلے کو بھی اس کی خبر لگ گئی تھی۔ اسی بنا پر وہ شکار کو نکلا شکار بھی مل گیا۔ ایک ہرن کا بچہ۔ گرو کے جادو کا قائل، خوشی خوشی پیٹھ پر لادے ہوئے آیا اور زمین پر اپنا بوجھ پھینک کر اتنا کہا کہ "میں بھوکا ہوں"۔ جل بھری نے اس کے جواب میں ایک لفظ کہے بغیر اپنی تیز پھل والی چھری گوشت میں گھسیڑ دی۔ جس کی کھال بھیلے نے مارتے ہی اتار لی تھی اور پارچے بنا بنا کر کوئلوں پر رکھنے لگی۔ گوشت کے بھننے کی خوشبو آس پاس لیٹے ہوئے آدمیوں کو پہنچی۔ وہ اٹھ کر آنکھیں ملتے الاؤ کے پاس آ بیٹھے اور للچائی ہوئی نگاہوں سے کبھی اپنے سردار بھیلے کا منہ دیکھتے کبھی اس کی بیوی جل بھری کا اور کبھی گوشت کے بھننے کی تعریف کرنے لگتے اس تمنا میں کہ انھیں بھی کوئی ٹکڑا دے دیں۔

جل بھری گوشت بھون بھون کر دیتی جاتی اور بھیلا کھاتا جاتا نہ میاں نے بیوی کو کھلایا نہ بیوی نے جب تک میاں نے ہاتھ نہ ہٹا لیا کسی بوٹی کو چھوا۔ بھیلا کھا چکا تو اس نے اپنے ہاتھ سے کچھی بھون کر بیوی کو کھلائی۔ دونوں کا پیٹ بھر گیا تو

بچا کھچا وہیں پھینک کر کھڑے ہو گئے جس پہ دوسرے بھوکے شکاری اس طرح گرے جیسے چیل چھچھڑوں پہ۔ قبیلے کی چل بھری پر یہ خاص عنایت تھی۔ ورنہ ان کے ہاں عورتوں کو جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ملتا تھا جس طرح گھر کی دوسری چیزیں وقتی ضرورتوں کے لئے ہوتی ہیں۔ عورت بھی صرف خدمت اور حفظ نفس کے لئے تھی۔ اس کو اپنی زندگی میں برابر سمجھنے کے کیا معنی ؟

شکتی اور رچھنی

وہ کیسا ہی احمد زمانہ تھا۔ ان کی زندگی کیسی ہی سادی تھی اور سارے حالات کتنے ہی وحشیانہ کیوں نہ تھے۔ لیکن انسانی حرکات کہاں جاتیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے لاگ ڈانٹ رکھتا تھا۔ سردار سردار کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا۔ گروکو اپنے بچوانے کے لئے جنگلوں کی خاک چھاننا پڑتا تھا۔ کہ کوئی پتھر کسی چشمے کا پانی کسی درخت کا پھل، گھاس، پتے کوئی جانور ایسا نظر آجائے جو اس کے جادو میں مدد کرے جس سے وہ بڑا دانا کہلائے اور جس کے سبب لوگ اس سے ڈریں پھر اگر اس کے ہاتھ کوئی ایسا ٹنکا آجاتا تو وہ اسے اپنے سینے میں چھپائے رکھتا مرتے وقت کے سوا کبھی نہ بتاتا۔ اور بتاتا بھی فقط اس کو جو اس کا پکا چیلا ہوتا۔

دنیا کے اور عجائبات تو انھیں کہاں معلوم ہوتے نہ عقلیں اتنی روشن ہوتی تھیں۔ نہ زندگی کے لئے کائنات کے رازوں سے اس قدر آگاہی کی ضرورت تھی کمال میں کمال لکڑی اور پتھر کے ہتھیاروں کی نئی نئی ایجادیں یا زبردست سے زبردست جانور کو آسانی کے ساتھ شکار کرنے کی ترکیبیں اور یہ ان کے ہنر کہلاتے ایک قبیلے والے دوسرے قبیلے والوں کو اپنے اس قسم کے بھید نہ دیتے اور اعتقاد

اپنے ہتھیار بھی غیروں سے چھپاتے اور شکار کرنے کے داؤں بھی ظاہر نہ ہونے دیتے سب سے بڑی راز کی چیز یہ تو در اصل اس وقت کے جوگیوں اور ان قبیلوں کے پروہتوں کے پاس ہوتی تھیں جو گروہوں کر رہتے اور جادوگر کہلاتے ٹونے ٹوٹکوں، جنتر منتر کے علاوہ اصلی چیز زہریلی جڑی بوٹیوں، زہریلے پھلوں پھولوں اور جانوروں کی پہچان۔ ان کے زہر حاصل کرنے اور ان کے استعمال کی معلومات بھی علم بڑا بھاری راز سمجھا جاتا۔ سینہ بہ سینہ چلتا رہتا۔ جوگی کہو سنیاسی کہو، جادوگر کہو، جو ان بھیدوں سے واقف ہوتا۔ دور دور اس کی شہرت ہو جاتی۔ اس قسم کا ہر شخص ایک ہی طرح کے زہروں کا برتنا نہیں جانتا تھا۔ وہ جس کو اپنے گروسے پہنچ گیا۔ وہ اس کی پوری حفاظت کرتا۔ اپنا نسخہ دوسرے کو نہ بتاتا۔ چھپ کر سامان مہیا کرتا اور اکیلے میں اسے بناتا۔

اگیا بیتال اپنے وقت کا سب سے بڑا ماہر سمیات تھا۔ اسے مہلک مرکبات بنانے میں بہت مہارت تھی۔ وہ فرصت کے زمانے میں سڑتے ہوئے گوشت کو خون میں ملا کر ایک لکڑی کے برتن میں زہریلی بوٹیوں کے ساتھ ڈال دیتا۔ پھر ترتیب کے مطابق سانپوں کا پھن، اکھوں کے دانت، چیتوں کے ناخن وغیرہ ڈالتا اور ملاتا رہتا۔ آخر میں کسی پتھر کا سفوف شامل کر کے اتنا گھوٹتا کہ سب چیزیں یک جان ہو جائیں گلنے سڑنے میں مہینوں لگتے اور اس کے بعد وہ مکب سریش کی صورت اختیار کر کے قابل استعمال ہو جاتا۔ یہ زہر نہایت عجیب ہوتا تھا۔ تیر یا بھالا جب اس میں ڈبو کر کسی جانور کو مارے جاتے تو زہر شکار کے خون میں مل کر سارے جسم کو مسموم کر دیتا اور وہ زخم کھاتے ہی مر جاتا۔ لیکن کمال کی بات یہ تھی کہ شکاری اس کا گوشت بلا تکلف کھاتے ان پر کوئی زہریلا اثر نہ ہوتا۔ زہر نہ جانے آگ میں جل جاتا یا دھوئیں میں اڑ جاتا۔ کیا ہوتا؟ اس کا بھید کبھی کسی پر نہ کھلا اس راز

سے آج تک بھی لوگ ناواقف ہی ہیں۔

نرسنگے اور اس کے بیٹے شکتی کے سامنے آگیا بتیال کی جادوگری کا قصہ ختم ہو چکا تھا۔ اپنے زہریلے مرکب میں کئی تیر اور بھالے بھی اس نے بجھا کر اپنے جوانوں کو دے دیئے تھے۔ سب اپنے اپنے ڈیروں پر گئے، رات گزری، صبح آئی تو شکتی شکار کے لئے تیار ہوا۔ سج دھج دیکھنے کے قابل تھی۔ سر پہ کسی سینگ دار جانور کی کھوپڑی کا خود آگے پیشانی تک جھکا ہوا۔ چھاتی سے ٹخنوں تک بارہ سنگے کی کھال لپٹی ہوئی، بازو ننگے۔ بیل کے چمڑے کی پیٹی۔ اس میں پتھر کی انی کے چوبی خنجر۔ کلائی میں تیر چلانے کا آلہ آدھا لکڑی اور آدھا پاڑے کے سینگ کا۔ ترکش میں زہریلے تیر۔ ایک ہاتھ میں لمبی برچھی۔ جس کی بھالی پر گرو نے زہر لگا دیا تھا گلے میں قسم قسم کی لکڑیوں کے ٹکڑے۔ درندوں کے تیز دانتوں۔ رنگین پروں کے گچھوں کی ہیکلیں۔

جنگلی قبیلوں کے شکاریوں کی یہ عام وضع تھی۔ سرداروں کے پاس ہار زیادہ ہوتے اور انہی ہاروں سے وہ پہچانے جاتے۔ لیکن شکتی کا دل آج زیادہ چونچال تھا۔ گرو کے جادو کی قوت نے اس کے حوصلے بڑھا دیئے تھے وہ سرداری کے خاص اندازسے نکلا اور ہوا سے باتیں کرتا ہوا چلا۔ اس نے اپنے اندر ایک غیر معمولی طاقت محسوس کی۔ سمجھا کہ گرو کے جادو سے روحیں سما گئی ہیں۔ خوشی میں قلانچیں مارتا ہوا اپنے قبیلے کی حد کا سارا میدان طے کر گیا۔ کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پہ چڑھا اور اترا۔ آسے بچار کے۔ مارنے کی دھن سمائی ہوئی تھی۔ کونسا بچار؟ وہی خونی جس نے اس کے قبیلے دو شکاریوں کی جان لی تھی۔ وہ ادھر ادھر جھانکتا تاکتا بڑی پہاڑی کی گھاٹیوں کو طے کر کے پار کے سبزہ زار میں جا پہنچا۔ گرو کے جنتر منتر پر پھول کر اس نے یہ بھی دھیان نہیں کیا کہ میں اپنا علاقہ چھوڑ آیا ہوں۔ غیروں کا

کے علاقے میں آنا، اور شکار کرنا، جان کو جوکھوں میں ڈالنا ہے۔ ایسا نہ ہو پکڑا جاؤں۔ کوئی مار ڈالے۔

تسکتی جنگل کے قانون سے واقف تھا۔ اسے یہ سب باتیں معلوم تھیں۔ مگر گرو کے جادو کا بھی تو آخر اثر ہونا چاہیئے۔ وہ اپنے خیال میں مگن آگے ہی بڑھتا رہا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی کہ سامنے چھدرے درختوں کے کنج سے ہوا میں گونجتی ایک آواز آئی، وہ اچھل پڑا۔ مسکرا کر کان لگائے۔ یہ کوئی بڑے کلے جبڑے کا بجار ڈکرار ہا تھا۔ ہوشیاری سے قدم رکھنے لگا۔ خشک پتوں پر پاؤں سنبھل کر رکھتا۔ پتھروں کو ٹھوکر سے بچاتا کہ ایسی کوئی آواز نہ پیدا ہو جو بجار بدک جائے۔ جھاڑیوں کے کنارے کنارے سانس کو سادھے وہ اور اس کا سایہ دونوں آگے پیچھے جا رہے تھے کہ کلنگوں کی ایک قطار کی قطار اس کے آگے سے بھاگ کر اڑنے کے لئے پر تولنے لگی۔ تسکتی کا ہتھیار والا ہاتھ بے اختیار ان کی طرف بڑھا۔ برچھی چلی تیر بھی زن زن کرتے ہوئے چلے۔ ہوا مخالف تھی۔ برچھی نے کوئی کام نہ دیا۔ اور تیر بھی ہوا میں بھرا کر رہ گئے۔

تیروں اور برچھی کے واروں کا خالی جانا اور لم ڈھینگ جیسے بھارے پرندوں کا پھر پھراتے ہوئے بے لاگ زد سے بچ کر اڑ جانا ایک بری فال تھی۔ تسکتی کے دل میں دھکڑ پکڑ شروع ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا "کیا وہ روح جو بجار کی رکھوالی کر رہی ہے گرو کے منتر سے ہاری نہیں؟ کیا اس میں جادو سے بھی بڑھ کر طاقت ہے؟ یا کیا اگیا بتیال' بوڑھا ہو کر کمزور ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کے جنتر منتر بھی زوردار نہیں رہے"۔ اپنے دل سے تسکتی اس قسم کے دو ایک ہی سوال کرنے پایا تھا کہ پھر ڈکرانے کی آواز آئی۔ بہت قریب سے گویا داہنی طرف کی جھاڑیوں کے اندر ہی کوئی بجار ہے۔ اچھی بری فال کا وہم چھوڑ کر وہ فوراً اوندھا زمین پر لیٹ گیا اور لمبی

دوب میں پیٹ کے بل گھسٹتا ہوا چلا۔ جھاڑیوں میں گھسا۔ جھاڑیوں کے ادھر میدان تھا۔ کچھ جانور دکھائی دئے۔ کہ بے ہراس چر رہے ہیں۔ باچھیں کھل گئیں۔ لیکن ساتھ ہی بجار پر بھی نظر پڑی۔ بجار کو دیکھتے ہی بدحواسی چھا گئی پچھلا سماں آنکھوں کے سامنے آگیا۔ بجار کی خوفناک صورت قبیلے کے دو شکاریوں کا روندن میں آنا یاد کرکے کانپنے لگا۔ جو خیال آتا پریشان جو تصور بندھتا۔ تنہا، غیر سرزمین، اپنے قبیلے سے اتنی دور کہ آگ کا دھواں بھی اچھے برے کی خبر نہ دے سکے۔ اس پر طرہ شگون خراب ہوا۔ پرندوں نے نشانہ چھوٹا کر کے فال بگاڑ دی۔ یہ سب وہم ایک دفعہ ہی ہجوم کر آئے۔ ارادہ کیا کہ شکار وکار پر لعنت بھیجو۔ گھر پلٹ چلو۔ اتنے میں بجار قریب آپہنچا تھا۔ اس کے تیور دیکھے تو اور ہوش اڑے۔ ملک الموت اور اس کی ایک صورت تھی۔ زمین پر چپکے ہوئے۔ خوف سے بے حرکت شکتی نے بجار کو سہمی ہوئی نگاہوں سے بغور دیکھا۔ جو اپنی اداؤں کے طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے تھا۔ بجار کے جسم پر بیسیوں زخم تھے اور ان پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں اس نے اپنا سر ہلایا۔ دم ادھر ادھر ماری کھروں سے زمین کھودی، سینگوں سے جھاڑیوں کو کھوندا جو اسے چلنے پھرنے میں اذیت دیتی تھیں شکتی نے پہچان لیا کہ وہی سانڈ ہے جس کے لئے جنتر منتر کے سہارے کوتک کئے گئے ہیں اور در حقیقت تھا بھی وہی۔ زخم زہر آلود تیروں کے تھے۔ اچھے کیا ہوتے۔ سڑتے چلے جاتے تھے . . . . بجار اس وقت پوری زد میں تھا۔ اگر شکتی ذرا بھی جرأت وہمت کرتا تو دو چار ہاتھ ضرور دکھا سکتا تھا۔ لیکن اس کے تو اوسان خطا تھے۔ حملہ کرنا ایک طرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ اس نے اپنے گرو کو یاد کیا روحوں سے اپنی حفاظت کی دعا مانگی۔ اسے ڈر تھا اور ڈر بھی سچا بجار ذرا بھی آہٹ کی جھلک دیکھ لیتا پیچھے پڑ جاتا۔ خدا کی قدرت بجار اپنی ہی دھن میں رہا دو

چار ڈکار یں لے کر ایک دم دم اٹھا کر بھاگا اور اپنے جنگلے میں جا ملا۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

شکنی کی جان میں جان آئی۔ اٹھا اور دبے پاؤں ایک لمبا چکر لگاتا ہوا ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں وہ پناہ بھی لے سکتا تھا اور کوئی بھی اگر گزرتا تو اسی طرف سے۔ وہاں اس نے ایک دراڑ کے اندر اپنے کو چھپا لیا اور چوکنا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مصیبت جب آتی ہے تو بڑ توڑ آتی ہے۔ پورے اطمینان سے ابھی دو چار سانس بھی نہیں لے سکے کہ سامنے دس پانچ ہی گز کے فاصلہ پر ریچھ کے دو بچے آپس میں کلیلیں کرتے ہوئے آگئے۔ بچے تو خیر ایک تر میں جیسے بول جاتے ان جنگل کے بہادروں کے نزدیک ان کی کیا حقیقت تھی۔ لیکن شکنی جانتا تھا کہ ان کی ماں بھی کہیں آس پاس ہی لگی ہوئی ہوگی اور بچوں کے لیے بلی بھی شیرنی بن جاتی ہے پھر یہ بچے بھورے ریچھ کے بچے تھے۔ جو آدمی پر حملہ کرتا ہے اور قدرتاً بھی درندہ ہے۔

ایک آفت سے بچا تھا، دوسری آفت سامنے تھی۔ شکنی کے ہوش کہاں تک درست رہتے۔ ریچھ سے بچنے کے لیے غار بھی کارآمد نہیں۔ اب کیا کرے۔ بھاگے؟ وہ غار سے باہر نکلا۔ چاروں طرف کی پہاڑیوں پر نظر دوڑائی کہ کہیں کوئی پناہ کی جگہ دکھائی دے جائے۔ وہ ایک طرف مڑنے ہی کو تھا کہ برابر کی چٹان کے پیچھے سے بھوں بھوں کی آواز آئی۔ شکنی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ ریچھنی تھی۔ انسان کی بو پا کر اپنے بچوں کو ڈھونڈتی چلی آئی تھی۔ اب ریچھنی اور اس کے دونوں بچے ایک جگہ تھے۔ وہ اپنے بچوں کو چاٹنے لگی۔ شکنی دیکھ رہا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ ماں کو اپنے دونوں بچے جیتے جاگتے مل گئے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ وہ مجھ پہ حملہ کرے۔ بچوں کو لے کر چلی جائے گی اور اس لئے شکنی نے اپنے

آگے سے ٹلنا چاہا۔ لیکن ریچھنی جان لیوا بن گئی یہ چلا تھا کہ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ جان عذاب میں۔ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں شکتی کو ایک ریچھ سے لڑنے کا پہلا موقع۔ نیر جانور کے ساتھ مقابلہ کے داؤں پیچ الٹ ہوتے ہیں یکایک اسے خیال آیا کہ کالی گھاٹی میں باپ نے کس طرح اسی قسم کے ایک ریچھ سے مقابلہ کیا تھا۔ بچپن کی بات تھی سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ ریچھنی سر پہ جان پر کھیلنے کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

حواس درست کرکے آخر شکتی نے اپنی برچھی سنبھالی اور زد پہ آتے ہی پوری طاقت سے ریچھنی کے سینے میں پیوست کر دی وہ زخمی ہوکر چلائی دانتوں سے برچھی نکال دی۔ پچھلی ٹانگوں پہ کھڑی ہوگئی اور ہاتھ پھیلا کر تھوتھنی ہلاتی بڑھی جھپٹی۔ ریچھ کے حملہ کرنے کا عموماً یہی طریق ہے۔ یہ چیرتے پھاڑتے نہیں۔ بلکہ چھاتی سے لگا کر اتنا بھینچتے ہیں کہ آدمی کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی ہے۔ شکتی کے پاس اب نہ بھالا رہا تھا نہ تیر چلانے کی جگہ۔ اس کے اندر اور ریچھنی کے بیچ میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ قدم کا فاصلہ۔ وہ اپنا لال لال حلق پھاڑتے بڑھتی چلی آتی تھی۔ اب شکتی کیا کرے؟ اس نے چھپا کے سے چھری ہاتھ میں لے لی ریچھنی منہ پہ آگئی تو ایک جما ہوا وار کیا اور چھٹکارا پانے کی کوشش کی۔ مگر وہ بلا کب چھوڑتی بڑھ کر شکتی کو اپنی گرفت میں لے ہی لیا۔ اس کے بڑے بڑے تیز پنجے شکتی کی پیٹھ پہ پہنچ گئے۔ ریچھنی کی کھال پھٹ گئی۔ شکتی کے حواسوں کی کیا بات ہے اس نے اپنے اور ریچھنی کے درمیان اپنی نوک دار چھری اس مضبوطی کے ساتھ ہاتھ میں رکھی کہ جوں جوں وہ اسے بھینچتی چھری اس کی چھاتی میں اترتی جاتی۔ اس نے اپنا چہرہ ریچھنی کے بڑے بڑے بالوں میں چھپا لیا تھا کہ وہ کہیں تھوتھنی مار کر زخمی نہ کر دے

چھری ریچھنی کے سینہ میں پیوست تھی۔ خون بہ کر ٹکی کے ہاتھوں پر آیا تو وہ خوش ہوگیا۔ اسے تسکین ہوئی کہ چھری کام کر رہی ہے۔ اب جتنے زور سے ریچھنی اسے بھینچے گی اسی قدر گہرا گھاؤ ہوگا۔ جان بچنے کی صورت نکل آئی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خون نکلتے نکلتے وہ کمزور ہو کر لڑکھڑائی۔ لیکن ریچھنی آخر ریچھنی تھی اس نے مرتے مرتے ایک زور ایسا کیا کہ ٹکی کی ہڈیاں بولنے لگیں۔ دم گھٹنے اور جان نکلنے کی نوبت آگئی۔ وہ موت کی کشمکش میں اپنے پنجے اور منہ بھی چلا رہی تھی۔ کبھی اس شانے پر دانت مارتی کبھی اس شانے پر۔ سارا بدن نوچتے مار مار کر زخمی کر دیا۔ تھا ٹکی بھی خون سے نہا گیا۔ آنکھوں کے تلے اندھیرا۔ دل میں ہزار دل وسواس۔ سر چکراتا اور پھٹتا معلوم ہوا غشی کی سی نوبت۔ کوئی دس پندرہ منٹ کے بعد ریچھنی نے ایک عجیب طرح کی آواز نکالی اور گر پڑی۔ ساتھ ہی ٹکی بھی گرا۔

ریچھنی کا زخم کاری تھا۔ گرتے ہی ٹھنیاں کھانے لگی۔ لوٹتی، جھگما رتی کھڑی ہوئی اور گر پڑی۔ آخر ہاتھ پیر پھیلا دیئے۔ دو چار لمحہ اس کے حلق سے خرخر غر کی آواز نکلی۔ کانپی، پنجوں سے زمین کو کریدا اور ٹھنڈی ہوگئی۔ ٹکی نے اسے دم توڑتے دیکھا۔ سمجھا کہ ریچھنی سے تو روحوں نے جان بچالی۔ اب جنگل کے دوسرے درندے گزند سے چھوڑ دیں تو بات ہے۔ اس کی نقاہت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ سنبھلنا چاہا نہ سنبھل سکا۔ آنکھیں بند ہوگئیں۔ بے ہوش ہوگیا۔ اسی اثنا میں چند آدمی وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک انجان شکاری خون میں لت پت بے جان سا پڑا ہے۔ پاس ہی ایک ریچھنی مری ہوئی پڑی دیکھی۔ جس کے دونوں بچے اپنی ماں کے خون میں بھرے ہوئے بالوں کو چاٹ رہے تھے

(ساتواں باب)

بن باسی دیوی

انسان نے دنیا کے کسی ایک حصہ میں جنم لیا تھا۔ تبدریج چولے بدل بدل کر
یا اپنی جنس میں بے تکلف، اس سے کیا بحث۔ مدتوں وہیں کہیں رہا۔ تعداد
بڑھی ایک ایک جوڑا کنبہ بنتا گیا۔ جگہ کم ہو گئی۔ زندگی کے اسباب محدود ہوں گے
یا اپنی فطری خصلتوں کے سبب کہ دماغ میں قدرتی طور پر رشک وحسد کا دھواں
ہوتا ہے آپس میں دنگا فساد ہوتا رہا ہوگا۔ جو قبیلہ تگڑا ہوتا وہ کیوں اپنا وطن
چھوڑتا۔ کمزور بے چارے نکل کھڑے ہوتے۔ جدھر سینگ سمایا چل پڑے
جہاں رہنے کو اچھی جگہ۔ اپنی مرضی کا شکار دکھائی پڑے پھر انہیں اسباب
کی بنا پر ٹکڑیاں بن گئیں۔ انسان کی نسل پھیلتی اور خدا کی زمین بستی چلی گئی۔

اشوئیا اور ہنٹیا قبیلے بھی اسی قبیل کے تھے۔ اپنے نکاس سے نکل کر نہ
جانے کتنی ٹھیکیوں کے بعد یہاں پہنچے ہوں گے۔ صرف یہی دو قبیلے نہیں
ان اطراف میں تھوڑی تھوڑی دور پر کتنی ہی آبادیاں تھیں۔ بعض رنگ روپ
میں ایک بعض الگ الگ۔ جو ایک دادا کی اولاد تھے۔ جن کو جدا ہوئے زیادہ
عرصہ نہیں ہوا تھا۔ ان کی وضع قطع، صورت شکل، چال ڈھال بہت کچھ آپس
میں ملتی جلتی تھی۔ اور جنہیں پیڑیوں پہلے الگ ہونا پڑا تھا، یا مختلف سرزمینوں
کے چکر کاٹتے رہے تھے، ان کی چیتا کچھ اور تھی۔

ہنٹیا اور اشوئیا والوں میں نسلاً زیادہ بُعد نہ تھا۔ یہ دونوں قبیلے کسی ایک
درخت کی کٹی ہوئی شاخیں تھیں۔ جن کا ٹکاؤ بھی بڑے پہاڑ کے اس طرف آمنے
سامنے ہی تھا۔ پہاڑ کے اس طرف اور قبیلے تھے۔ اگرچہ ان سے ان کی ملت جلت
نہ تھی لیکن کبھی کبھی شکار کے پیچھے یا کسی اور ضرورت سے وہ چوری چھپے ادھر آ جاتے
اور یہ ادھر جا نکلتے۔ ٹکی جب بیہوش ہو گیا ہے اور اس کے پاس کچھ آدمی آئے
ہیں وہ پربت پار کے کسی ایسے ہی قبیلے کے تھے۔ گنتی میں زیادہ نہیں صرف

چار کی چھوٹی سی ٹولی۔ وہ بھی تین مرد اور ایک عورت۔ دار والوں سے زیادہ شکیل ہاتھ پاؤں میں سڈول، قد و قامت میں اچھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قبیلہ جہاں رہا ہے حسن پرست آب و ہوا میں رہا ہے۔ ان کے ہتھیاروں میں بھی ایک آدھ چیز نئی تھی۔ گلے کا ہار۔ بازوؤں اور سر کی آرائش میں کسی قدر فرق تھا یعنی زیورات سے یہ زیادہ لدے ہوئے تھے۔ زیور کیسے؟ وہی وضع وضع کے ہڈیوں کے ٹکڑے۔ سینگ۔ طرح طرح کے دانت رنگا رنگ کے ہر قسم کی دُمیں وغیرہ۔

انھوں نے پہلے ریچھنی پر دور سے ایک تیر چلایا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ زندہ ہے یا مردہ۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو دونوں بچوں کو ایک ہی بھالے میں پرو لیا اور پھر بیہوش شکتی پر جھکے۔ اس کی حالت قابل رحم تھی۔ زخمی، خون میں تر بتر نہ حس نہ حرکت۔ بالکل مردہ سا۔ عورت قدرتاً مردوں کی بہ نسبت نرم دل ہوتی ہے اس کے جذبات ہمدردی بھڑک اٹھے۔ اس نے بیچینی کے ساتھ زخمی شکاری کی چھاتی پر ہاتھ رکھا۔ دل حرکت کرتا ہوا معلوم ہوا۔ فوراً اپنے چمڑے کے تھیلے میں سے کچھ بوٹیاں نکالیں۔ جنگل کے کسی درخت کی ہری ہری پتیوں کا عرق نکالا اور سب کو ملا کر زخموں پر لگایا۔ پاس بیٹھ گئی اور صبر سے شکتی کے ہوش میں آنے کی منتظر رہی۔

شکتی اپنے قبیلے کے سردار کا بیٹا تھا اور بیٹا بھی آگے چل کر اپنے باپ کا جانشین ہونے والا۔ سرداری کی علامتیں اس کی صورت اس کے ہتھیاروں اور گلے میں پڑے ہوئے ہاروں سے ظاہر تھیں۔ وہ بڑی حیرت سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ریچھنی اور بچوں کی کھال اتارنے میں مصروف تھے۔ ان چقماق کے پھلوں کی چھریاں اس صفائی کے ساتھ چلتیں کہ آج فولادی

خنجر بھی وہ کام نہیں کر سکتے یہ ہنر انھیں خوب آتا تھا۔

نوجوان شکاری کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ دوا لگانے سے اتنا ہوا کہ خون نکلنا بند ہو گیا۔ تاہم ضرورت تھی کہ وہ آنکھ کھولے۔ عورت نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور ان میں دو بلے خبر تسکی کو ڈنڈا ڈولی کر کے وادی کے نیچے ایک چشمے کے کنارے لے آئے۔ زخموں کو دھونا شروع کیا۔ سر پر بھی پانی ڈالا پہاڑی چشمے کا ٹھنڈا پانی سود داؤں کی ایک دوا تسکی کے جسم میں حرکت ہوئی۔ آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں تو کھل گئیں۔ لیکن دماغ ابھی چکرا رہا تھا۔ وہ ایک ایک کی صورت دیکھتا۔ بتدریج اس کے حافظ پر سے ایک تاریک پردہ سا ہٹتا۔ ریچھنی کے بچے ریچھنی۔ اس سے لڑنا اور لڑتے لڑتے دونوں کا گرنا اول سے آخر تک ساری باتیں اسے یاد آ گئیں۔ ساتھ ہی ایک سنہری بالوں والی خوبصورت عورت کو اپنی طرف متوجہ پاکر وہ حیران تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ زندہ نہیں مردہ ہے۔ موت کی نیند سونے کے بعد روحوں کی دنیا میں اس کی آنکھیں کھلی ہیں اور یہ عورت اسی عالم کی کوئی روح ہوگی جو دیوتاؤں نے اس کو خوش کرنے کے لئے بھیجی ہے۔

اس عورت کو تسکی نہایت کرب اور بے چینی کے ساتھ دیکھ رہا تھا جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اس نے بڑی جرأت سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا "تم کون ہو؟" عورت مسکرائی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر دوبارہ اپنا کمزور ہاتھ اٹھایا۔ کپکپاتی ہوئی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ بولتی کیوں نہیں بتاؤ تم کون ہو؟" اس مرتبہ وہ بولی" میں بن باسی دیوی ہوں، چیتل میرے قبیلے کا نشان اور مرگ آسنی" نام ہے۔" جس زبان میں یہ عورت بات کر رہی تھی اس کا لب و لہجہ مختلف تھا۔ صحرائی قبیلوں میں تھوڑے تھوڑے فرق سے بہت سی بولیاں بولی جاتی تھیں۔ خنبا جس قبیلے میں بعد ہوتا تی تھا

زبان بدلی ہوئی ہوتی جس کا سبب نئے نئے مقامات میں بود و باش جگہ جگہ کے حالات کا اختلاف تھا۔ روزانہ نئی نئی باتیں پیش آتیں۔ ان کے اظہار کے لئے لفظ گھڑے جاتے۔ لیکن جب کبھی دو ایسے قبیلوں کے آدمی اتفاق سے ملتے گفتگو کا موقع آتا تو ہاتھوں کے اشاروں، چہروں کی علاموں سے اور آوازوں کو گھٹا بڑھا کر جو لفظ سمجھ میں نہ آتے انھیں سمجھا ہی دیتے غرضکہ کسی نہ کسی طرح اپنا مطلب نکال ہی لیتے۔

شکتی:- "تمہارا قبیلہ کہاں سے آیا؟"

بن باسی دیوی:- (ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے، شمال کے دور دراز ملک سے۔"

شکتی:- "کب آنا ہوا؟"

بن باسی دیوی:- "(انگلیاں دکھا کر) پانچ سردیاں ہوئیں۔"

شکتی:- "کس پہاڑی کے غار میں رہتی ہو؟"

بن باسی دیوی:- "ہم بھٹوں میں نہیں رہتے۔ کھالوں کی تنبوٹیوں میں سوتے ہیں۔"

شکتی نہیں سمجھا کہ کھالوں کی تنبوٹیاں کیسی؟ کیا غاروں کے علاوہ بھی آدمی کے بسیرا لینے کی کوئی جگہ ہو سکتی ہے۔ اس کا قبیلہ اور دوسرے جس قبیلہ کو اس نے دیکھا تھا وہ اتنے ترقی یافتہ نہ تھے۔ غاروں کے سوا انھوں نے ابھی تک اپنے رہنے سہنے کی کوئی دوسری صورت ہی نہیں پیدا کی تھی۔

اتنے میں بن باسی دیوی کے ساتھی جو شکتی کو چشمے کے کنارے ڈال کر چلے گئے تھے ریچھنی اور اس کے دونوں بچوں کی کھالیں کھینچتے ہوئے آ پہنچے۔ ان کو دیکھتے ہی شکتی لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا اور اس کے ہاتھ

ہتھیار ٹوٹنے لگے۔ لیکن ہتھیاروں میں نیزہ تو پہلے ہی دار میں نکل گیا تھا ڈنڈا کشتی میں پھینکنا پڑا۔ چھری ریچھنی کے جسم میں پیوست۔ کمان، تیر اور ترکش بے ہوشی میں اجنبیوں نے سنگوا لئے بڑا گھبرایا۔ اپنے کو نہتا پاکر غصے میں تڑپ کر چلایا اور عورت کی طرف بڑھا تاکہ اس کی پیٹی میں اڑسا ہوا ہتھیار نکال لے۔ صحرا کے جنگجو آدمیوں کے سامنے ایک پہاڑی صحرائی کا نہتا ہونا بڑا عیب تھا۔ پھر سامنے بھی بالکل غیر کسی ایسے قبیلے کے جو جانے بوجھے نہیں۔ جن کا دشمن ہونا یقینی ہو۔ اسے غصے کے ساتھ جان جانے کا اندیشہ بھی ہوا۔ ناچاری، مجبوری، اس پر طرہ یہ کہ زخموں سے چور۔ خون نکلنے سے نڈھال۔ کمزوری اس درجہ کہ کھڑا رہنا دشوار۔ وہ چکرایا اور گر پڑا

بن باسی (دیوی) جو نکتی کے ارادے کو سمجھ کر دو قدم ہٹ گئی تھی اور جس نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے پھر آگے بڑھی اور اس کے پاس کھڑی ہو گئی تھی اور جس نے اپنے ہتھیار سنبھال لئے تھے پھر آگے بڑھی اور اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔ تینوں شکاری بھی آ گئے۔ کھالیں رکھ کر اب ان میں بحث ہو رہی تھی۔ بحث کا تعلق نکتی سے تھا نکتی نے سمجھ لیا کہ اس کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ وہ جز بز اجز بز اگر ان کی صورتیں دیکھتا اور اپنی بے بسی پر افسوس کر کے رہ جاتا۔ آخر شکاریوں میں یہ ٹھیرا کہ اس اجنبی کو جہاں وہ پڑا ہے وہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن عورت کو جو اپنے ساتھیوں کی باتیں سن رہی تھیں ان کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔ وہ کہنے لگی۔ ایک ایسے آدمی کے ساتھ خواہ وہ کوئی بھی ہو، جس نے اپنی بہادری ثابت کر دی ہے، بے مروتی برتنی ہرگز روا نہیں۔ کیا تم اپنے قبیلے کو بدنام کرنا چاہتے ہو؟" عورت کی یہ بات سنکر تینوں شکاریوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ان میں سے ایک

نے جو عمر میں زیادہ معلوم ہوتا تھا شکتی سے پوچھا۔ "تمہارا قبیلہ کہاں ہے؟"
غالباً اس کی غرض یہ تھی کہ اسے گھر پہنچا دیا جائے۔ کیونکہ غیر قبیلے والے کو وہ
ایک دوست کی حیثیت سے اپنے ہاں لے جانا نہیں چاہتے تھے شکتی نے
جواب دیا "یہاں سے آدھے دن کی مسافت پر مغرب کی طرف
میرا قبیلہ رہتا ہے۔"
دوسرا شکاری) "تمہارا قبیلہ ہینتیبا تو نہیں؟"
شکتی "ہاں! میں اس کے سردار کا بیٹا ہوں"
تیسرا "اشوئیا کے پڑوسی؟"
اس سوال کے بعد اس نے ذرا بری صورت بنا کر شکتی کو گھورا۔
شکتی تاڑ گیا کہ کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ وہ اشوئیا کے سردار کی ظالمانہ
حرکتوں سے خوب واقف تھا فوراً گمان ہوا کہ انھیں ضرور اس سے کوئی
پرخاش ہے۔ لیکن وہ اپنی جگہ بدستور تنا رہا اور صرف اتنا کہہ کر کہ "ہم دونوں
ایک دادا کی اولاد ہیں۔ اچھا پھر تمہارا مطلب؟" خاموش ہو گیا اور ان
سے کسی قسم کے رحم کی درخواست نہیں کی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھے ہوئے
تھا کہ جو صورت وہ برتیں گے خطرے سے خالی نہیں اپنے ساتھ لے گئے
تو قیدی بنا کر چھوڑ جانے کی ٹھان لی تو ویسے موت کا سامنا ہے۔ زخم
جرار ہے ہیں۔ ہاتھ پیروں میں جان نہیں۔ گھر اتنی دور کہ پہنچنا دشوار
پھر بے ہتھیار۔ جنگلی جانور رستے ہی میں بھنبوڑ کھائیں گے۔ یہیں پڑا رہا
تو زندگی کی کیا امید۔
بن باسی دیوی اپنے آدمیوں کے ان سوالات کا مطلب سمجھتی تھی
اس نے اب اپنا انداز بدلا۔ کسی قدر متانت کے ساتھ زخمی شکتی پر ہاتھ

رکھ کر بولی: "کچھ بھی سہی یہ بہادر ہے۔ ہمیں اسے اپنے ساتھ لے جانا اور اس کے زخموں کا علاج کرنا چاہیئے" ہاتھ رکھنے کے معنی تھے کہ یہ ہماری پناہ میں ہے اور اب زیادہ حجت کی ضرورت نہیں۔ لیکن پھر بھی ان میں سے ایک کہنے لگا: "خیر ہم اس کے قبیلے والوں سے اس کی جان کے بدلے کچھ لے کر چھوڑ دیں گے۔ اس کے بھائی بند قبیلے ہمارے ساتھ بھی تو ایسا ہی کرتے ہیں۔"

دوسروں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

بن باسی دیوی (بے پروائی کے ساتھ) "دن ڈھل رہا ہے اب چلنا چاہیئے"

ایک شکاری شکتی کو سہارا دیتا ہوا لے چلا۔ دو پھپھنی اور اس کے دونوں بچوں کی کھالیں لادے ہوئے آگے آگے بن باسی دیوی پیچھے پیچھے یہ چاروں چلے جا رہے تھے۔ شکتی کے دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ ایسی حالت میں خیالات کے سوا اس کے پاس تھا کیا۔ لیکن سب سے زیادہ تشویش کی بات اس کے لئے یہ تھی کہ ایک عورت نے مردوں کے سے کپڑے کیسے پہن لئے ہتھیار بھی لگا رکھے ہیں۔ شکار بھی کھیلتی ہے۔ پھر مردوں پر حکومت کرنے کے کیا معنی؟ اس چیز کا شکتی کے دل میں کبھی تصور بھی نہ آیا ہوگا کہ کوئی عورت مردوں پر حکم چلا سکتی ہے۔ مردوں کی طرح تیر اور نیزہ لے کر نڈر جنگل میں شکار کھیل سکتی ہے۔ اندھیرے زمانوں میں عورتوں کی قبیلوں میں کوئی گنتی نہیں تھی۔ جب کبھی کسی قبیلے کے آدمیوں کی کوئی گنتی پوچھتا تو صرف مرد گنے جاتے۔ عورتیں اور بچے شمار میں نہ آتے۔ عورتوں کا کام فقط نسل بڑھانا اور خاموشی سے مردوں کے حکم کی تعمیل کرنا تھا۔ عورت غلام مرد سے بھی کم درجہ کی سمجھی جاتی۔ زیور کھال، ہتھیاروں کے لئے چقماق سے اس کا تبادلہ ہو سکتا تھا۔

لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ شکتی کو حیرت تھی کہ آخر یہ بات کیا ہے

عورت کی فرماں برداری مرد کر رہے ہیں ٹنکی کو اپنی پناہ میں لے کر بچانا اور اس طرح کہ کوئی چوں نہیں کر سکتا۔ وہ سوچتے سوچتے تھک گیا اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ جب بن باسی دیوی آگے آگے سرداری کی شان سے چلتی تو وہ اسے بغیر دیکھے نہ رہ سکتا اور دل میں غور کرتا جاتا کہ ایک عورت کی اس مہربانی کا بدلہ کس طرح ادا ہوگا۔ بن باسی دیوی ٹنکی کے سارے قبیلے کی عورتوں سے خوبصورت دراز قامت اور مضبوط تھی۔ اس کی ٹانگوں اور بازوؤں کی مچھلیاں چکنے گوشت کے نیچے جھانک رہی تھیں۔ اس کا چہرہ سرخ اور زرد رنگ کی دھاریوں میں بنا بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سر پر سنہری بال چاند کے گرد ہالہ بنے ہوئے تھے دانتوں کا ایک ہار سینہ پر لٹک رہا تھا۔

ٹنکی نے اپنے ذہن میں اندازہ کیا ہتھیا اور اشو یا دونوں قبیلوں کے دونوں سردار جو ہار پہنتے [illegible] بن باسی دیوی کا ہار ان سے کہیں اچھا ہے۔ اس سے اس کا قبیلہ کوئی بڑا طاقت والا ہوگا۔

ان [illegible] ٹنکی کو سہارا دیتے ہوئے لئے جا رہے تھے اس کے طرح طرح کے سوالات [illegible] اور وہ پوچھنا بھی مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے اس پہلے بھول [illegible] سے جا رہا تھا کہ ایک عورت اسے اپنا قیدی بنا کر لے جا رہی ہے خواہ ہمدردی سے ہی کیوں نہ ہو اور اس کے ہتھیار گرفتار کرنے والوں کے قبضے میں ہیں۔ چلتے چلتے وہ ایک اونچی پہاڑی پر پہنچے جہاں سے دوسری طرف کا سارا میدان دور دور تک نظر آتا تھا۔ تلہٹی میں ایک جانب کھاکو کی کچھ جھونپڑیاں اور گھاس پھوس کی بیڈول چھپریاں پڑی ہوئی تھیں۔ ٹنکی پریشان کہ اس جنگل میں یہ کیسے درخت ہیں آخر نہ رہ سکا۔ بن باسی دیوی سے پوچھا کہ یہ زمین پر کیا اگا ہوا ہے؟ اس نے مسکرا کر جواب دیا "ہمارے سامنے

کے گھر ہیں۔" تشکتی کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آیا اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر الٹ وضع وضع کے مکانوں کو دیکھنے لگا۔ اتارتھا، اتنے میں یہ پانچوں مرگ آسنی قبیلے میں پہنچ گئے جہاں جگہ جگہ سوکھی لکڑیوں کے الاؤ بغیر دھوئیں کے سلگ رہے تھے۔ تشکتی میں کھڑے رہنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ تنبوؤں کے حلقہ میں داخل ہوتے ہی گر پڑا دھماکے کی آواز سن کر بہت سی عورتیں نکل آئیں بچے ان کے ساتھ ساتھ تھے تشکتی کے گرد سب جمع، طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں اور وہ ایک بے بس جانور کی طرح زخموں اور تھکن سے چور، آزادی چھن جانے کا ملال تماشا بنا ہوا ادھ موا سا نیم بیہوشی کی حالت میں چپ، آنکھیں بند کئے پڑا، ان کی چہ میگوئیاں سن رہا تھا۔

ایک لڑکی:۔ "دعوزسے دیکھ کر" یہ کون ہے؟"

دوسری:۔ "دیکھنا اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں ہیں۔ کیا یہ مرے گا؟

ایک عورت:۔ "نجانے کس قبیلے کا ہے۔

دوسری:۔ "بولے تو معلوم ہو۔

تیسری:۔ "ملا کہاں سے؟

چوتھی:۔ "لڑا ہوگا۔

پانچویں:۔ "اس کے سنگتی کیا بھاگ گئے؟"۔

چھٹی:۔ "اسے یہاں کیوں لائے ہیں؟"۔

بن باسی دیوی یہاں پہنچ کر ایک تنبو میں چلی گئی تھی۔ جو سب سے بڑا تھا اور جس کے آگے اس کی قوم کا نشان ایک لمبے بانس میں لٹک رہا تھا۔ دو چار منٹ کے بعد وہ ایک آدمی کو لے کر آئی جو مختلف قسم کے درختوں کی چھال سے ڈھیلا ڈھالا سرخ لبادہ سا پہنے ہوئے تھا۔ سر پہ ہرن کا چہرہ، جس پہ بن کھائے

ہوئے نیننگ لگے ہوئے تھے۔ گلے میں ہڈیوں کی ہیکل جس کے بیچ میں ایک بڑا سا گھونگا، منہ پر زرد مٹی ملی ہوئی یہ اس قبیلے کا گرو تھا۔ ان کے آتے ہی سب ہٹ گئے۔ جگہ چھوڑ دی۔ گرو کے سامنے کوئی کیا بولتا۔

شکتی ان اجنبیوں میں پرائی سرزمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کے خیال میں اپنے گرو اگیا بیتال کے سوا کسی سے مدد لینی جائز نہیں تھی۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں مردہ بدست زندہ۔ بے بس، نہ لڑنے کی قوت نہ بولنے کا یارا جادوگر نے آکر سب سے پہلے اس کے زخموں کو نہایت توجہ اور اطمینان سے دیکھا ایک ایک عضو کو دبا دبا کر ٹٹولا۔ شکتی نے سخت تکلیف محسوس کرنے کے باوجود ضبط سے کام لیا۔ اف تک نہ کی۔ اب بھگت جی نے سیدھے کھڑے ہو کر بد روح کا اثر باطل کرنے کے لئے کچھ منتر پڑھے۔ جلتے ہوئے کوئلے چاروں طرف پھینکے زخمی کے گرد اگرد آگ کا ایک چکر بنا گویا حصار کھینچا کہ ستانے والی شیطانی روحیں نہ آنے پائیں۔ شکتی کے زخموں پر چھو چھا کی۔ اس لئے کہ سانس روح کا ایک حصہ ہے۔ خفنا کسی کا سانس پاکیزہ ہوگا اتنی ہی اس کی تاثیر اچھی ہوگی پھونکو میں بیماروں کے تندرست کرنے کی ان کے نزدیک دوا سے کہیں بڑھ کر خاصیت تھی اور اور بڑی خلل کا تو جھاڑ پھونک کے سوا دوسرا علاج ہی نہ تھا۔ پھونکا پھانکی ہو چکی تو کسی جانور کی ہڈی کی نلی میں سے مرہم جیسی کوئی چیز نکالی اور شکتی کے زخموں پر لگائی۔ پھر کچھ پڑھا۔ ہاتھوں سے اشارے کئے اور اپنے تنبو میں چلا گیا۔

مرگ آسنی قبیلہ اس طرف کے سب قبیلوں کی نسبت زیادہ مہذب اور اپنی معاشرت میں ترقی یافتہ تھا۔ یہ لوگ غاروں سے نکل آئے تھے۔ کھالوں کو جوڑ جاڑ کر تنبو، ٹیاں اور درختوں کی شاخوں، گھاس پھونس سے جھونپڑیاں بنے

لگی تھیں۔ ان سب کی شکلیں ایسی جھاڑیوں یا ریت کے ٹیلوں جیسی ہوتی جو اوپر سے سکڑے اور نیچے سے پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ دو تین کھالوں کو آپس میں جوڑ کر ایک لکڑی کے سہارے کھڑا کر دیتے۔ جیسے ادھ کھلی چھتری چھپریاں بھی اسی طرح چھا لیتے۔ بیچ میں لکڑی کھڑی کی۔ دو چار شاخیں اس کے چاروں طرف گاڑیں اوپر ٹہنیاں رکھ دیں۔ بڑے بڑے پتوں پر گھاس پھیلا دی

گروگے چلے جاتے ہی بن باسی دیوی سکھی کو اپنے تنبو میں لے گئی اور موٹی نرم کھال کے بستر پر لٹا دیا۔ رات آئی۔ اندھیرا چھانے لگا۔ قبیلے والے کھانے پینے سے فرصت پا کر آگ کے گرد آ بیٹھے جو سکھی والے تنبو کے سامنے جل رہی تھی۔ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر اٹھ اٹھ کر اپنی اپنی تنبوٹیوں میں سونے کے لئے ایک ایک دو دو کر کے اٹھ گئے۔ صرف ایک شخص الاؤ کے پاس بیٹھا رہا جو عام دستور کے مطابق رات بھر آگ کی دیکھ بھال رکھتا سارے قبیلے کا پہرا دیتا۔ اس وقت بڑی چوکیداری درندوں کی تھی اور آگ کے سوا وہ کسی سے ڈرتے نہیں تھے۔ اس لئے اندھیرا ہوتے ہی الاؤ لگا دیے جلتے اور صبح تک اس کے شعلے آنکھیں چمکا چمکا کر جنگلی جانوروں کو بھگاتے رہتے۔

اس قبیلے والوں کی زندگی پہلے اور دوسرے درجہ سے نکل چکی تھی کھالوں یا پتوں کو جسم پر درست کرنے کے لئے کانٹوں اور باریک باریک ہڈیوں سے کام لینے لگے تھے۔ تنبو تنے ہوئے تو آپ نے دیکھ ہی لئے۔ اندر ہر ایک میں چربی کا چراغ جلتا تھا جس سے جی بھی نہ گھبراتا روشنی بھی رہتی اور گرم بھی رہتے۔ کھالیں روئیں دار لگدی بھی پڑی تھیں جن سے بستروں کا کام لیا جاتا۔ چنانچہ سب آہستہ آہستہ اپنی اپنی تنبوٹیوں کے اندر گھس کر لیٹ گئے

نیند آنے میں کیا دیر تھی۔ اسے کروٹیں لے لے کر بلانا اور خوشامدیں کرنا تو تمدن کے متوالوں کی بدنصیبی ہے۔ ان کے پاس کونسی الجھنیں تھیں لیٹتے ہی آنکھیں بند ہو گئیں۔ خراٹے لینے لگے۔

سُورج کے پجاری

شجر حجر، چہچہانے والے پرندے، چرندے سب سو رہے تھے۔ جاگ رہے تھے تو صرف جنگلی درندے۔ الّو، بڑ، ہاگرڈ وغیرہ جو رات کے اندھیرے میں سونے والے معصوم جانوروں کی تاک میں پھرا کرتے ہیں۔ یا ایک تنکی بستر پہ پڑا کراہ رہا تھا۔ زخموں کی تکلیف اور قیدی بننے کے خیال میں اسے نیند کیوں کر آتی۔ صبح تک پلک سے پلک نہیں جھپکی۔ پو پھٹتے ہی آس پاس سے جو خزانوں کی آوازیں آ رہی تھیں موقوف ہو گئیں۔ جنگل کا سناٹا۔ پرندوں کی نغمہ سرائیوں سے بدلنے لگا۔ پہاڑی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوئیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آ رہی تھیں۔ کائنات میں جاگ ہوتے ہی قبیلے والے بھی اپنے بچھونوں پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تڑپ تڑپ کر سونا اور پھڑک پھڑک کر اٹھنا مصنوعی زندگی کی بیماری ہے۔ قدرت کی گود میں پلے ہوئے آزاد بندے اس مصیبت کو کیا جانیں۔ سوئے سو گئے۔ جاگے جاگ اٹھے۔ نہ جاگنے کے وقت انہیں نیند آتی ہے، نہ نیند کے وقت وہ جاگ سکتے ہیں۔ سورج ابھی نکلا نہیں تھا کہ اس قبیلے کے تنبوؤں میں بستر لپیٹنے شروع ہو گئے۔ تاروں کی چھاؤں سب اپنی اپنی کھالیں اوڑھ لپیٹ ہتھیاروں سے لیس ہو، تنبوؤں، چھپروں کے باہر نکل آئے۔

مرگ آسی قبیلے والے اوران کی حرکات وسکنات تنکتی کے لئے کسی قدر اجنبی تھیں۔ وہ خیمہ کے ایک کونے میں پڑا ہوا ان لوگوں کی نامانوس نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں ہزاروں وسوسے آرہے تھے۔ کبھی سوچتا کہ جب میں اپنے غار میں نہ پہنچا ہوں گا تو قبیلے والوں کو کیا خیال ہوا ہوگا۔ وہ ضرور انتظار کرنے کے بعد میری تلاش میں مارے مارے پھرے ہوں گے۔ انھیں کیا خبر کہ میں کہاں ہوں۔ مجھ پر کیا بیتی ہے؟ کبھی سوچتا کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے؟ مجھے چھڑانے یہاں کون آئے گا۔ کوئی آئے کس طرح؟ ان سے جا کر کہے کون؟ اسی طرح کی اپنے دل سے باتیں کرتے کرتے اس کی نظر چراغ پر پڑی جو آپ ہی آپ بجھ چکا تھا۔ دن کی دھیمی دھیمی روشنی بڑھ کر اندر آنے لگی تھی۔ سورج کی سنہری کرنیں اونچے اونچے درختوں کی پھننگوں پر چمکتی ہوئی دکھائی دیں۔ کھلے ہوئے آسمان کے نیچے اپنے غار کے باہر اپنی برادری والوں کے جھرمٹ میں صبح کی تازی ہوائیں کھانا یاد آیا۔ بے چین ہو کر ٹھنڈا سانس لیا اور خیالات کا رخ بدلنے کی غرض سے آنکھیں بند کر لیں۔

تنکتی کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے تصور میں مایوسی ہر لمحہ نیا منظر پیش کرتی اور مٹا دیتی کہ یکایک تنبو کے آگے کا پردہ کسی نے ڈال دیا۔ اندھیرا گھپ ہو گیا۔ اس اندھیرے میں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل کسی کے اندر آنے کی سرسراہٹ سی معلوم ہوئی۔ تنکتی نے کچھ خیال نہ کیا۔ اتنے میں ایک نرم ہاتھ اسے چھوتا معلوم ہوا۔ گھبرا کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا تو بن باسی دیوی پہلو میں بیٹھی ہے۔ ہاتھ میں ایک لکڑی کا پیالہ لئے ہوئے جس میں ابلے ہوئے گوشت کے دو ٹکڑے ہیں۔ عام قبائلی رواج کے برخلاف مرگ آسی والے گوشت

کہ فقط آگ پر بھون جلس کر ہی نہیں کھاتے تھے۔ کبھی کبھی اسے سریع الہضم بنانے کے لئے پانی میں ابال بھی لیتے۔ ان کا گرو بیماروں کو بھی یہی غذا دیتا۔ بلکہ زیادہ کمزور مریضوں کو صرف اس کا پانی پلاتا۔ نمک بھی ان کے ہاتھ آ گیا تھا اور اب یہ عموماً گوشت کے نوالوں کے ساتھ نمک نامی ایک سفید پتھر جیسی کسی شے کو بھی چاٹتے جاتے تھے۔

بن باسی دیوی نے گوشت کا پیالہ شکتی کے سامنے رکھا اور کہا "اسے کھالو۔" شکتی نے اس شکل میں کھانا کب دیکھا تھا۔ وہ عورت کو بری نگاہوں سے گھورنے لگا۔

بن باسی دیوی۔ "بہت کمزور ہو۔ کچھ کھانا چاہیئے۔"
شکتی۔ "کیا کھاؤں؟"
بن باسی دیوی (اشارہ کرکے) "یہ ماسی!"
شکتی۔ "ماسی کیا؟ (پیالے کو سونگھ کر) یہ تو کوئی بہت بری چیز ہے۔"

بن باسی دیوی مسکرائی۔ اس نے بتایا کہ گوشت کو کس طرح ابال کر ماسی بناتے ہیں اور کہا کہ یہ بری نہیں بلکہ بہت اچھی چیز ہے۔ چکھ کر دیکھو۔"
شکتی۔ "(مشکوک نظروں سے دیکھ کر) "میں اسے نہیں کھاؤں گا۔"

عورت سمجھ گئی کہ اسے زہر کا شبہ ہے۔ حالانکہ ان لوگوں میں لڑائی وغیرہ کے ہتھیاروں کو زہروں میں بجھایا کرتے تھے۔ اس طرح چھپا کر زہر دینا یا دغا سے کسی کو مارنا انتہائی بزدلی تھی۔ تاہم اس وقت اسے مردی و نامردی کی بحث میں پڑنا نہیں تھا۔ اس نے شکتی کا شک رفع کرنے کے لئے گوشت کا ایک نوالہ اٹھا کر کھایا اور گھونٹ بھر شوربا پی لیا۔

بن باسی دیوی۔ "(ہنس کر) "کیا اب بھی تم بدگمانی کروگے؟"

شکتی کی نظروں میں اس وقت یہ عورت واقعی دیوی تھی۔ وہ کہنی کے سہارے تھرتھراتا ہوا اٹھ بیٹھا اور بے تال گوشت کے ٹکڑے کھا کر پیالے کا پانی جسے یخنی کہنا چاہیئے پی گیا۔ اس ابلے ہوئے گوشت میں ذرا سا نمک بھی ڈالا گیا تھا۔ شکتی کو ایک نئی طرح کا مزہ آیا۔ اس سلسلہ میں باتیں شروع ہوگئیں اور کوئی دس بارہ منٹ تک دونوں باتیں کرتے رہے پھر بن باسی دیوی نے شکتی کی پیٹھ، شانوں اور رانوں کے زخم دیکھے جن پر انگور بندھ آئے تھے۔ اور اطمینان کے ساتھ کہنے لگی۔ "تم بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے۔"

شکتی:۔ "اچھے ہونے کے بعد میرا کیا ہوگا؟"

بن باسی دیوی:۔ "تم اگر جانا چاہو تو جا سکو گے"

شکتی:۔ "میں اپنے قبیلے میں جا سکوں گا۔"

بن باسی دیوی:۔ "جہاں جی چاہے جانا۔"

شکتی:۔ "مجھے آزادی مل جائے گی۔"

بن باسی دیوی:۔ "کیوں نہیں۔"

شکتی:۔ (کچھ سوچ کر) وہ مجھ سے اس کا بدلہ کیا چاہیں گے؟"

بن باسی دیوی:۔ "وہ کون؟"

شکتی:۔ "تمہارے قبیلے والے!"

بن باسی دیوی:۔ "بدلہ کیا؟"

شکتی:۔ "آخر میری جان چھوڑنے کا کوئی معاوضہ بھی تو ہوگا۔"

ان قبائل میں دستور تھا کہ جب ایک حریف قبیلے کا آدمی دوسرے قبیلے والوں کے ہاتھوں میں جا پڑتا تو وہ اسے اکثر تو جان سے گذار دیتے اور اگر چھوڑتے تو سخت سے سخت شرطوں کے ساتھ بہت بھاری معاوضہ لے کر روپیہ پیسہ

مال مویشی تو تھے نہیں کہ اس کا لین دین ہوتا کسی عورت پر سودا ہوتا۔ یا شکار گاہوں کی تقسیم۔ سنگ چقماق وغیرہ کی بڑی تعداد پر جو ان کے لئے جواہرات سے زیادہ قیمتی تھیں۔ میدان کی دیوی شکتی کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے اپنی مسکراہٹ کو روک کر منہ بنایا اور شک سا ظاہر کرنے کے لئے اپنے کندھے ہلائے۔ شکتی کا گمان یقین سے بدل گیا۔ اسے بن باسی دیوی کے اس طرح صورت بنانے سے یہ نتیجہ نکالنا پڑا اور نکالنا بھی چاہیے تھا کہ آزادی حاصل کرنی آسان نہیں نہ جانے چھٹکارا کتنا مہنگا پڑے اور اس نے دل ہی دل میں اپنی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے معاوضہ کا اندازہ لگانا شروع کیا۔

بن باسی دیوی اس کے پاس خاموش بیٹھی تھی۔ شکتی ایک ایک لمحہ کے بعد اس کی طرف دیکھتا اور دم گھونٹ کر رہ جاتا۔ اس کا دل رنج اور شرم کے مارے کھسیانا ہوا جاتا تھا۔ ایسی بے بسی کی حالت میں اگر مردوں کی آنکھیں رونا جانتیں تو وہ ضرور روتا۔ آزاد قبیلے کے سردار کا بیٹا۔ جیت شکاری اس طرح مجبور بے یار و مددگار۔ ایک عورت کی حراست میں۔ مرگ آسینوں نے اس کے ہتھیار لے لئے تھے۔ حالانکہ کسی بہادر کے ہتھیار صرف موت چھین سکتی ہے جیتے جی ان کا بدن سے علیحدہ ہونا مرد کی توہین تھی۔ ہر شکاری تمام دن ہتھیار بند رہتا رات کو بھی انھیں اتنے قریب رکھ کر سوتا کہ جب چاہے ہاتھ بڑھا کر اٹھا سکے شکتی کو بڑا صدمہ تھا۔ عورت جس کا قبیلے میں شمار نہیں وہ تو پانچوں ہتھیاروں سے مسلح ہے۔ بارہ سنگھے کے سینگ کا شاندار خنجر جس کے دستے پر بھاگتے ہوئے ہرن کی شکل کندہ تھی پیٹی میں لگا ہوا۔ جادو کا ڈنڈا کمان کے پاس لٹک رہا تھا بغل کے قریب تیروں سے بھرا ترکش اور شکتی تھا۔ اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور اس کے چہرہ کے بدلتے ہوئے رنگ بتا رہے تھے کہ وہ کیسے کیسے جذبات

سے مقابلہ کر رہا ہے اور اسے کس کس طرح کے خیالات ستا رہے ہیں۔

یہ عورت غیر معمولی شان کی عورت تھی۔ مردوں نے جسے اپنا سردار بنایا ہو اس میں کوئی خاص بات ہونی بھی چاہیئے۔ اس نے تشکتی کی مایوس نگاہوں سے اس کے جذبات کا پتہ لگا لیا اور بلا تامل کرسے اپنا خنجر کھینچ کر تشکتی کو دے دیا خنجر دیتے اور لیتے وقت جو دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو تشکتی کو حیرت ہوگئی کہ اس عورت نے کتنی جلدی اس کے خیالات کو تاڑ لیا۔ اسے بہت شرم آئی۔ گویا ایک عورت نے مرد کو جھپا دیا۔ بہادر مردوں سے بھی زیادہ بہادر نکلی۔ لیکن وہ سنبھلا۔ خنجر ہاتھ میں لے کر ایک ہتھیاروں کے جوہری کی طرح اس پر نظر ڈالی۔ اس کی دھار، نوک، اور آب و تاب کو دیکھا، دستے کی نقاشی کی تعریف کی اور یہ کہہ کر بن باسی دیوی کو واپس دیدیا۔ "اگر تمہارا ہاتھ سدھا ہوا ہے تو یہ خنجر لاجواب ہے۔"

بن باسی دیوی :۔ "(مسکراتے ہوئے) میں اسے استعمال کر چکی ہوں صرف ایک مرتبہ اپنی حفاظت میں اور سب جانتے ہیں کہ اس نے میرے ساتھ بیوفائی کی نہ میرے ہاتھ نے۔"

تشکتی :۔ "(عورت کو دیکھ کر طنزاً) کیا کسی ریچھ کو مارا تھا؟"

بن باسی دیوی :۔ "تم کو اپنی ریچھنی یاد آگئی۔ ہم ایسے جنگلی جانوروں پر خنجر نہیں چلاتے۔ تیروں سے مار لیتے ہیں۔"

تشکتی :۔ "پھر کس سے اپنی حفاظت کی تھی؟"

بن باسی دیوی :۔ "ایک آدمی سے جس نے مجھ کو ایک عورت سمجھ کر بے عزت کرنا چاہا تھا۔ اتنا سننا تھا کہ دھیان کی قوت نے ایک ایسا سماں تشکتی کی آنکھوں کے سامنے باندھ دیا۔ کہ جس میں کوئی عصمت والی عورت

ایک خوددار قبیلے کی بیٹی اپنے ناموس اور اپنے خاندان کی عزت بچانے کے لئے شیرنی بن جاتی ہے اور اپنی بے آبروئی کا بدلہ جان لئے بغیر نہیں چھوڑتی متمدن دنیا نے عورتوں سے عورتوں کے قویٰ مضمحل کر دئیے ہیں اس زمانے میں ان کی نشو دنما بھی مردوں کے ساتھ ہوتی تھی اس لئے وہ مقابلہ بھی مردانہ وار کرتی تھیں۔

جس وقت بن باسی دیوی اور شکتی کی گرم دستر دنگا ہیں آپس میں ملی ہیں تو وہ اچھلنے کے ساتھ اس کی تعظیم کے لئے جھکے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے دیوی کی صورت سے خوف بھی معلوم ہو رہا تھا اور دل میں محبت بھی پیدا ہو رہی تھی دیوی دیر تک شکتی کے اندرونی جذبات کا بغور مطالعہ کیا کی اس کے چہرے کے سارے اتار چڑھاؤ اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ شکتی کے تمام خیالات پر خوف غالب ہے۔ اس لئے وہ یقین دلاتے ہوئے بولی" تم کو کسی قسم کا خوف کرنا نہیں چاہیئے۔ ہم تمہیں وہیں میدان میں جہاں تم کو دیکھا تھا چھوڑ سکتے تھے۔ لیکن ہم نے نہیں چاہا کہ ایک بہادر آدمی بیکسی سے تڑپ تڑپ کر جان دے۔ ہم تمہیں اٹھا لائے۔ تمہیں پناہ دی تمہاری مرہم پٹی کی۔ تم ہمارے ہاں سوئے۔ کھانا کھایا۔ اب تم ہمارے مہمان ہو۔ ہمارا تمبو تمہارا گھر ہے اور یہ سارا قبیلہ تمہارے دوستوں سے بھرا ہوا۔ تم ڈرو نہیں۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

شکتی:۔ " لیکن وہ شخص کون تھا جس پہ تمہارا خنجر چلا ۔"

بن باسی دیوی:۔ " تم اس کا حال سننا چاہتے ہو ؟ "

شکتی:۔ " ہاں "

بن باسی دیوی:۔ " (مسکرا کر) اچھا سنو! جس آدمی کو میں نے اس خنجر سے مارا

وہ ایک طاقتور سردار تھا اور میں صرف ایک کمزور کم عمر لڑکی۔ ہمارا قبیلہ یہاں سے بہت دور مشرق میں بستا تھا۔ ہمارے بوڑھے کہتے تھے کہ نہ جانے کتنے موسم گزرے ان کے باپوں کے باپ اپنی جگہ چھوڑ کر نکلے بڑے بڑے میدان طے کئے، اونچے پہاڑوں پر چڑھے اور اترے معلوم نہیں کہاں کہاں بسیرے لئے۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ شام کے وقت سورج زمین کے نیچے ڈوب کہاں چلا جاتا ہے۔ مدتوں آوارہ و پریشان پھرے لیکن یہی کھوج نہ ملا۔ ان کا قاعدہ تھا کہ جب کہیں دو چار فصلیں گزارنے کو ٹھہرتے ایسا مقام تلاش کرتے جو کسی پہاڑ کا دامن ہو یا دریا کا کنارہ۔ جہاں سیر و شکار، ہر طرح کا آرام ملے۔ تاہم دو چار مرتبہ ایسے بڑے اتھاہ دریا کے پاس بھی ٹھہرنا پڑا جس کا اور نظر آتا تھا نہ چھور۔ پانی کڑوا اور بے بہے سدا حرکت میں رہتا اور ایسا غل مچا رہتا جیسے خزاں میں بجار ڈکرا ڈکرا کر لڑا کرتے ہیں۔

شکتی :۔ ایسا پانی میں بھی دیکھ چکا ہوں۔ بہت دن ہوئے۔ ایک دفعہ ہمارا قبیلہ یہاں سے اکتا کر پہاڑوں کے اس طرف نکل گیا تھا۔ کالا کالا پانی دور سے دکھائی دیا۔ ایسی آوازیں بھی آ رہی تھیں جیسے آسمان پر بادل گرج رہے ہیں۔ میں جوان نہیں ہوا تھا۔ جو نئی بات دیکھتا ڈر جاتا۔ سمجھا کہ کوئی طوفان آ گیا۔ جو جنگلوں میں درختوں کا ستھراؤ کر دیتا ہے یا روحیں لڑ رہی ہیں۔ جن کی لڑائی ہمارے لئے اچھی نہ تھی۔ قبیلے کا گروجس نے ہم سے بہت زیادہ موسم دیکھے تھے۔ مجھ پر ہنسا وہ ہنسا صرف میرا خوف دور کرنے کو ورنہ میں نے دیکھا کہ سارے قبیلے والوں میں ایسا ایک بھی نہ تھا جو پریشان نہ ہو۔

رات ہم نے اس پانی سے دور گزاری صبح کو کیا دیکھتے ہیں کہ پانی آپ ہی

آپ ہمارے بہت قریب آگیا ہے اور ایک عجیب طرح کے جانور جن کے بازو موجود۔ ٹانگیں ندارد ریت پر بیٹھے نکلتے ہوئے سورج کی کرنوں سے آنکھیں لڑا رہے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ بعض بعض ڈیل ڈول میں خاصے بکار معلوم ہوتے تھے ہم نے غل مچایا تو وہ چونکنے ہو کر اپنے لمبے لمبے سفید دانت چمکاتے چیخیں مارتے پانی کی طرف بھاگے۔ جہاں تک پانی کم تھا چھپ چھپ کی آواز آیا کی۔ پھر ڈبکیاں لگا کر غائب ہو گئے۔

بن باسی دیوی نے: سچ کہتے ہو۔ میں نے ان جانوروں کو دیکھا تو نہیں ہاں ذکر تو سنا ہے۔ اس عجیب مخلوق کو ہمارے ہاں دیوتا مانتے ہیں ہماری اور روحوں کی دنیا کے بیچ میں جو کھائی ہے اسے صرف یہی پھلانگ سکتے ہیں۔ انھیں یہ بھی خبر ہے کہ رات کو سورج بھگوان کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ ہمارا قبیلہ سورج بھگوان کی پوجا کرتا ہے جو ہمیں روشنی اور گرمی پہنچاتے ہیں سارے پھل پھول اور ہر چیز کا رنگ روپ ان ہی کی مایا ہے۔ کیا تم بھگوان کی مورتی دیکھنا چاہتے ہو؟ یہ کہتے ہوئے بن باسی دیوی نے کسی چیز کا ایک گول گول گتا سا تکتی کو دیکھنے کے لئے دیا۔ اس پر ایک قسم کا چہرہ کھدا ہوا تھا جو نہ انسان کا معلوم ہوتا تھا نہ حیوان کا۔ گرداگرد لکیریں کھنچی ہوئی۔ یہ سورج بھگوان کی مورتی تھی اور لکیریں اس کی کرنیں۔ بیچ میں سوراخ تھا۔ ایک مہین سی آنت گلے میں لٹکانے کے لئے پروئی ہوئی۔ تکتی نے دیکھتے ہی پہچان لیا اس کی کہانیاں اس نے اپنے گرو سے سنی تھیں یہ نقش خاص طور پر اس وقت بنایا جاتا جب کہ دن رات برابر ہوتے اور اس کے اثرات بہت بڑے مانے جاتے تھے۔

جہاں دونوں لاشیں پڑی تھیں۔ بات یہ ہوئی تھی کہ ہمارے قبیلے کے سردار اور میرے باپ نے یہ سمجھ کر کہ دشمن یہاں کہاں سے آئے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں ایک پہاڑی بکرے کا تعاقب کیا۔ انھوں نے ضرور تیر یا بھالے سے اس کو زخمی کیا ہوگا۔ کیونکہ زمین پر دور تک خون کی بوندیں پڑی ہوئی ملیں۔ لیکن سانسی قبیلے والے ٹھہرے چور۔ وہ ہمارے ساتھ لگے چلے آ رہے تھے۔ نہ جانے انھیں ہم سے کیا عداوت ہوگئی تھی۔ سردار اور میرا باپ دونوں اپنی دھن میں۔ ہر طرف سے بے خبر۔ اچانک پیچھے سے سانسیوں نے ان پر حملہ کر دیا جو ایک چٹان کے پیچھے جھاڑیوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ سردار کا سر پتھروں سے کچلا ہوا تھا اور میرے باپ کا سارا بدن تیروں سے چھلنی۔ دونوں کو ایک ساتھ مار کر ان کے ہتھیار ان کا لباس ان کی ہیکلیاں سب لے بھاگے۔

لاشوں کا دیکھنا تھا کہ ہمارے کلیجے منہ کو آگئے۔ قبیلے والوں نے چیخ چیخ کر ساری وادی کو سر پر اٹھا لیا۔ یہ سوچنے کا بھی کسی کو ہوش نہیں تھا کہ اس سراسیمگی میں اگر دشمن آ گئے تو کیا ہوگا۔ رنج و غم میں کچھ اچھا برا نہیں سوجھتا۔ اپنے مردوں کے مقابلے میں اس وقت کسی کے خیال میں سانسی نہیں تھے۔ قبیلے کے دو چار بڑے بوڑھوں نے مشکل نوجوانوں کو سنبھالا۔ لاشیں اٹھائیں اور ماتم کرتے اس کھڈ تک لائے جہاں ہمارا قبیلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ گرو نے کہا "ہمیں اپنے سردار کے کریا کرم تک یہیں رہنا چاہیے۔ کچھ روحیں ہم سے روٹھ گئی ہیں۔ ان کو منائے بغیر آگے چلنا اچھا نہیں۔"

اس نے اپنا ڈھول بجانا شروع کیا۔ مردوں کو نئی کھالوں میں لپیٹا۔ لڑائی کے گیت گائے جانے لگے۔ سب مل کر مقدس ناچ ناچے۔ مردوں کا کھانا کھایا پھر گہرے گہرے گڑھے کھود کر لاشوں کو دبایا اور اوپر سے چوڑے چوڑے پتھر

رکھ دیے اور قبیلے والوں نے اپنے جسموں پر سرخ مٹی مل کر ماتم کی رسمیں ختم کیں۔ کچھ عرصہ تک ہمارا قبیلہ اسی کھڈ میں رہا۔ غاروں کے اندر سوتے۔ آس پاس شکار بھی کرتے چشمے کا پانی خراب ہو گیا تھا۔ قریب ہی ایک ندی تھی عورتیں وہاں پانی بھرنے جاتیں تو ایک آدمی ضرور ان کے ساتھ جاتا اور دیکھ بھال رکھتا۔

سردار مر چکا تھا۔ گرو اس کی جگہ کام کرتا۔ لیکن ایک سنت جس کا پیشہ جادو ٹونا کرنا۔ جنتر منتر اور روحوں سے بات چیت کرنا ہے قبیلے کی رہنمائی کیسے کر سکتا۔ روزمرہ کی زندگی میں اپنے ساتھیوں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا ان کو سلیقے کے ساتھ لے کر چلنا۔ ٹھہرنے کی جگہ کا انتظام۔ لڑائی کے وقت لڑنے کی ترکیبیں بتانا بیچارہ گرو کیا سمجھتا۔ اسے بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ غرض کیا کرے کیا نہ کرے یہ ساری باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ جب ہم میں آکر بیٹھتا اپنی ایک ہی کہتا۔ کہتا تھا کہ مردوں کا بدلہ ضرور لینا چاہیئے روحوں کو شانتی ہونے کے بعد ہم اپنا آئندہ کا بیتا کر سکتے ہیں۔ شکار بھی ہمیں بہت ملے گا اور سورج بھگوان بھی خوش ہو کر ہمیں راستہ دکھائیں گے۔

گرو کے دماغ کی جھولی میں ان باتوں کے سوا اور کیا رکھا تھا۔ وہ اسی طرح وقت گزارا کرتا۔ غالباً وہ اپنی سمجھ کے موافق کسی ایسی گھڑی کا انتظار کیا کرتا تاکہ خود بخود ہمارے قبیلے کی بہتری کی ہو۔ لیکن ہم لوگ سخت پریشان تھے۔ ایسی مصیبت پھر کبھی میں نے نہیں دیکھی۔ شکاری خوف کے مارے دور جا کر شکار نہیں کھیل سکتے تھے۔ غاروں میں پڑے پڑے برا حال۔ تم سوچو تو سہی ایک آزاد قبیلہ جو غاروں سے نکل کر میدان میں رہنے کا عادی ہو گیا ہو۔ اس طرح گندے غاروں کے اندر قیدیوں کی طرح گھسا پڑا رہے

ایک دن دو دن ہوں تو خیر گزار لے۔ شکار روزانہ بھٹوں کے منہ پر کہاں سے آئے۔ ساتھ کا سوکھا ہوا گوشت کب تک چلتا۔ نوبت یہ پہنچی کہ چوہے اور گھونگھے کھانے لگے۔ پیٹ کی آگ تو کسی طرح بجھتی۔

ہماری اس گت کو دیکھ کر آخر سورج بھگوان کے دل میں ترس آیا اور انھوں نے ہمارے اچھے دنوں کو بلا وا دیا۔ ہوا یوں کہ پانی لانے کی میری باری آئی۔ میں نے ندی پر جانے کے لئے بکری کی کھال کندھے پر رکھی اور پانی بھرنے چلی۔ قبیلے کا ایک بانکا جوان میرے ساتھ ہوا۔ میں پکھال لادے ہوئے تھی اور وہ بائیں ہاتھ میں ڈھال سنبھالے، دائیں ہاتھ میں برچھی لئے اِدھر ادھر نظریں ڈالتا چپ چاپ میرے سنگ ندی کے کنارے پہنچ کر وہ پانی سے کوئی پانچ قدم ادھر ایک ابھری ہوئی چٹان پر بیٹھ گیا۔ میں آگے بڑھکر ٹخنوں ٹخنوں ندی میں اتری اور پکھال پانی میں ڈال دی۔ پکھال سہج سہج بھر رہی تھی۔ میں نے اس کا دہانہ پکڑ رکھا تھا۔ آنکھیں پکھال اور پانی کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ فرّاٹے بھرتی ہوئی کوئی چیز میرے سر کے اوپر سے گزری میں چونک پڑی دیکھا تو تیر تھا جو مجھ سے پندرہ قدم آگے پانی میں گر کر ڈوب گیا۔ اتنے میں اپنے ساتھی کی آواز سنائی دی۔ ایسی آواز جیسی لڑائی کے لئے اپنے قبیلے والوں کو بلانے کی .... آنکھ اٹھا کر دیکھا تو سانسیا کے دو آدمی اس اکیلے کو گھیرے ہوئے ہیں۔

ان میں ایک لگڑ بگڑ سانسیوں کا سردار تھا اور دوسرا ان کے قبیلے کا سب سے بڑا شکاری۔ یہ دونوں دیو کے دیو تھے ایسے خوفناک کہ صورت سے بچے ڈر جائیں میری جس وقت نظر پڑی ہے تو لگڑ بگڑ اپنی ترنگی ڈھال کی اوٹ میں بھالا تانے بڑھا ہی تھا کہ ہمارے نوجوان کی برچھی چلی۔ ہاتھ پڑا تو جیا

ہوا۔ لیکن کہاں وہ گینڈا کا گینڈا۔ کہاں یہ بچھڑا۔ اس نے اپنی ڈھال پر برچھی کا وار ایسی آسانی روک دیا جیسے کوئی بچوں کو کھلائے اور دوسرے وار میں ادھیڑ جو ماری تو برچھی کے دو ہو گئے اور انی ٹوٹ کر جھڑ گئی۔ ادھر برچھی ٹوٹی ادھر ڈھال کے تناؤ میں بھی فرق آ گیا۔ ہمارا نوجوان بڑا پھرتیلا تھا۔ برچھی پھینک اس نے ڈنڈا سنبھالا اور لگڑ بگڑ کو دم لینے کی فرصت نہ دی وہ اس کے وار اپنی جھوجھری ڈھال پر روکتا جاتا اور گالیاں دیتا جاتا۔

ہمارے قبیلے والوں نے اپنے آدمی کی آواز نہیں سنی۔ اس وقت تک مدد کو نہیں آیا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا کروں۔ لگڑ بگڑ کے ساتھ اس کے قبیلے کے کئی آدمی تھے۔ جب ہمارے نوجوان کو آسانی سے بس میں آتے نہ دیکھا تو ایک دوسرے شکاری نے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ یہ جھپکا اور جھپکتے ہی کام تمام ہو گیا۔ لگڑ بگڑ نے ایسا زور سے بھالا مارا کہ اس کی انی سینہ چھید کر کمر کی ہڈی توڑتی ہوئی پار ہو گئی۔

میرے ہاتھ سے مشک کا دہانہ چھوٹ گیا۔ ہراس ہو کر غصہ میں ایسی چلائی کہ ہمارے قبیلے والوں نے سن لیا۔ وہ میری آواز پر دوڑے۔ سانیوں نے جو انہیں برچھیاں اوپر کو اٹھائے آتے دیکھا تو سردار اور میرے باپ کو بے لوٹے کھسوٹے یونہی چھوڑ کر بے تحاشا بھاگے۔ چوروں کے پاؤں کہاں۔ بھاگتے بھاگتے لگڑ بگڑ کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ ٹھٹھا لگا کر پلٹا اور چھلانگیں مارتا میرے پاس آیا۔ جیسے چیل جھپٹا مارتی ہے۔ آتے ہی مجھے دبوچ لیا۔ اس میں بھوتوں کی سی طاقت تھی اور میں سہمی ہوئی گود میں اٹھا کر بھاگا۔ میں نے ہاتھوں اور دانتوں سے بہتیرا نوچا لیکن اس پر کیا اثر ہوتا وہ ادھر نہیں آیا جدھر میرے قبیلے والے آ رہے تھے ندی کے اس طرف چلا اور لمبی لمبی ڈگیں بھر کے پار ہو گیا۔ میں اس

کے پنجے سے چھوٹنے کے لئے برابر ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اس کشمکش میں سورج بھگوان کی دیا ایسی ہوئی کہ میرا ہاتھ اس کی کمر میں لگے ہوئے خنجر پر جا پڑا۔ اب کیا تھا میں نے پھرتی سے خنجر کھینچ کر اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس کے حلقوم میں گھسیڑ دیا۔

خون کا فوارہ اچھل کر میرے منہ پر آیا۔ وہ چلایا۔ اس کے بازو ڈھیلے ہو گئے میں اس کی گرفت سے نکل کر گر پڑی۔ اٹھنا چاہتی تھی کہ اس نے لڑکھڑاتے ہوئے میرے ایک ایسی لات ماری کہ میں لڑکنیاں کھا گئی۔ ساتھ ہی وہ بھی پہاڑ کی طرح گرا۔ اس کا گرنا تھا کہ میں سنبھل کر اٹھی اور خنجر کا دوسرا وار اس کی چھاتی پر کیا۔ یہ ایسا بھرپور وار ہوا کہ آن کی آن میں وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اب میں بالکل نڈر تھی انتقام کی آگ بجھ گئی۔ اس نے میرے قبیلے کے آدمی مارے۔ میں نے اسے مار ڈالا۔ اس وقت کوئی میری کیفیت دیکھتا۔ فتح کے جوش نے مجھے مدہوش کر دیا تھا۔

مجھے دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھ کر اور میری چیخیں سن کر میرے قبیلے والے بھی ندی کو پار کر کے آ پہنچے تھے۔ سالسنوں کا قبیلہ بھی پاس ہی تھا انھوں نے جو دور سے اپنے سردار کی یہ درگت دیکھی وہ بھی لڑنے پر آمادہ نکل آئے وہ ابھی دور ہی تھے کہ ہمارے قبیلے والوں نے تیروں کی زد پر رکھ لیا۔ پاس آئے تو پتھروں اور برچھیوں سے خبر لی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کئی زخمی سسکتے ہوئے چھوڑ کر تتر بتر ہو بھاگ گئے۔ میں نے انتقام لینے اور لڑائی جیتنے کی خوشی میں اپنے منہ اور ہاتھوں کو خوب رنگا۔ زخمی دشمن کے خون سے تم جانتے ہو کہ رنگ بڑھ کر خوشنما ہو سکتا ہے۔ میں نے لگر تگر کے ہار جو خون سے سرخ ہو گئے تھے اتار لئے۔ اس کے ہتھیاروں پر بھی قبضہ کیا اور انھیں اپنے بدن پر سجا کر اپنے قبیلے کی ہمت بڑھانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

سانسیوں نے دم لے لے کے کئی دفعہ کوشش کی کہ اپنے زخمیوں کو کھینچ کر لے جائیں مگر جب وہ گھات لگاتے ہوئے آتے ہماری طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہوتی اور انھیں بھاگنے کے سوا کچھ نہ بنتی۔ آخر ہار کر چل دئے۔ ہمارے آدمیوں کا پورا بدلہ ہو گیا۔ چار انھوں نے ہمارے مارے تھے۔ چار ہم نے ان کے مار لئے۔ انھوں نے چوری سے مارا تھا ہم نے کھلے میدان میں بہادری سے مارا۔ ہمارا قبیلہ دشمنوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتا۔ کسی کا مردہ ہو ہم اس کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن ان سانسیوں نے ہمارا دل ایسا دکھایا تھا کہ ہمیں ان کے مردوں پر بھی رحم نہیں آیا۔ ہم نے چاروں لاشیں چرنگی کرکے ندی میں پھینک دیں۔

میری بہادری کی قبیلے والوں میں تعریف ہونے لگی۔ اپنے سردار کے بدلے سانسیوں کے سردار کو مارنے کا سہرا میرے سر تھا۔ مجھے سب نے اپنا نجات دلانے والا مانا۔ گرو نے اپنے قول کے مطابق اعلان کر دیا کہ روحوں کا فیصلہ اٹل ہے۔ آج سے بن باسی دیوی مرگ آسنی قبیلے کی سردار مانی جائے۔ سارے مرد مجھ سے خوش تھے۔ کون انکار کرتا۔ پھر گرو کا حکم۔ سورج بھگوان کی آگیا۔ چنانچہ میں اگرچہ ایک عورت تھی تاہم جیہ داری کے سبب اور اپنے قبیلے کی حمایت لینے سے سردار بنالی گئی۔ اس وقت سے آج تک کئی موسم بہار گزر گئے میں اس قبیلے کی سردار ہوں اور اس کی قسمتیں میرے ہاتھ میں ہیں۔

شکتی بڑے اچنبے کے ساتھ بن باسی دیوی کی کہانی سن رہا تھا۔ جب لڑائی کا ذکر آیا تو اس کے دل کی حرکت تیز ہو گئی۔ سانس جلدی جلدی چلنے لگا کاش وہ بھی اس لڑائی میں شریک ہوتا اور اس بہادر عورت کو اپنی بہادری دکھاتا لیکن اس وقت تو یہ باتیں خیالی تصویریں تھیں۔ حسرت اور خوشی دونوں

بے کار خیمے کے اندر یہ کہانی ہو رہی تھی اور باہر قبیلے کے بچے کھیل رہے تھے
ایک لڑکا ریچھ کی کھال پہن کر ریچھ بنا ہے جب کہ شکاری جھوٹ موٹ کے
بھالے لئے اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں چھوٹی لڑکیاں اپنی بے ڈول
گڑیوں کے لئے ننھے ننھے تمبو بنا رہی تھیں۔ کہانی ختم کرنے کے بعد بن باسی
دیوی نے خیمے کا پردہ الٹا اور شکتی نے اس قبیلے کی لڑکیوں لڑکوں کے یہ
عجیب کھیل دیکھے تو بہت تعجب ہوا۔ اس کا اپنا قبیلہ ابھی بالکل جنگلی تھا
اور مرگ آسنی والے خاصی ترقی کر گئے تھے۔

سنگھ جی مہاراج

شکتی ابھی مرگ آسنی قبیلے میں بن باسی دیوی کا مہمان تھا۔ اس کے بدن میں
اتنی جان نہیں آئی تھی کہ اپنی بستی میں جانے کی تدبیر کرتا۔ روزانہ بیٹھا اپنے
حالات اور میزبان قبیلے کے طور طریق دیکھ دیکھ کر حیران ہوا کرتا ایک دن
ایکا ایکی شور ہوا کہ گھوڑوں کا ایک گلہ دکھائی دیا ہے شکاریوں میں عید ہو گئی
ہتھیار سنبھال وہ لیتے ہوئے چلے۔ ان کی تیز آنکھیں چاروں طرف دوڑ رہی
تھیں۔ شکتی بھی اپنے تمبو سے نکل کر قریب کے ایک اونچے ٹیکرے پر ہانپتا
کانپتا جا چڑھا جہاں سے چاروں کھونٹ ہتھیلی کی طرح نظر آتے تھے۔ اس نے
دیکھا کہ گھوڑے اِدھر اُدھر گھومتے گھامتے میدان میں ایک صاف جگہ پھیرے
ہری ہری دوب پر منہ ڈالے ہی تھے کہ نہ جانے کیا ہوا انھوں نے گردنیں
کھینچیں اور کان کھڑے کئے۔

جانوروں کے حواس بڑے تیز ہوتے ہیں اپنے دشمن کی طرف سے

آنے والی ہوا تک انھیں بھڑکا دیتی ہے۔ بکتی ایسی ساری باتیں جانتا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر کہ گھوڑے بڑی بے چینی کے ساتھ نتھنے پھلا اور دمیں ہلا رہے ہیں کانپ اٹھا۔ دل دھک دھک کرنے لگا کیونکہ یہ علامت اچھی نہ تھی کسی بڑے درندے کی بو سونگھے بغیر گھوڑے اتنے خوف زدہ نہیں ہوا کرتے۔ اتنے میں بہت دور سے دہاڑنے کی آواز آئی۔ پھر قریب ہی ایک شیر کی جھلک دکھائی دی۔ جو جھاڑیوں کے پیچھے پیچھے دبکا ہوا گھوڑوں کی طرف آرہا تھا آتے آتے ایک دم اس نے جست لگائی۔ گلہ بچ کر بھاگا شیر جھلا کر اس کے پیچھے چلا۔ گھوڑے کنوتیاں اور دمیں اٹھائے سرپٹ بھاگ رہے تھے ساری پہاڑیاں ان کے سموں کی آواز سے گونج اٹھی تھیں۔ سامنے صنوبر کے درختوں کی آڑ میں پانی کا ایک نالہ تھا۔ سارے گھوڑے تو پھلانگ گئے ایک گھوڑا اتفاق سے جھجک کر رہ گیا۔ شیر تو ان کی گرد کو کیا پہنچتا۔ چند زقندوں کے سوا یہ جانور زیادہ دور نہیں دوڑ سکتا۔ لیکن تقدیر کی بات اسی نالے کے آس پاس صنوبر کے جھنڈ میں شیرنی اپنے بچوں کو لئے بیٹھی تھی اس نے اپنے گلے سے بچھڑے ہوئے گھوڑے کو سنگوا لیا۔ ایک ہی پنجے میں کمر توڑ دی۔

گھوڑوں کا گلہ غائب ہو گیا تھا۔ صرف شیروں کا ایک جوڑا اور دو بچے مردہ گھوڑے کے ارد گرد غرا رہے تھے۔ قبیلے والوں نے خاموشی سے دیکھا بہت عرصہ کے بعد انھوں نے اپنے پڑوس میں سنگھ جی مہاراج کی زیارت کی تھی وہ ڈر گئے کہ اب جنگل میں ہمارے شکار پر یہ نیا بجوگ پڑ گیا اور یہ شیر تو آدمیوں کے بھی استاد تھے۔ کس طرح گھوڑوں کو بھگا کر اس طرف لے گئے جہاں شیرنی چھپی ہوئی تھی۔

اس ڈر سے کہ کہیں شیر یا شیرنی کی نظر آدمیوں پر نہ پڑ جائے وہ آہستہ آہستہ چٹانوں، درختوں کی آڑ لیتے اپنے تمبوؤں میں آگئے۔ تکتی بھی چپکے سے اپنے خیمے کے اندر جا لیٹا۔ تھوڑی دیر کے بعد سارا قبیلہ الاؤ کے گرد جمع ہوا اور دھیمی آواز سے باتیں ہونے لگیں۔ شیروں کو فی الحال شکار دل گیا تھا۔ اس لیے دو چار روز تک کوئی خطرے کی وجہ نہ تھی لیکن ایسا خطرناک پڑوس اچھا نہیں ہوتا۔ سب اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے تکتی نے سنا کہ اس کا نام بار بار لیا جا رہا ہے۔ اسے کر یہ ہوئی۔ اس کی طرف اشارے بھی ہوتے جاتے تھے۔ ان کی بولی تو پوری طرح سمجھتا نہیں تھا۔ ہاں اتنا اسے معلوم ہوا کہ بحث اسی کے متعلق ہے۔

اب گرد بھی اپنے چہرے پر سرخ اور سفید لکیریں ڈالے قبیلے والوں میں آگیا تھا۔ گفتگو میں سب کے سب حصہ لے رہے تھے۔ بن باسی دیکا تکتی کی طرف سے جواب ہی کر رہی تھی۔ لیکن گرد کی حمایت پر سارا قبیلہ وہ اکیلی کیا کرتی۔ آخر فیصلہ ٹھہرا کہ تکتی کو یہاں سے نکال دیا جائے۔ گرد نے اسے بلا کر کہا "اجنبی جوان! اس قبیلے میں تیری موجودگی روحوں کو ناخوش کرتی ہے۔ ہمیں سزا دینے کے لیے انھوں نے یہ بڑی بلیاں بھیج دی ہیں۔ ہم تمہاری خاطر سے روحوں کو ناراض کر کے اپنے قبیلے پر آفت لانا نہیں چاہتے۔ انھیں خوش کرنے کے لیے تمہیں چلا جانا چاہیے۔"

قبیلے والوں کی گرما گرمی اور گھڑی گھڑی بدلتے ہوئے تیوروں سے تکتی یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اسے روحوں کو بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں۔ گرد کا کہنا اس نے سنا تو سہی مگر یقین نہیں آیا۔ وہ دل میں سوچتا تھا کہ کہیں کان دھوکا نہ دے رہے ہوں تاہم اپنے چہرے سے خوف یا حیرانی ظاہر نہ

ہونے دی۔ اسلئے قدموں تنبو میں پہنچا۔ اپنی کھال شکاریوں کی طرح بدن پہ لپیٹی۔ بن باسی دیوی نے اس کی مرمت کر دی تھی۔ پھر بھی ریچھنی کے پنجوں کی کھرچیں اس میں جابجا نظر آتی تھیں۔ اس خیال سے کہ گرو کوئی نیا حکم نہ صادر فرمائے۔ اس کی آواز روحوں کی آواز سمجھی جاتی ہے۔ یا قبیلے والوں ہی کی مت بدل جائے دیوتاؤں کو جیتا خون چٹانے کا ارادہ نہ کریں شکتی نے جانے میں بہت جلدی کی۔ منٹوں میں کمر کس کسا تیار ہو گیا۔

شکتی روانہ ہونے کے ارادہ سے کھڑا صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اس کمزوری کی حالت میں اتنا لمبا اور تن تنہا سفر بے ہتھیار کس طرح طے ہو گیا کہ بن باسی دیوی آئی اور کہنے لگے: "شکتی! بہادر ہیشیا! کیا تم اسی طرح بے ہتھیار اپنے گھر سے نکلے تھے؟"

شکتی: "نہیں۔ مگر مجبور ہوں۔ بے لڑے مجھ سے ہتھیار چھن گئے۔ میں کسی سے ہارا نہیں۔ میں نے ریچھ کو مارا۔ زخمی ہوا اور بس۔"

بن باسی دیوی: "مجبور نہیں ہو۔ تمہارے ہتھیار چھینے نہیں گئے۔ ان کی حفاظت کی گئی ہے۔ میرے قبیلے والے اور سارے قبیلے والوں کی طرح جاہل ہیں۔ مگر بہادروں کے قدردان۔ وہ اپنی رسم کے مطابق تمہارے ہتھیار نہیں دیتے۔ مگر میں نے انھیں سمجھا دیا ہے۔ انھیں خوشی ہوگی اگر ان کے ہاں سے تم اپنے ہتھیاروں کے سوا کچھ اور بھی لے کر جاؤ۔ لو یہ تمہاری چھری ہے۔ یہ تیروں کا ترکش۔ یہ کمان۔ یہ ہار۔ یہ چقماق سے بھرا ہوا تھیلا جسے تم جوں کا توں پاؤ گے اور یہ (ایک برچھی دے کر) میری یادگار۔ اور اگر تم لے جا سکو تو جو ریچھ تم نے مارا تھا اس کی کھال بھی لے جاؤ۔"

ہتھیار تھے کہ شکتی تو تاوان کا خزانہ یا کہیں کی بادشاہت مل گئی۔ حقیقت میں ان جنگل میں رہنے سہنے والوں اور اس وحشت ناک زندگی کے لئے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہتھیار ہی قیمتی اور ضروری تھے۔ وہ خوشی کے مارے اپنے زخموں کو بھی بھول گیا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ہاتھ پیروں میں سکت محسوس ہوئی۔ اس نے کمر میں چھری اڑسی۔ کمان کلائی میں اٹکائی۔ دونوں ترکشے گلے میں ڈالے اور باہر آکر مرگ آسی قبیلے والوں کی طرف مڑا جن سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے کہا "تمہاری مہربانی کا شکریہ۔ بہت بہت شکریہ! تم نے مجھے قیدی نہیں بنایا مجھے مہمان رکھا۔ کھانا کھلایا۔ میری بہادری کی قدر کی۔ میں اس کے بدلے اپنے دل میں تمہاری جگہ بنا کر لے جاتا ہوں۔ اے مردوں کی سردار بن باسی دیوی! میں تیرے لئے روحوں سے سکھ اور شانتی کی دعا کرتا ہوں۔ میں مرگ آسی قبیلے کے ساتھ تجھ کو اور تیرے ساتھ تیری بھلائیوں کو بھی نہیں بھولوں گا۔ تو نے میرے ہتھیار مجھے دے دیئے۔ مجھے قبول ہے۔ تیری بات بھی میری جان کے ساتھ رہے گی۔ رہی ریچھ کی کھال اسے میری نشانی کے طور پر اپنے پاس رکھ لو۔ البتہ ایک چیز میں تم سے مانگوں گا۔"

قبیلے کا ایک آدمی: "وہ کیا چیز ہے مانگو اگر ہم دے سکتے ہیں تو ضرور دیں گے"

شکتی: "ریچھ کے دانت دے دو"

فوراً چاروں دانت لائے گئے۔ شکتی نے انہیں ہاتھ میں لیا اور چقماق سے ان پر لکیریں سی کھینچیں۔ پھر چاروں میں جو سب سے عمدہ تھا بن باسی دیوی کو دیا اور کہا "یہ میری یادگار رہے۔ جانتی ہو ان دانتوں پر خنجر سے کیا بنایا ہے؟ بھیشیا والوں کا یہی نشان۔ اگر تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہو تو اندھیرے اجالے آج کل۔ اس نشانی کو دیکھتے ہی ہمارا قبیلہ تمہاری حمایت کو تیار ہو جائے گا۔

دیوی: "(دانت لے کر) میں اسے اپنے ہار میں ڈالوں گی۔"

تشکی: "(دوسرا دانت دکھا کر) ایک دانت میں اپنے ہار میں لٹکاتا ہوں تاکہ میرے دل کے قریب رہ کر تمہاری یاد دلاتا رہے۔"

ایک نوعمر: "اور باقی دو دانتوں کا کیا کروگے؟"

تشکی: "ان میں سے ایک گرو جی کی نذر کے لئے ہے اور باقی کا ایک دانت میں اپنے پتا کو دوں گا جو ہاتھیوں کے سب سے بڑے شکاری ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے تشکی نے گرو جی کو دانت پیش کیا اور چلنے لگا۔

دیوی: "ٹھہرو۔ صبح ہی صبح میں نے ایک ہرن مارا ہے ہمارے ساتھ تازہ گوشت کھا کر جاؤ (مسکرا کر) اور تم نے اپنے قبیلے والوں کی صورت بھی تو نہیں بنائی جس طرح اپنے قبیلے سے جدا ہوئے تھے اسی طرح اس کے پاس پہنچنا چاہیے۔" کھانے پینے سے فارغ ہو کر تشکی نے اپنے چہرہ کو اپنی طرز پر سرخ زرد مٹی سے رنگا اور رخصت ہوا۔ مگر سبھوں نے اسے وادی میں اترتے دیکھا۔ وہ بے نشان آزادی کی خوشی میں ان جنگلوں میں اترتا چلا گیا۔ جہاں بقول گرو بڑی بلیاں شکار کی تلاش میں پھرتی تھیں۔ بن باسی دیوی قبیلے کے دوسرے آدمیوں کی نسبت اس سجیلے نوجوان کو دیر تک دیکھتی رہی اور ایسی مایوس آنکھوں سے جن میں پھر ملنے کی امید نہ تھی یہاں تک کہ رات آگئی۔ اسے نگاہوں سے اوجھل ہوئے آدھا دن بیت گیا اور اندھیرے میں شیروں کے دہاڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔

ہاتھیوں کے بڑے بھائی

تسکتی کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ وہ مرگ آسینوں کی قید سے نکل کر ایسا بگٹٹ
چلا گویا سچ مچ قید توڑ کر نکلا۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ زخموں اور کمزوری کے باوجود
اس کے پاؤں ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ جسم پھولوں سے ہلکا معلوم ہوتا تھا
کبھی گانے لگتا۔ کبھی چھلانگ مارنے جیسے ہرن کلیلیں کرتے ہیں۔ آزادی
بھی عجیب چیز ہے۔ اسے اپنے ننگے پیروں کے نیچے پہاڑی راستے کی سخت
اور ناہموار زمین کیسی ہموار اور نرم لگتی۔ ہوا کے تھپیڑے جب اس کے چہرے
اور بازوؤں کو لگتے تو وہ مستانہ وار جھوم جاتا۔ جنگل، پہاڑ، میدان ہر چیز اسے
نئی معلوم ہوتی۔ ہر لمحہ اس کی زندگی ایک عجیب لطف حاصل کرتی۔ ہوا، دھوپ
ابھرے ہوئے پتھروں کی ٹھوکریں، جانوروں کی آوازیں، ہر بری بھلی شے
میں اسے جادو کا تماشا نظر آتا تھا۔ اس نے خیال کیا وہ زمین کی تمام چھپی ہوئی
طاقتیں مجھے دوبارہ آزاد دیکھ کر خوشی منا رہی ہیں۔

خوشی آدمی میں ایک قسم کی تازگی ضرور پیدا کر دیتی ہے۔ درد دکھ تھوڑی
دیر کے لئے ٹل جاتے ہیں۔ تسکتی آزادی کے جھونکے میں سپاٹا مار کر ایک گھاٹی
کو تو طے کر گیا۔ لیکن دوسری گھاٹی کے بعد اس کا سانس پھولنے لگا۔ چڑھائی تھی
قدم قدم پر بیٹھتا اٹھتا بمشکل پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا اور ذرا دم لینا چاہا۔ یہاں تک
نظر کام کرتی تھی میدان کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ رنگ برنگ کے درختوں نے
سبزہ پر ایسی گلکاری کی تھی کہ چیتے کی کھالیں بچھی ہوئی ہیں۔ بہت نیچے
گھاٹی کے ایک سرسبز ٹکڑے میں گھوڑوں کے گلے چر رہے تھے۔ کہیں تیتروں
کی آوازیں۔ کہیں کلنگوں کے قہقہے۔ پہاڑی بکروں کی بیں بیں۔ عجب بہار
تھی۔ تسکتی سانس درست کرنے کو تن کر کھڑا ہوا اور اپنے بازو پھیلا دیے۔ گویا
اس سمے کو ان ہواؤں کو اپنی آغوش میں لیتا چاہتا تھا جو قدرت کے جھولی کی

اچھوتی خوشبوؤں کو بکھیر رہی تھیں۔

چند لمحے ٹھہر کر نکی تنے اپنے لچک دار لمبے قدموں سے پھر سفر شروع کر دیا اس نے اب جلدی کی۔ کیونکہ سائے بڑھ چلے تھے۔ سورج چراگاہوں پر اپنی زرد روشنی ڈال رہا تھا۔ اس کے قبیلے کی جگہ ابھی بہت دور تھی۔ پہاڑی راستے یوں تو زیادہ لمبے نہیں ہوتے لیکن ان کے چکر غضب کے ہوتے ہیں ایک پہاڑی دوسری پہاڑی سے بظاہر ملی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور طے کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔ نشیب سے گزر کر چڑھائی پر چڑھتے چڑھتے اس کی ہمت جواب دے گئی۔ ٹانگیں جواب دینے لگیں۔ دن کی روشنی کم ہو رہی ہے۔ جرأت نہ ہوئی کہ رات کو بھی اپنا سفر جاری رکھے۔ جھٹپٹا ہوتے ہی اندھیرے کی روحوں کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ پیٹھ اور مونڈھوں کے زخم بھی چرانے لگے تھے جنگلی جانوروں کی ڈرانے والی آوازیں آنی شروع ہو گئیں تھیں۔ اس لئے یہی بہتر سمجھا کہ رات یہیں گزار دینی چاہیئے۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک اونچا صنوبر کا پیڑ نظر پڑا۔ نکی اس کی طرف چلا۔ قریب جا کر اس طرح اس پر ہاتھ رکھا۔ جیسے دیوتا کی پالاگن کرتے ہیں۔ جھاڑیوں اور چھوٹے چھوٹے درختوں میں اتنے بڑے شان دار درخت نے اس کے دل میں مذہبی احترام کا خیال پیدا کر دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ ضرور کسی روح کا مسکن ہے اور اب میں امن میں ہوں۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ "سلامت رہے بہت روکھی طاقت والی روح میں اپنی جان کی تجھ سے پناہ چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے دامن میں چھپائے میری رکھیا کر اور رات کی بد روحوں کو مجھ سے دور رکھ"

یہ کہہ کر نکی تنے ہوئی منتر پڑھتا ہوا درخت پر چڑھا اور گھنی ہوئی شاخوں میں جو بہت گھنیری تھیں چھپ کر بیٹھ گیا۔ رات آئی چاروں طرف اندھیری

تھا کہ کیا ہو گیا ہے۔ کہنیاں گھٹنوں پر رکھے اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے
اس نے ایک لمبا سانس لیا اور تصورات کی دنیا کو بدلنے کے لیے آنکھیں اوپر کو اٹھائیں۔ سومنا تھ جی اپنی نیلی چھتری پر ابھی براجمان نہیں ہوئے تھے ایک چمکتا ہوا ستارہ سامنے تھا۔ دھیان آیا کہ گرو اس کو سورج کا پتر کہا کرتا ہے۔ اس کے درشن بھاگوانوں کو ہوتے ہیں۔ بن باسی دیوی بھی نہ جانے اسے دیکھ رہی ہو گی یا نہیں۔ کیا معلوم اس کا دورہ کدھر ہو۔

جوں جوں رات بھیگتی جاتی سردی کا زور بڑھتا۔ پہاڑی کا دامن، کھلا میدان، ٹھنڈی ہوا، زمین سے کوئی بیس گز کی اونچان، درخت پر بسیرا تیکھی کے کمزور بدن میں کپکپی چھوٹ گئی۔ دانت سے دانت بجنے لگے۔ سارے خیال رفو چکر ہو گئے۔ ٹھٹھرے بچے کو کھال کس کر لپیٹی۔ کنڈلی منڈلی مار کر لپٹا بازوؤں سے اپنا منہ ڈھانکا جسم ذرا گرمایا تو نیند آئی اور سو گیا۔ سونا کیا یہ کہنا چاہیے کہ غنودگی سی آ گئی۔ جنگل کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں مگر ہلکی ہلکی تصورات دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔ لیکن دھندلے دھندلے کہ یکایک درخت کے نیچے سے ایک نئی طرح کی دہشت ناک دھم دھماہٹ سی معلوم ہوئی چونک کر آنکھیں کھول دیں سنبھل کر شاخوں پر ہو بیٹھا۔ جھکا کہ دیکھے۔ چاند نکل آیا تھا پہاڑوں اور گھاٹیوں کی ہر چیز نظر آ رہی تھی۔ تاہم رات کا وقت، نیند کا ماتا، گھبراہٹ گھنیرے درختوں کا سایہ، صاف طور پر کچھ نہ دکھائی دیا۔ صرف گہری پرچھائیاں سی حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ پھر اسے زور زور سے سانس لینے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے درخت اس طرح ہلنے لگے جیسے انھیں کوئی جھنجھوڑ رہا ہے۔ یہاں تک کہ چرچڑ کرتے ہوئے ٹوٹ کر گر پڑے اب اس کی آنکھیں کام کرنے لگی تھیں۔ اسے وہ نظر آیا جس کا وہم بھی نہ تھا یہ

ہاتھی کی قسم کے بڑے بڑے جگادری جانور تھے۔ جن کی کہانیاں اس نے اپنے باپ سے سنی تھیں۔ آنکھیں کھولتا اور بند کر لیتا۔ شاخیں مضبوط پکڑ لیں اور اپنے گرو کو یاد کیا۔ اس کی سٹی گم تھی کہ ان بلاؤں کو یہاں کون لے آیا۔ یہ موذی دیو صفت چوپائے اپنی گزرگاہوں سے نکل کر اتنے آگے کس طرح بڑھ آئے۔ اس کو پورا یقین ہو گیا کہ شیروں کے ساتھ ان کا ہونا شک کوئی بھید ہے۔ اس رُت کے زمانے میں ضرور کچھ منحوس واقعات ہونے والے ہیں۔

تنکی اپنے قبیلے کے شکاریوں سے سن چکا تھا کہ یہ جانور ہاتھیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں سونڈ کی جگہ ان کے ماتھے پر سینگ اور ایک ہاتھ سا ہوتا ہے جس سے یہ شیر تک کو مار دیتے ہیں۔ درختوں کو چیر ڈالتے اور اونچے سے درخت تک پہنچ کر آفت مچا دیتے ہیں۔ اسے اپنی جان پیاری تھی۔ مرنا اور اس طرح بے موت مرنا نہیں چاہتا تھا۔ خاموش پھرتی کر کے درخت کی اور اونچی شاخوں پر چڑھ گیا۔ تنکی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جس درخت سے وہ بھڑک کر چلے آئے گیا جس تنے پر ہاتھ مارا زمین پر آ پڑا۔ جہاں قدم رکھا چٹانیں کی چٹانیں ڈکار جانور کیا سچ مچ کے دیو تھے۔ لیکن تنکی نے صنوبر کی پھننگ پر پہنچ کر کسی قدر اطمینان کا ٹھنڈا سانس لیا کہ وہ ان کی زد سے بہت اونچا ہے اور درخت بھی کافی مضبوط۔ تاہم اس کی آنکھیں نیچے ہی لگی ہوئی تھیں۔ اس کے درختوں کے سائے میں بڑی بڑی پرچھائیاں دیکھیں۔ لمبے لمبے سفید دانت۔ ماتھے کا سینگ عجیب طرح کی سونڈ نظر آئی۔ وہ جڑوں کی تلاش میں زمین کو تہ و بالا کر رہے تھے آہستہ آہستہ ان کی ٹولی کھیلتی کودتی گزر رہی تھی۔ اس وقت درحقیقت ان کا مقصد اپنے بسیرے کے لئے جگہ کی جستجو میں تھا اس لئے کسی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ ایک طرف سے آئے اور دوسری طرف چلے گئے۔ تنکی کو منٹ میں

اپنے دیوتاؤں کا شکر گزار ہونا پڑا۔

ان عجیب الخلقت چوپایوں کا خوف دور ہونے کے بعد شکتی کو نیند تو کیا آتی وہ صبح کے انتظار میں آسمان کی طرف آنکھ لگائے بیٹھا رہا۔ بھورے اور ریچھ غل مچا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اور وہ گھوڑے کی بو انہوں نے سونگھ لی ہے اور شیروں سے ان کا پس خوردہ چھیننے کے لئے گھات لگا رہے ہیں۔ وہ سرخ بھیڑیوں کی آواز بھی پہچانتا تھا جو خونخواری میں شیر سے بھی بڑھے تھے۔ جوں جوں رات گزرتی صبح کے آثار نمودار ہوتے جاتے۔ یہ دونوں جنگل کے باسی کلیجہ پھاڑ پھاڑ کر چیختے۔ دراصل ریچھ اور بھیڑیے سو کر اٹھتے ہوئے انگڑائیاں لے لے کر چلایا کرتے ہیں۔

درخت پر ٹنگے ٹنگے شکتی کو آنکھ آ گئی۔ خدا خدا کر کے اجالا ہوا۔ اس نے اپنے نیچے میدان اور گھاٹیوں کی طرف دیکھا۔ بھیڑیے بھی نظر آئے اور ریچھ بھی۔ دن کی روشنی میں ان دونوں دبلے پتلے اور جسیم شحیم جانوروں سے زیادہ خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ شیر کی کیا حقیقت ہے۔ وہ شرافت پہ مائل، وہ عموماً بھوک سے عاجز ہو کر یا چوٹ کھا کر حملہ کرتا ہے یہ خواہ مخواہ آدمی کے دشمن ہیں۔ لیکن یہ مقام ان کا رمنا نہیں تھا۔ خدا جانے کس طرح ادھر نکل آئے تھے۔ اس لئے دیکھتے دیکھتے اکھڑ گئے۔ جیسے اس میدان کی طرف چلے گئے جہاں ندی بہتی تھی جامن کے درخت تھے اور جو اپنی سرسبزی کے سبب ہرنوں کی چراگاہ تھا۔ اب میدان صاف ہو گیا۔ شکتی نے چاروں طرف اچھی طرح دیکھ کر اترنا شروع کیا۔ وہ تھم تھم کر اترتا اور گھڑی گھڑی اپنے گرد نظریں ڈالتا۔ آخر اس کے پیروں نے زمین چھوئی۔ ہتھیار درست کئے۔ کمر کسی اور ہاتھ میں بھالا لے کر چل پڑا۔ سورج ابھی زیادہ بلند نہیں ہوا تھا کہ دوسرے موڑ پہ پہنچتے ہی پہاڑی غار نظر آنے لگا۔

اپنے قبیلے میں پہنچنے کی خوشی اور پھر اس طرح بچھڑ کر کہ جان کے لالے تھے شکتی پر بڑی خود سپردگی طاری ہونے لگی۔ اس نے غل مچانا شروع کیا کہ کسی طرح اس سے پہلے اس کی خبر پہنچ جائے۔ لیکن تھکی ہوئی آواز زمین کے نشیب و فراز کو کیوں کر طے کر سکتی۔ اتنے میں اسے اپنا نرسنگا یاد آیا۔ بیل کے سینگ کو کھوکھلا کر کے بگل سا بنا لیا کرتے تھے۔ وہ چھلانگ مار کر ایک ٹیکری پر چڑھا اور اسے زور زور سے پھونکا۔ ابھی اس کی بھوں بھوں کی آواز پہاڑیوں میں گونج رہی تھی کہ جواب میں ادھر سے بھی ایسی ہی آوازیں آنے لگیں۔ یہ دوڑا کوئی دو سو قدم آگے بڑھا ہوگا کہ ہینشیا اسے شور کرتے آتے دکھائی دئے چند لمحوں کے بعد شکتی اپنے قبیلے والوں کی گود میں تھا۔ خوشی کے مارے بچے بوڑھے عورت مرد اچھل رہے تھے۔

بھالو بھٹ کے سامنے آگ کے گرد سارے قبیلے نے اپنے شکاری پر جو کچھ گزرا تھا اول سے آخر تک سنا۔ جنگلی ہوں یا مہذب بننے میں سب ایک دل اور ایک طبیعت کے نہیں ہوتے۔ ہر کس بیان خواہش جیلے وارد۔ بعض سننے والوں نے شاباشی دی اور بعض طعنے دیے اور فقرے چست کرنے لگے۔

ایک بولا "اچھے بہادر ہو ایک عورت کے ہاتھوں میں منہ چھپایا۔"

دوسرا "عورت نے دودھ بھی پلایا تھا۔"

تیسرا "باپ کا نام خوب اچھالا۔"

چوتھا "ایک ریچھنی سے بچے تو دوسری ریچھنی کے بھٹ میں قید ہوئے۔ تم مردوں میں گنتی کے قابل نہیں رہے۔"

شکتی جزبز ہو کر جتنی بن باسی دیوی کی تعریف کرتا۔ اس کی جیداری کے حالات سناتا۔ اتنا ہی لوگ اس پر پھبتیاں اڑاتے۔ اس لئے کہ ان کے ہاں

تو عورت کسی درجہ میں بھی نہیں اور کسی عورت کی عزت بہنے کے علاوہ کوئی تعریف کرنا مردوں کی رسم کے خلاف تھا۔ لیکن وہ اپنی کہے جاتے اور شکتی اپنی۔
شکتی:" وہ عورت نہیں مرد ہے اور اتنی جیوٹ جتنا ایک بہادر سے بہادر شکاری کو ہونا چاہیئے۔ اس کا ہاتھ چست، سدھا ہوا۔ اس کے بازو مضبوط اس کی ٹانگیں بارہ سنگوں سے بڑھ کر دوڑنے والی "۔
ایک شخص:" ہارے ہوئے اسی طرح کی باتیں بنایا کرتے ہیں "۔
دوسرا:" اور جب ہی تمہیں جرأت نہیں ہوئی کہ اسے اپنے بھالے کے جوہر دکھاتے"۔
تیسرا:" تب ہی اسے اپنی جورو بھی نہ بنا پایا"۔
چوتھا:" جورو بنانے والے مرد ہوتے ہیں یا عورتوں کے بندے ہو"۔
شکتی:" تم جب اسے دیکھو گے تو معلوم ہوگا"۔
پانچواں:" چلو چلو۔ دیکھ لیا۔ ہم ایسے نامردوں سے بولنا نہیں چاہتے "۔
شکتی اب تاؤ میں آگیا تھا۔ اس نے ان بڑھ کر بولنے والوں کو ایسی حقارت آمیز نظروں سے دیکھ کر جواب دیا کہ پھر کسی کو کچھ کہنے سننے کی جرأت نہ ہوئی۔ تو اس کے بعد لوگوں نے سمجھ لیا کہ شکتی سے سردار عورت کے بارے میں مذاق کرنا مناسب نہیں۔ خواہ اس لئے کہ وہ قبیلے کے سردار کا بیٹا تھا اور اس نے ریچھ کا بہادری سے مقابلہ کرکے امتیاز کے تمغے لگا رکھے تھے۔ خواہ اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر۔ بہر حال سب چپ ہو گئے اور اس کے زندہ وسلامت آنے کی خوشیاں منانے لگے۔

بیاہتا بیوی کو دھتکار

دل کی لگن سے آدمی وحشی ہو یا مہذب مجبور ہے ؂
عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

شنکتی جنگلی سہی مگر تھا تو انسان۔ بن باسی دیوی اس کے من مندر میں بسی بسی تھی کہ ہر وقت اسی کی مورت سامنے رہتی۔ تصور میں اس کی پوجا کیا کرتا سینے میں اس کی آگ کا ایک الاؤ لگا ہوا تھا۔ قبیلے والے مذمت کرتے ایندھن کا کام دیتا۔ لاگ کی آگ اور بھڑک اٹھتی۔ لوگوں کے یہ طعنے کہ "وہ ضرور کوئی خوفناک عورت ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ تم پہ غالب رہی اور تم اسے اپنے ساتھ نہ لا سکے۔ تم اس سے ڈر گئے"۔ شنکتی کے تن بدن میں چنگاریاں لگا دیتے" اور وہ سلگ کر بری طرح چیختا۔ غصے میں اپنی بوٹیاں نوچنے لگتا۔ کبھی تو کہنے والوں کو برا بھلا کہکر بھڑاس نکالتا اور کبھی خون کے سے گھونٹ پی کر دم بخود ہو جاتا۔ وہ اپنا غم غلط کرنے اور جی بہلانے کو کسی اونچی چٹان پر جا بیٹھتا اور گھنٹوں تصورات کی دنیا میں کھویا رہتا۔ آگ کے پاس بیٹھتا تو بھی ٹکٹکی باندھے ہوئے۔ دھوپ میں اپنے پریم کے بھڑکتے شعلوں کو نکالنے کا شکار کے بہانے دور دور نکل جاتا اور جب تک تھک کر چور نہ ہو لیتا واپس نہ لوٹتا۔ تاہم اس کی بے کلی اور بے چینی نہ جاتی۔ قبیلے والے چوری چھپے اس کی یہ مجنونانہ حرکتیں دیکھتے وحشی تو تھے ہی کوئی ہنستا اور کوئی کہتا۔ "وہ عورت ضرور کوئی جادوگرنی ہے۔ عورت کا سر اسرار ہو بھید سے خالی نہیں۔ اس نے اس بنا پر اپنا ڈنڈا پھیر دیا۔ اپنے ہاں کی بدروح اس کے ساتھ کر دی ہوگی جو اسے ستا رہی ہے۔

قبیلے کے رواج کے مطابق شنکتی کا بیاہ ہو چکا تھا۔ اس کی بیوی بھی تھی اور وں کی طرح یہ بھی رہتے سہتے تھے۔ خوش خرم ہنسی مذاق بھی ہوتا۔ پیار

محبت کی باتیں بھی۔ لیکن جب سے وہ بن باسی دیوی جی کے ہاں سے آیا اس کا مزاج ہی بدل گیا۔ آٹھ پہر منہ پھولا ہوا۔ غضبناک۔ بات کی اور کاٹ کھایا۔ زبان ہلائی اور اڑ بیٹھا۔ وہ دو دو دن بیوی کی صورت نہ دیکھتا اور دیکھتا تو بھیڑیے کی طرح تیز تیوروں سے۔ بیوی غریب حیران کہ بیٹھے بٹھائے یہ کیا بجوگ پڑا۔ کہیں سچ مچ کسی نے برکی تو نہیں مار دی۔ وہ ہزار اپنے دل کو سمجھاتی۔ دور دور رہنے کی کوشش کرتی۔ لیکن آخر عورت ذات تھی۔ شوہر اس کا خدا تھا۔ ڈرتی بھی جاتی اور اس کا دل اپنی طرف پھیرنے کی تدبیریں بھی کرتی رہتی۔

شکتی کو اپنی بیوی سے نہ کسی طرح کا بغض تھا نہ نفرت۔ اس کے دل میں تو کچھ اور ہی دھن سمائی ہوئی تھی۔ وہ ہر وقت کھسیانا کھسیانا رہتا۔ مزاج چڑچڑا ہوتا جاتا تھا۔ کوئی بات ہو یا نہ ہو۔ خفگی اس کی ناک پر دھری رہتی۔ ذرا گوشت جل گیا ایسا ہوا ہی کرتا ہے "کھانوں کی درست نہ ہوئے" یہ بھی نئی بات نہیں۔ یا تیر رکھتے وقت ترکش نہ ملا۔ ممکن ہے کہیں رکھ کر بھول گئی ہو۔ اور وہ ادھر ادھر دیکھ کر فوراً لا بھی دیتی۔ آخر یہ کونسی بڑی خطائیں تھیں لیکن شکتی قیامت توڑ دیتا۔ آپے سے باہر ہو جاتا۔ ہاتھ پاؤں۔ تھپڑ گھونسے۔ چلنے لگتے اور وہ یہ جتنی وہ دبتی یہ دبا اس نے گالیاں دینی شروع کیں۔ اس بے چاری نے سر جھکا لیا۔ یہ ڈنڈا تان کر آگے بڑھا۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر گھگیانے لگی۔ وہ رحم کی درخواست ہی کرتی رہی اور یہ اس کی دھن گئی کر ڈالتا۔ غرضکہ شکتی کے غصے اور بدمزاجی کی کوئی حد نہیں رہی تھی۔ قبیلے والوں میں سے اول تو جورو خصم کے معاملے میں کون دخل دیتا اور اگر کوئی بولنا چاہتا بھی تو شکتی سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی وہ ڈرتے تھے کہ کوئی روح جو ان کے گمان میں اس پہ مسلط تھی کہیں ناراض ہو کر اس کے غصے کی آگ کو اور نہ بھڑکا دے۔

مظلوم عورت شکتی کی ساری سختیاں غم کے آنسو نکالنے اور شکایت کی آہیں کیئے بغیر سہتی اور ایک بے گناہ قیدی کی طرح اپنی قسمت پر صبر کر لی۔ لیکن اس بدنصیب کا یہ صبر شکر شوہر کے دل کو نرمانے کی جگہ اور پتھر بنائے چلا جاتا۔ اسے اپنی بیوی کی معصوم صورت دیکھ کر اور جھونجل آجاتی۔ یہ کیا؟ اس کی بے کسی اور شوہر پرستی پر ترس آتا نہ کہ غصہ! ذہنیت ہی تو ہے! مگر نہیں بات یہ تھی کہ آب اس کے سامنے عورت کا دوسرا نمونہ بھی تھا۔ جب وہ بن باسی دیوی کا اس سے مقابلہ کرتا تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا۔ کہاں اس کی خودداری، مغرورانہ آزادی اس کے اقوال اس کے افعال اور کہاں یہ ذلیل بزدل غلام قسم کی عورتیں۔ جاہل تھا۔ دنیا کے ترقی کرتے ہوئے حالات سے بے خبر۔ آنکھیں کھلیں۔ دل تھا لیکن سمجھ نہ تھی کہ اس فرق کی وجہ معلوم کر سکتا۔ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا اور دل پر نوبس کیا چلتا بیوی ہی کی خبر لیتا۔ اپنے گھٹتے ہوئے جذبات بدزبانی اور مار پیٹ سے نکالنا چاہتا شکتی ہر چند اپنے دل کی...... اس کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اس کے سمجھنے کی بات ہوتی تو سمجھتا! وہ واقعی بہت پریشان تھا۔ آخر اس نے ایک وحشیانہ منصوبہ گانٹھا۔ اس کی عقل میں یہی آیا جس طرح ہو سکے بن باسی دیوی کو حاصل کرے۔ بغیر اس کے زندگی بے لطف ہے ان دنوں پرائی عورت وہ بھی غیر قبیلے کی بے لڑے بھڑے کیوں کر ہاتھ آتی اس لئے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ اب پہلے لڑائی جیتنے کا سوال تھا۔ اکیلا چنا کیسا ہی سورما سہی بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ قبیلے والے ساتھ دیں تو لڑے۔ اس کے بعد بن باسی دیوی کو مرگ آسنی۔ قبیلے والوں سے چھیننا بھی آسان بات نہ تھی پھر ایک بیوی کے ہوتے سانی دوسری سے شادی۔ اپنے بھائی برادر کب جانیں گے یہ سارے سوال ایک ایک کر کے شکتی کے ذہن میں آتے اور ان کا کوئی جواب

اس کے دماغ میں نہ پیدا ہوتا۔ تاہم بن باسی دیوی بھی اس کے خیال سے نہ ہٹتی وہ سوچتا کہ دنیا کی عورتوں میں ایک یہی عورت ہے جس نے میدان کے بڑے قانون کی پروا نہیں کی۔ وہ بجائے قتل کرنے کے میرے زخموں کی نگہداشت کرتی رہی۔ ایک اجنبی کے ساتھ اپنایت کا سا سلوک کیا۔ اور آخر میں آزاد کر دیا دھن بھاگ اس کے جس کی ایسی عورت ہو۔

صبح سے شام اور شام سے صبح ہو جاتی۔ تکتی اسی ادھیڑ بن میں رہتا کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑائی کرے یا آشتی؟۔ بن باسی دیوی مردوں سے زیادہ طاقتور تھی اپنی مصلحت کے آگے اس نے قانون کو ٹھکرا دیا۔ بے شک اس پر روحوں کی مہربانی ہوگی۔ روحوں کے سایہ میں وہ مقدس بنی۔ کس کی مجال ہے کہ اسے ہاتھ لگا سکے۔ پھر؟ کیا کرنا چاہیئے؟ تکتی کے لئے یہ ایک ناقابل حل معمہ تھا۔ انجام کار ان الجھنوں سے گھبرا کر اس نے لڑائی بھڑائی اور بن باسی دیوی کے بھگا لینے کا خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ اسے ایک مقدس چیز کے چرانے میں جسے روحوں کی حمایت حاصل ہو ڈر لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ بن باسی دیوی محض عورت نہیں۔ اس کی طاقت میں روحوں کا دخل ہے۔ اس کے سامنے سر جھکانا ہی پڑے گا۔

لیکن یہ ساری عقل کی باتیں تھیں دل کی نہیں۔ بن باسی دیوی سے ہاتھ اٹھانا اس کے بس کا نہ تھا۔ ہر دم سامنے رہنے والی اس کی تصویر کو کیوں کر مٹاتا۔ اس کا نہ ہٹنے والا دھیان کس طرح دباتا۔ عقل اور دل میں لڑائی ہوتی خودکشی رونا دھونا یا منہ اٹھا کر کہیں نکل جانا ان لوگوں کے دستور نہ تھے یہی ہوتا کہ اسے غصہ آجاتا اور غصے میں ایک بیوی ہی نظر آتی۔ اسی پر عقل اور دل کی لڑائی کا بخار نکالتا۔ کیونکہ بن باسی دیوی کے مقابلہ میں اسے دوسری عورتوں

سے نفرت ہو گئی تھی۔ شکتی جس قدر اس کی حقارت کرتا وہ اسی قدر اپنے شوہر کی فرماں برداری جس سے اور بھی برافروختہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن اپنی وحشت میں جتنا پیٹ سکتا تھا پیٹا اور ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ غریب گھر سے نکل گئی۔ قبیلے کے دوسرے آدمی اسے اپنے ہاں لے گئے اور میاں شکتی ٹھن ٹھن گوپال اپنے تیسے میں کھونے کے لئے اکیلے برا جنے لگے بے روک ٹوک پاگلوں کی طرح جہاں چاہتے اٹھتے اور جو چاہتے کرتے جورو کی بیڑی بھی ٹوٹ گئی تھی۔

پریم گیت

شکتی اپنے آپ سے بے خبر۔ نہ جانے کس خیال میں کھویا ہوا۔ اکیلا ایک اونچے ٹیلے پر بیٹھا ہے۔ اس کی آنکھیں دور کسی چیز کو دیکھنے میں محو ہیں۔ اس سے کوئی تین چار سو قدم کے فاصلہ پہ پہاڑی بکریوں کا گلہ چر رہا ہے ایک طرح بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی۔ بکریاں بسیرا لینے چلنے لگیں۔ دو چار کسی جھاڑی کے اندر چھپ گئیں۔ دس پانچ پہاڑی کے ڈھلان پر جا بیٹھیں۔ ان کے بالوں کا رنگ ایسا سنہری تھا، جیسے ڈوبتا سورج اور سورج کی کرنیں ایسی بے روپ ہو چلی تھیں جیسے زرد گھاس جو جھاڑیوں کے نیچے ہوتی ہے۔ وقت کے اس سمے نے شکتی کی طبیعت کو بھر بھرا دیا۔ اس نے خاموش میدان کے اوپر چھائے ہوئے نیلے نیلے آسمان پر نظر ڈالی۔ اس کے دل میں ایک نئی کیفیت پیدا ہوئی اور وہ موج میں آ کر بن باسی دیوی کی یاد میں آہستہ آہستہ گنگنانے لگا۔

پربت ہرے بھرے ہیں، آہا بہار آئی   کیسی ہوا ہے ٹھنڈی، آہا بہار آئی

برفیں پگھل رہی ہیں، پنچھی چہک رہے ہیں   سبزے لہک رہے ہیں، سوتیں ابل رہی ہیں

آیا بہار آئی، آہا بہار آئی

شاخوں میں کلیاں آئیں، رنگ اور روپ لائیں   مجھ کو لبھا رہی ہیں، مجھ کو رجھا رہی ہیں

آیا بہار آئی، آہا بہار آئی

چیتل، ہرن چکارے، پاڑے کہ بارہ سنگے   بھوسے سیاہ بھالو، یا سانڈ شیر چیتے

جوڑے کو اپنے اپنے، یہ سب بلا رہے ہیں   کیا کیا پریم کے گیت گا کر سنا رہے ہیں

اک میں برہ کا مارا، پھرتا ہوں مارا مارا   کوئی نہیں بلاتا، سر پیٹ پیٹ ہارا

میری بہار آئے، جب تو بہار آئے

سنہرے کے ہار آئے، میرے گلے میں ڈالے   پھر میں کہوں خوشی سے

آیا بہار آئی، آہا بہار آئی

دھن بدل کر۔

کیسی پیاری پیاری رت ہے، بن باسی دیوی آجا جا، درس ہمیں بھی اپنا دکھا جا۔ ایسا موسم ایسی بہاریں، من کو کب تک ماروں پیارے، میری چاہت رنگ نہ لائی۔ درشن دینے تو نہ آئی۔ ایسی نفرت انسانوں سے۔ بھاگ نہ یوں جن ہاروں سے۔

آجا آجا آجا آجا، دل کے کنول کو میرے کھلا جا۔

دوسری لے میں۔

میں پار دوں گا تجھ کو، سب عورتوں سے نے کر، کہا میں بھی اچھی اچھی، چھینوں گا تیری خاطر۔ ریچھوں سے ہرنوں سے، شیروں سے بھیڑیوں سے، سارا مرا قبیلہ خدمت کرے گا تیری۔ تو راج رانی ہوگی، تو سب کی دیوی ہوگی، لیکن تجھے ضرورت؟ کس شے کی تجھ کو حاجت؟ اوتار تجھ پہ واری، دو جیں

تری پجاری، پھولوں کی تو ہے ڈالی، رنگ اور روپ والی۔ چہرے پہ نور تیرے آنکھوں میں آگ تیری ہیں دانت تیرے موتی، ہونٹوں پہ تیرے لالی۔ قد تیرا سرو جیسا، چلتی ہے جیسے قمری، تو کیا کرے گی سے کر، ادروں کا جھوٹا سامان۔ تیری بلا اٹھائے غیروں کا مفت احسان
پھر دھن بدل جاتی ہے۔

اے بہار، اے پون کی دیوی آ، میرے من کا سندیسا سنتی جا۔ میری بن باسی دیوی تک اگر پہنچے۔ اس کو چھونے کا ہو اگر موقع۔ بال بکھرے ہوئے ہٹا دینا، اور چپکے سے کان میں کہنا، اک پجاری ترا ترے کارن آنکھوں سے بیٹھا ہے اپنا تن اور من۔ پریم کی آگ میں سلگتا ہے۔ ایسی اس کو لگی ہے تیری لگن۔ تھا کبھی وہ بہت جی دار۔ تیری فرقت میں ہو گیا مردار۔ نام اس نوجوان کا شکتی ہے۔ تو نے بھی شکل اس کی دیکھی ہے۔ رحم کر اس پہ رحم کی جا ہے۔ بن نہ انجان ہاں وہ تیرا ہے۔ وہ رہے گا سدا ترا مالی۔ تیری کرتا رہیگا رکھوالی۔

وہ تری کب مگر سنے گی بات، اونچی پربت سے بھی ہے اس کی ذات وہ قبیلے کی اپنے ہے سردار۔ بھول کر بھی نہ کہیو کچھ زنہار۔ تجھ سے بھی بڑھ کہیں نہ جائے بگڑ۔ پھر سنبھالے گا کون اس کی اکڑ اس کو رکھوالوں کی کمی کیا ہے وہ تو جادو کا آپ پتلا ہے۔

بھرائی ہوئی آواز میں ایک اور طرز پر۔

چھیڑ جانے دے۔ نہ سن بپتا مری۔ مت بسا اجڑی ہوئی دنیا مری آج سے میں نے بھی دل میں ٹھان لی۔ یوں ہی تج دوں گا میں اپنی زندگی ڈالی پھولیں نا اس ہو جائے مرا۔ اور کو دیکھوں اگر تیرے سوا۔ تو نہیں جب پاس

تو کچھ بھی نہیں۔ جان دے دوں گا اکیلا میں کہیں۔ راکھ ہو جائے گا سب مرا الاؤ۔ کون دیکھے گا مری بیٹوں کا تاؤ۔ رات کو ملنے نہ آئے گا کوئی۔ تمنا کیسی ہو گی بیکلی۔ بھون کر دے گا نہ کوئی مچھ کو ران۔ کون رکھے گا مری کھالوں کا دھیان۔ ہائے میں کس کو پکاروں کیا کروں۔ کیا یوں ہی اب عمر بھر تڑپا کروں۔

موسیقی اس وقت کہاں تھی؟ درد سے بھرے الفاظ تھے۔ آواز کا اتار چڑھاؤ تھا۔ ہوائیں لہرا کر یہی گیت بن جاتے ہیں۔ انہی سے آگے چل کر موسیقی پیدا ہوئی۔ شکتی کی مست آوازوں نے پہاڑیوں کے دل نرما دئے۔ آسمان تاروں کے آنسو چمکانے لگے۔ ٹیلے کے نیچے ندی تڑپ اٹھی۔ موجوں سے ہاتھ پاؤں ہلانے لگی۔ چاروں طرف دھواں سا چھا گیا۔ شکتی کی طبیعت ذرا ٹھہر گئی تھی۔ وہ اٹھا۔ سامنے ایک شکاری دکھائی دیا۔ اپنی جبلی عادت کے مطابق یہ تھوڑی دیر کے لئے سب کچھ بھول گیا اور اس کے پیچھے دوڑا۔

دعا

پورن ماشی کی رات تھی۔ شکتی گھنٹوں ایک ہرن کا پیچھا کرتا پھرا کیا۔ نہ اسے کہیں بیٹھنے دیا نہ آپ بیٹھا۔ ہرن ان ہیولی ٹنسل کے تیز رفتار جانوروں کی غول کا تھا جس کی ابھری ہوئی خاص وضع کی ناک اور بل کھائے ہوئے سینگ ہوتے ہیں۔ صبح پو پھٹتے پھٹتے آخر شکتی ان ہرنوں کے گلے تک پہنچ گیا۔ وہ چوکنا ہو کر بھاگا۔ بھاگتی ہوئی ڈار پر اس نے کئی تیر چلائے۔ اٹکل پچو کہ شاید کوئی چھید جائے۔ اتفاق سے ہرن کے ایک بچے کے پیٹھ پر تیر

لگا۔ گرم گرم چوٹ تھی۔ وہ تیر کو لئے ہوئے چلا۔ اس نے دو چار ہی قلانچیں ماری تھیں کہ زخم میں سے خون کا فوارہ چھوٹا۔ تیر کے زہر نے کوئی کام نہ کیا۔ خون کے ساتھ نکل گیا۔ ہاں اس کی رفتار سست پڑ گئی۔ اب آگے آگے ہرن تھا اور پیچھے پیچھے شکتی۔ بھیڑئیے کی طرح لپکتا ہوا۔ ہرنوں کا گلہ تو کیا ہاتھ آتا۔ اس بچے کی البتہ شامت آگئی تھی پھر بھی زخمی ہونے اور اپنے گلے سے بچھڑنے کے باوجود شکتی اور اس کی رفتار میں فرق بڑا تھا۔ دونوں میں کئی سو قدم کا فاصلہ۔ لیکن شکتی نے سمجھ لیا کہ رفتہ رفتہ یہ کمزور ہو رہا ہے دیر سویر نہیں دو چار گھنٹے میں یہ گرے گا اور ضرور گرے گا۔

اپنی اسی دھن میں شکتی شکار کا پیچھا کئے چلا گیا۔ گر وہ ہرن کیا چھلاوہ تھا۔ نہ کہیں دم لیتا نہ پیچھے مڑ کر دیکھتا بلکہ جہاں میدان کھلا ہوا پاتا اور تیز دوڑتا۔ اس زمانے کے شکاریوں کے پاس تیز برچھے، خنجر، ڈنڈے کے سوا ایسے بھاگتے ہوئے شکار پر وار کرنے کے لئے ایک اور بھی آلہ ہوتا جسے قبیلے کے سردار یا بڑے شکاری ہی چلانا جانتے۔ یہ عجیب گولا لاٹھی کرنے والا ہتھیار تھا ایک برچھی سی ہوتی جس کے سرے پر بارہ سنگھے کے سینگ کا نوکدار ٹکڑا لگا ہوا اور وہ ٹکڑا لکڑی کے ایک ڈنڈے کے ساتھ پیوست۔ رگوں اور پٹھوں کی ڈھیلی ڈھالی جالی سی بنی ہوئی۔ ڈنڈے کے سرے سے لیکر آدھے تک لٹکتی ہوئی کچھ دور پاس جس میں گلیاں سی بندھی ہوئیں ادھر ادھر لٹکتی رہتیں اور ہر جالے اس میں کیا کیا کنکریاں تھیں۔ ترکیب یہ رکھی گئی کہ جب وہ آلہ لے کر ہتھیار کسی جانور کے مارا جائے تو لکڑی کا ٹکڑا برچھی کے سرے پر الگ ہو جائے اور جالی سمیت زمین پر گر گھسٹتا ہوا چلے تاکہ کسی جھاڑی میں پھنس سکے۔ اور برچھی شکار کے جسم میں لگے۔ گویا اس طرح شکار

کو باندھ دیتے تھے۔ سچ کہا ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے دو پاؤں کا آدمی چار پاؤں والوں پر آخر کس طرح غالب آتا۔ ایسے ہی ایسے داؤں نکلے ہونگے 'مار باندھ' کی اصطلاح غالباً اس آلہ سے پیدا ہوئی ہے تعجب نہیں جو اس کا نام بھی 'مار باندھ' ہو۔

تنکتی کے پاس بھی یہ آلہ تھا۔ اس کے چلانے کی اسے خوب مشق تھی۔ آخر جب وہ دوڑتے دوڑتے تھک گیا تو اس نے اپنا 'مار باندھ' آلہ نکالا اور بھاگتے بھاگتے ایک دفعہ ہی زور سے پھینکا۔ سدھا ہوا ہاتھ تھا چوکنے کا کیا کام برچھی ہرن کے پیٹ میں لگی۔ ہرن ہوا میں اچھلا۔ جالی اور ڈنڈا جھاڑی سے الجھا جھٹکے کی تاب نہ لا کر ہرن گر پڑا ہرن اور تنکتی کے درمیان کوئی ساٹھ ستر قدم کا فاصلہ ہوگا۔ وہ مارے خوشی کے اچھلنے لگا۔ اس نے ہرنوں کی ڈار پر تیر لگائے تھے اس کا تیر کھا کر یہ بچہ بھاگا۔ دیر تک پیچھا کرتا رہا۔ پھر 'مار باندھ' چلایا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ الجھ کر گرا۔ اسے یقین تھا کہ سامنے والے درختوں کے اس طرف دو جھاڑیوں میں پھنسا ہوا ملے گا۔ چنانچہ بڑے اطمینان کے ساتھ بیچ کی اونچی نیچی زمین سے گزرتا۔ راستے کے جھاڑ جھنکاڑ سے بچتا وہاں پہنچا۔ دائیں ہاتھ کے درختوں میں سے جھانکا۔ بائیں طرف دیکھا۔ پھر ان خون کے قطروں پہ چلا جو زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ خون کے یہ دھبے درختوں کے جھنڈ کے قریب جا کر پھر نہ دکھائی دیتے۔ برچھی کے ساتھ کی لکڑی زمین پر ٹوٹی پڑی تھی۔ اسے اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کی ڈوری کو چقماق سے کاٹا گیا ہے ہر ایک جگہ خون کا قطرہ بھی نظر آیا۔ مگر ہرن کے بچے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

گھبرا کر تنکتی نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ ہوتا تو وہیں ہوتا جھاڑیوں میں دیکھ رہا۔ لیکن صنوبر کی گھنی شاخوں نے راہ نہ دی۔ زیادہ

دور تک نہ دیکھ سکا اور اب یہ سمجھنے کے سوا کسی نے اسے چرالیا دوسری کوئی بات ہی نہ تھی۔ اس نے دل میں کہا کہ عجب کوئی بادی چور ہے۔ تاک ہی میں لگا ہوا تھا۔ گرتے ہی لے اچکا۔ اس کا تو کھوج لگانا چاہیئے۔ آخر یہیں رہنا یہیں شکار کھیلنا ہے۔ چپ بیٹھ گئے تو ناک میں دم آجائے گا۔ یکایک اسے غصہ آگیا۔ اس نے اپنے ہتھیاروں پر نظر ڈالی۔ مہلک زخم ڈالنے والے چقماق کی نوک کے تیر شمار کئے۔ کمر میں خنجر ٹٹولا۔ ہاتھ میں بھالا سنبھالا اور ہر طرح سے مقابلے کے لئے تیار ہوکر الٹے قدموں لوٹا۔

پہلے معلوم کرنا تھا کہ ایسا بے حمیت کون ہے جس نے اتنے سے جانور کے لئے اپنی قوم کو بٹا لگایا۔ سانسی تو کبھی ان میدانوں میں دکھائی نہیں دئیے پھر یہ دغا باز کہاں سے آگیا۔ شکار کے چور کا پتہ لگانے کی غرض سے سکتی نے نہایت احتیاط کے ساتھ زمین پر پاؤں کے نشانوں کو دیکھنا شروع کیا آنکھیں زمین پر لگائے قدم قدم پر رکتا، جھکتا، جھجکتا، کھوج لیتا آہستہ آہستہ چلا۔ نشان تھے اور ملے۔ آخرکار اس کی کھوجی نگاہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک نہیں تین آدمی ہیں۔ مل کر چوری کی ہے۔ ان کا جتھا بھی شکار کھیلنے آیا ہوگا جس وقت ہرن گرا وہ قریب ہی لگے ہوئے ہوں گے پرائی محنت کا شکار ملا۔ مفت را چہ باید گفت۔ پکڑ۔ برچھی نکال زخم کی جگہ کا گوشت کاٹ کر یہ لاد چلتے بنے ایک ان میں سے چرکسی پر ہوگا۔ تاہم وہ بھاگے بے سرت ہوکر دیکھ نہیں بچھونا اپنی کمان بھی گھبراہٹ میں چھوڑ گئے یہ کہتے ہوئے سکتی نے جھک کر پڑی ہوئی کمان اٹھائی۔ اس میں ہرن کا سم لگا ہوا تھا۔

ہرن کے سم کی نشانی سے سکتی نے اپنے چوروں کو پہچان لیا۔ اسے رہ رہ کر ان دغابازوں پر تاؤ آرہے تھے تاڈ کیوں نہ آتے۔ ایک جنگل میں

رہنا اور یہی ہیرا پھیری۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر اس کھلی بدمعاشی کا بدلہ کیوں کر لیا جائے۔ یہ تو اسے معلوم ہو گیا تھا کہ مہا لوٹپ والے ہیں ان کے سوا اور دشمن کہاں سے آسکتے۔ کیونکہ کچھ دنوں سے وہ بے حد بدہ دلیر ہوتے جاتے تھے۔ اس سے پہلے بھی انھوں نے اپنے جتھے کی طاقت کا زور دکھا کر سینہ زوری کی تھی اور میلوں کے شکار میں قانون کے خلاف زیادہ گوشت ہتھیا لیا تھا۔ لیکن کہاں وہ معاملہ اور کہاں یہ ڈاکہ۔ اس وقت تو انھوں نے بہت ہی کمینہ پن دکھایا۔ ہیٹیا والے اکیلے ایک آدمی کے شکار کو لے اڑے۔ بھلا اس سے بڑھ کر زیادتی کیا ہو سکتی ہے۔ ہیٹیا والوں کو ضرور ان سے لڑنا چاہیے۔

سنسان میدان، نامرادی، تنہائی، لوٹپا والوں کے ناروا ظلم، ان کی ہاتھا پائی اور سب سے زیادہ بن باسی دیوی کی یاد۔ ان سارے خیالات نے مل جل کر شکتی کو بے چین سا کر دیا۔ وہ دیوانوں کی طرح نکلتا، بکتا، منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا، اپنے غار کی طرف چلا۔ سوچتا جاتا تھا کہ میرے تو دو دن غارت ہی ہو گئے ہیں۔ رات بھر ہرن نے چکر دئے اور پھر وہی ڈھاک کے تین پات رہے۔ اگر میرے ساتھی بھی خالی ہاتھ آئے ہوں گے تو کیا بنے گی۔ کل کیا کھایا ہوگا اور نہ جانے آج کیوں کر پیٹ بھرے۔ کیا چربی جو چراغوں کے لئے رکھی ہوئی ہے وہ کھانی پڑے گی؟ چربی پر گزارہ کرنا، افسوس کس قدر دکھ کی بات ہے۔ مگر اس کے سوا بھوک کا علاج کیا۔ آخر روحیں ہم سے اتنی برگشتہ کیوں ہوتی ہیں۔ چربی کھانے اور روحوں کی ناراضگی کے خیال نے شکتی کو ایک نئے مخمصے میں ڈال دیا۔ اور وہ ایسا پریشان ہوا گویا اب کپڑے پھاڑ اور سر پھوڑا۔

لگا تھا۔ ہلکی ہلکی کہر میں بہت دور راستے اپنے قبیلے کے غار نظر آئے۔ غاروں کے باہر گرمی پڑے یا پالا، بدن جھلسے یا دانت بجیں، اندر کی فضا ہمیشہ ایک سی رہتی ہے۔ میدانوں کے برخلاف سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈی شام کے وقت ہوا ہمی سے بوجھل ہو کر آگ سے دھوئیں کو دبالی رہتی ہے۔ وہ منتشر نہیں ہوتا۔ بلکہ زمین سے آسمان تک ایک سیاہ سی لکیر بن جاتا ہے۔ شکتی اس نشان پر اندھیرے میں ٹٹولتا چلا جاتا تھا۔ جب غاروں کے باہر کی طرف ڈھلان کے پاس پہنچا تو اس نے زور سے ایک ہانک لگائی، ہو ہو ہو، جس کا جواب پہرہ داروں نے دیا۔ اس کی واپسی سب کے آخر میں ہوئی تھی اپنے باپ کی آگ کے سامنے جا کر اس نے دیکھا کہ سارے شکاری ایک حلقے میں غمگین صورتیں بنائے چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ الاؤ بیلے فائدہ جل رہا ہے کسی کو کوئی شکار نہیں ملا تھا۔ سب شکتی کے منتظر تھے جو قبیلے بھر میں زیادہ پھیلا اور ہوشیار شکاری سمجھا جاتا۔ اسے خالی ہاتھ دیکھ قبیلے پر مردنی سی چھا گئی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ مایوسی کی انتہا نہ رہی۔ دو وقت کے فاقے اٹھا کر بھی گوشت کی بو کے لئے ترستے کے ترستے رہ گئے۔

قبیلے والوں کی زرد زرد رنگتیں۔ ان کے چہروں پر بھوک کے مارے ہوائیاں اڑتی ہوئی دیکھ کر شکتی کا دل پھٹنے لگا غصے سے پھوٹ پڑا۔ گردن اور ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے مخصوص جنگلی انداز میں بکھیے کی بھڑاس نکالنی شروع کی لٹیرے اس جنگل میں آ بسے ہیں۔ چور، نامرد چور، میرا شکار چرایا۔ بھاگ گئے یہ دیکھو ان کی کمان ہے۔ جنھوں نے مجھے چوٹے بھیڑیوں کی طرح ڈھیر کر غارت ہی ہو جائیں۔ روحیں انھیں سونے نہ دیں بھی چین نہ لینے دیں۔ ان پر بڑی بلیاں آ پڑیں۔ ان کے پیٹ پھاڑ ڈالیں ان کی انتڑیاں نیل کرتے

سوچ کر کھائیں۔ ان کے پنجر بغیر کریاکرم کے روندن میں آئیں۔ زردمٹی نصیب نہ ہو۔ ہائے ہائے ہائے۔"

تھوڑی دیر دم لے کر اس نے آہستہ آہستہ شکار کی ساری کیفیت بیان کی۔ کہتے کہتے پھر اسے جوش آگیا۔ چہرہ غصے کے مارے تمتما اٹھا۔ اپنی سرخ کمان وہی مار باندھ، آلہ جو ٹونا ہوا ملا تھا، سننے والوں کے آگے ڈال دیا۔ اس کے باپ قبیلے کے سردار نرسنگھے نے اسے دیکھا۔ دوسرے شکاری بھی سرک سرک کر دیکھنے لگے۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا "اشوئیا والے بدمعاش، چور، دغاباز، ان کی یہ حرکتیں اب نہیں سہی جاتیں۔ آخر کب تک ہم ان سے دبتے چلے جائیں۔ روز کے ناتے اٹھاتے سے ایک دفعہ مرجانا اچھا۔ مار دیا مرد۔ مار دیا مرد۔"

بڑی دیر تک بحث پرحث ہونے کے بعد یہ ٹھہرا کہ گرد کے پاس چل کر پہلے اس سے کہنا چاہیئے پھر دوسری بات۔ اس کا جادو ٹونا آخر کس کام آئے گا عمر بھر اسے ڈنڈوت کی ہے۔ وہ بھی تو کچھ اپنی کرامات دکھائے۔ نہیں دکھائے تو نکال باہر کرو۔ ہم خود سلٹ لیں گے۔ رو چلیں ہم سے خوش نہیں، نہ ہوں یہی ہوگا ناکہ ہمارے قبیلے کو مٹا دیں گی بلا سے۔ کہیں روز کی دانتا کلکل سے تو چھٹکارا مل جائے۔" الغرض سب مل کر طیش میں بھرے ہوئے اگیا بیتال کے پاس پہنچے۔ وہ بھی ان کی طرح غصے میں بیٹھا تھا۔ چراغ کی چربی پر منہ مار رہا تھا۔ گوشت کہاں جو کھاتا دوسرے جنتر منتر کے کامیاب ہونے پر شکاری اسے کچھ دیا کرتے اور اب کتنے ہی دن سے اس کی ساری پڑھنتیں بیکار جا رہی تھیں کون اسے خاطر میں لاتا۔ بڑے بجار پر غالب ہونے کے لیے جو عمل اس نے کیے تھے بے اثر ثابت ہوئے تو خودکشی بھی

باوجود جادو پڑھے ہوئے ہتھیاروں اور بھینٹ پوجا کرنے کے نہ صرف
بجار کو مارنے میں ناکام رہا۔ بلکہ ریچھنی کے حملے سے مرتے مرتے بچا اور
مرگ آسینوں میں پھنس کر ایک نئی مصیبت میں الجھ گیا۔ گرو کے منتروں کا
یہ انسا اثر نہیں تو کیا تھا۔ بڑا شکار تو کہاں، دو دن کی بھاگ دوڑ میں ایک چھوٹا
سا ہرن مارا اسے بھی دھا لوٹ پ ڈالے چرا کرلے گئے۔

یہ لوگ آج کل جیسے مہذب تو تھے نہیں کہ انسانیت کے ساتھ سوال
جواب کرتے۔ گرو کے سامنے پہنچتے ہی لگے بنکارنے۔ کوئی ایک درجن
آوازیں بلند ہوئیں ہر لفظ کڑوا کسیلا۔ لب و لہجہ پتھر سے زیادہ سخت اپنی
گفتار اور حرکات سے گرو کو خوب دھمکایا۔ اس کے تقدس کا ذرا خیال نہیں
کیا۔ جو منہ میں آیا کہا کئے لیکن اس نے کچھ نہ کہا۔ چپ آگ کے پاس بیٹھا نیچی
گردن کئے بے حس و حرکت چربی کے ٹکڑے نگلتا رہا۔ جب دیکھا کہ وہ ہوں
کرتا ہے نہ ہاں اور اپنے پیٹ کے الاؤ میں ایندھن ڈالنے سے اسے فرصت
نہیں تو قبیلے والوں میں سے ایک نوجوان جل کر بولا: "گیا بیتال! اگر ردکو
کو تو منا نہیں سکتا، وہ تیری باتیں سنی ان سنی کر دیتی ہیں۔ ان کا وشواس
تجھ پر نہیں رہا تو چل یہاں سے چمپت بن۔ ہمیں ایسے نکمے، روحوں کے
دھتکارے ہوئے گرو کی ضرورت نہیں"۔ گرو نے گردن جھکائے
جھکائے جواب دیا: "اچھا میرے جمانو! بہت اچھا! کل سویرے میں
چلا جاؤں گا۔ خفا نہ ہو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ میرے جانے سے تمہاری بھلائی
نہیں ہوگی۔ بلکہ تم شانتی کے کوٹ سے نکل جاؤ گے۔ آکاس کے نیچے اور دھرتی
کے اوپر تمہارا قبیلہ ایسے بچوں کی طرح ڈھونڈتا پھرے گا جن کے ماں باپ
مر جاتے ہیں۔

گرد کی یہ بے دھڑک بات سن کر سب کا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ یا تو غصہ تھا یا ڈر گئے۔ اس کو گھیرے ہوئے جو لوگ کھڑے تھے پیچھے ہٹ ہٹ کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ان پہ ایک طرح کا وہمی خوف چھا گیا۔ گرد نے نیچی گردن کئے کئے کن انکھوں سے ان کی طرف دیکھا مسکرایا اور زیادہ سہولیت کے ساتھ چربی کے لقمے کھاتا رہا۔

نرسنگھا:۔ (سہم کر لجاجت کرتے ہوئے) "گرو جی دیا کرو بچوں کی بات کا برا نہ مانو۔ دکھی نہ ہونے والے بول بھی دیا کرتے ہیں۔ بس جانتا ہوں کہ نہ تم ہمیں چھوڑ سکتے ہو نہ ہم تمہیں۔ تم اسی قبیلے میں رہو گے لیکن اے طاقتوں کے مالک آنکھوں سے اوجھل دنیا کے بھیدی! اتنا تو بتا دو کہ ہمیں روحوں نے کیوں باندھ رکھا ہے تمہارے منتر کس لئے کارگر نہیں ہوتے؟ کہیں یہ بات تو نہیں کہ شوئیا والوں کا گرو تم سے بڑھ کر گنی ہے؟"

گرو:۔ (جس کے گھمنڈ کو ٹھیس لگی تھی دل میں خوش ہو کر فخریہ لہجہ میں) "شوئیا والوں کا گرو میری برابری کیا کر سکتا ہے۔ میں اس سے بہت زیادہ گن جانتا ہوں۔ اب اگر روحیں تمہارا ساتھ نہیں دیتیں تو یہ تمہارا قصور ہے تم نے انھیں ناخوش کر دیا ہے۔"

شکتی:۔ (زرد رنگ کی مٹی بھری ہوئی کمان گرو کے قدموں میں ڈالتے ہوئے یہ مہیشیا والوں کی تھی۔ جسے ہرن کے بچہ کی چوری کے سلسلہ میں پایا تھا) "مہاراج! تم جو کہو ٹھیک ہے، سب قصور ہمارا سہی لیکن جب تم ہماری خطا بھی معاف نہیں کر سکتے تو پھر آخر تمہارے ہونے سے فائدہ؟ تو یہ ان بدمعاشوں کی کمان ہے، ان کی جو میرے بیٹے

ہوئے شکار کو چرا کر لے گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کوئی ایسا کیلی منتر کرو کہ وہ پھر ایسا نہ کر سکیں۔

گرد نے کمان کو ہاتھ میں لے کر اس کے نقوش کو خوب غور سے دیکھتے ہوئے، "بخت رہو۔ ایسا ہی ہوگا تم لے آگیا بیتال کو سمجھا گیا ہے؟ جس کی یہ کمان ہے میں اس کے بازو کو بچوں جیسا کمزور بنا دوں گا۔ پھر جتنے تیر وہ چلائے گا کبھی نشانے پر نہیں لگیں گے۔"

یہ کہہ کر گرد نے ایک عجب مڑک کے ساتھ کمان کے دو ٹکڑے کر ڈالے اور اسے پتھر سے کچل کر آگ میں ڈال دیا۔ اس کے بعد منتر پڑھا کمان کے جس حصہ پر ہرن کی تصویر کھدی ہوئی تھی وہ ٹکڑا اس نے بچا لیا تھا۔ اسے چقماق سے رگڑا اور تنکتی کے ہاتھ میں دے کر بولا "لے اس جنتر کو اپنے پاس رکھ۔ ہرن کی پھرتی تجھ کو میں نے دی جا دیکھوں اب تجھ سے کون آنکھ ملا سکتا ہے۔"

یہ جھو منتر کر چکا تو گرد دوسرے شکاریوں کی طرف مخاطب ہوا جو چپ چاپ کھڑے اس کی حرکتیں بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور کہنے لگا میں ایک دفعہ پھر تم سے کہتا ہوں۔ میری بات پتھر کی لکیر سمجھو۔ روحوں کو میں نے اپنے اوپر کنت اٹھا کر راضی کر لیا ہے۔ برف پڑنے سے پہلے تم اپنے دشمنوں سے بدلہ لوگے اور ضرور لوگے۔ اس میں فرق آئے تو میں اپنا جپ تپ چھوڑ دوں۔ لیکن شانتی سے وقت کا انتظار کرو۔ جلدی میں کوئی کام سہل نہیں ہوتا۔ روحیں تمہیں آپ خبر دیں گی جب لڑائی کا سماں آئیگا گھبرانا نہیں چاہیے۔ آخر میں تم جیتو گے۔ آؤ باہر نکل کر آسمان کو دیکھیں۔ میں تمہیں اکاش پران روحوں کو دکھاؤں جو تمہارے قبیلے کی بھلائی برائی کے

لئے ہیں۔

اگیا بتیال نے اپنی جادو کی پوشاک پہنی اور قبیلے والوں کو ساتھ لے کر اپنے کھنڈر سے باہر آیا۔ بہت دیر تک گرد وغبار سے صاف نیلے نیلے آسمان کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ بے شمار چھوٹے بڑے نرل تارے جگمگا رہے تھے کسی کی آبی روشنی تھی کسی کی سرخ کسی کی زرد کوئی چمکیلا تھا کوئی مدھم۔ افق کی نچلی جانب گھیرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا کے جھونکے درختوں کے پتوں کو چھیڑتے اور گنگناتے نکل جاتے۔ شب بیدار جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

دیکھتے دیکھتے ایکا ایکی گرو نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور الٹ پلٹ بڑ بڑانگ کچھ بکنا شروع کیا۔ کوئی منتر پڑھتا ہوگا۔ سوا اس کے دوسرا کوئی کیا سمجھتا۔ جادو کی پڑھنت ایسی ہی ہوتی ہے۔ چند انمل بے جوڑ الفاظ خدا جانے کس زبان کے جن کو ایک خاص لب ولہجہ میں کچھ جادوگر ہی خوب ادا کر سکتے ہیں۔ اگیا بتیال کی اس وقت کی وضع اور گھڑی گھڑی اوپر، دائیں بائیں دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہوا اور فضا میں کوئی چیز تلاش کر رہا ہے۔ رات کے ایسے بھیانک سمے میں قبیلے والوں کو آسمان کی نہ جھپکنے والی آنکھوں سے ایک طرح کا دل کو تھرتھرا دینے والا ڈر سا محسوس ہوا لیکن وہ ہمت باندھے کھڑے رہے۔

کوئی دس منٹ تک یہ تماشا کر کے گرو اپنے غار میں چلا۔ سب اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اندر پہنچتے ہی اس نے قبیلے والوں کی طرف منہ پھیرا اور مہاتماؤں کی طرح بڑے وثوق کے ساتھ بولا۔ میں نے دیکھ لیا۔ اکاش دا دل سے باہر ہو گئیں۔ شکاری اب آرام سے سو سکتے ہیں۔ کل ایک ہوا کا جھکڑ آئے گا۔ جس میں روحوں کی آوازیں سنائی دیں گی اور پھر بیڑا پار ہے جو شخص

دل کا سورما۔ ہاتھ پاؤں کا مضبوط جس کی ٹانگیں بھاگنے میں ہرنوں جیسی ہیں وہ شکار کو جائے۔ وادیوں میں جنگلوں میں اور میدانوں میں بارہ سنگے گھوڑے پہاڑی بکریوں کے ریوڑ ملیں گے اور بیلوں کا گلہ اور اس کے ساتھ شاید بچار بھی آئے۔ بس اب جاؤ۔ تمہارے بستر تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ نیند بھر کے خوب سوؤ اور اطمینان سے اچھے اچھے خواب دیکھو۔"

قبیلے والے گرد کی ہر بات کو روحوں کا پیغام سمجھتے تھے۔ بغیر چون وچرا کئے چپ چاپ سر جھکائے رخصت ہوئے اور گرد ایک ہاتھ میں چھوٹا سا چراغ لئے دوسرے کو ہلاتا خاموش دھر اندر چلا گیا۔ چراغ کی لو اس کی رفتار کے ہچکولوں کے ساتھ حرکت کر رہی تھی اور اس کی پرچھائیاں غار کی دیواروں پر آگ کے دھوئیں کے بیچ میں روحوں کا ناچ دکھا رہی تھیں

میدان کی آگ

بعض پہاڑی علاقوں کے موسم عجب بے تکے ہوتے ہیں۔ گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ۔ نہ سردی کا اعتبار نہ گرمی کا۔ کبھی برف پڑتے پڑتے آگ برسنے لگتی ہے۔ کبھی لوئیں بج ہو جاتی ہیں۔ ہر جگہ بارش کی رت ہوتی ہے مگر وہاں بے رتی بھی ہونے لگتی ہے۔ اول رات نہ بادل تھے نہ آندھی پچھلے پہر ابر بھی گھر آیا اور سردی بھی خوب چمکی۔ دن نکلا تو پھر آسمان صاف تھا۔ دھوپ میں بلا کی تیزی آ گئی۔ جنوب مشرق سے ہوائیں آنی شروع ہوئیں۔ ایسی گرم اور اس قدر تیز گویا پہاڑ میں سے نکلتی ہوئی آگ کی چنگاریاں لئے آ رہی ہے کوئی گھنٹہ بھر بعد ہی دیکھتے دیکھتے گہرے سیاہ بادلوں نے آسمان کو چھپا لیا سورج

ابر کے پردے میں چھپ گیا۔ دور افق میں بجلی چمکی۔ کڑک اور گرج ہونے لگی روحیں لڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے پر آگ کے تیر چلا رہی ہیں۔ گولہ باری ہو رہی ہے۔ ایک دفعہ ہی بڑے زور کی کڑک ہوئی جیسے پہاڑ پھٹا۔ قبیلے والے اپنے اپنے غاروں میں بھاگ کر جا چھپے وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ غضبناک روحوں کی لڑائی کے وقت باہر رہیں۔ گردھی ....
پریشان تھا۔ اپنے بھٹ سے نکلتا۔ آسمان کو دیکھتا اور اندر گھس جاتا۔ اس نے بجلی اور کڑک کے لئے منتر جپنے شروع کئے۔ ایک ڈوری میں کسی لکڑی کا پتلا سا گجھرا باندھ کر اپنے سر کے چاروں طرف پھرایا۔ یہ جادو کی پھرکی تھی جس پہ کوئی جنتر بنا ہوا تھا۔ گویا اس نے اپنے گرد حصار باندھا یا امن کی جھنڈی ہلائی تاکہ لڑنے والی روحیں اپنے ہتھیار چلانے بند کر دیں۔ شکاری غاروں میں بیٹھ کر جلدی جلدی اپنے تیروں پر بجلی کی لہروں کی طرح کی لکیریں کندہ کرنے لگے۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے جب گرج اور کڑک ہوتی اپنے تیروں پر طلسم بناتے۔ ان کا خیال تھا کہ ان وقتوں میں جو تیر درست کئے جاتے ہیں وہ نشانہ خطا نہیں کرتے اور بجلی کی طرح چلتے ہیں۔

غاروں کے اندر سب سکڑے سمٹے خاموش اپنے کیلی منتر میں لگے ہوئے تھے اور باہر طوفان کا زور تھا۔ ہوا کے ایسے زناٹے کہ الامان تاریکی میں آنکھوں کو چندھیانے والی بجلی چمک رہی تھی۔ ایک شکاری نے ہمت کر کے غار سے نکل کر گردھی کے پاس جانا چاہا کہ دیکھے وہ کیا کر رہا ہے۔ لیکن ڈر کر الٹے قدموں پھر آیا۔ نرسنگھا قبیلے کا بڈھا سردار سب سے زیادہ گھبرایا ہوا تھا۔ اٹھنے کے لئے ہمکتا اور بیٹھ جاتا۔ آخر ایک دفعہ ہی اس نے اپنا بھالا سنبھالا اور بغیر کسی سے کچھ کہے سنے نکل کر گردھی کے غار میں پہنچا۔ گیا بیتال متوحش

صورت بنائے بیٹھا تھا۔ چونک پڑا۔

اگیا بیتال: "کیوں؟"

نرسنگھا۔ کل تم نے اچھے شکار کا یقین دلایا تھا کہ ایک ہوا آئیگی۔ ہر طرح سے جانور ملیں گے۔ روحوں کا ہمارے شکاری بگل بجے گا"

اگیا بیتال: "پھر کیا جھوٹ نکلا۔ کیا ہوا نہیں آئی۔ یہ بگل نہیں بج رہی ہے"

نرسنگھا: "یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن ہمارے لئے تو کوئی بھلائی نہیں بلکہ روحوں نے تو الٹی ہم سے برائی کی۔ میدان سے ہنکا کر ہمیں غاروں میں بند کر دیا"

اگیا بیتال: (تیوری چڑھا کر) جلد باز انسانو! تم بڑے بے صبرے ہو جن بھیدوں کو نہیں جانتے ان کی کرید اچھی نہیں۔ میں نے جو کہا تھا وہ بالکل سچ ہے۔ روحیں آپس میں لڑ رہی ہیں۔ کیوں؟ تمہاری خاطر میرے منتروں کے اثر سے۔ ان کی لڑائی تو ختم ہو نے دو"

نرسنگھا: (دبی زبان سے) یہ لڑائی کب تک رہے گی؟"

اگیا بیتال: "جب تک اچھی روحیں بری روحوں کو مار کر بھگا نہ دیں"

نرسنگھا: "اور جو بری روحوں نے اچھی روحوں کو بھگا دیا؟"

اگیا بیتال: "ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرے منتر ان کے ساتھ ہیں"

نرسنگھا: (مطمئن ہوکر) اچھا تو ہمیں صبر کے ساتھ اس لڑائی کا انجام دیکھنا چاہیئے"

اگیا بیتال: (آنکھیں چمکاتے ہوئے) ہاں۔ بس میں اب اپنے منتروں کی کمک بھیج رہا ہوں۔ لڑائی بہت جلد ختم ہو جائے گی بری روحیں بھاگنے والی ہیں۔ پھر شکار ہی شکار ہوگا"

اتنا کہہ کر گرو نے تو پیٹھ پھیر لی اور نرسنگھا اپنے غار میں آ گیا۔ آگیا بیتال نے جو کہا تھا قبیلے والوں سے دہرایا۔ پھر کوئی نہ باہر نکلا نہ کچھ بولا۔ سب چپ ہو گئے۔ وقت گزر رہا تھا۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک اور بادلوں کے گرجنے کی آوازیں لہریں لیتی گونجتی غار کے اندر آتیں۔ یہ دھڑکتے ہوئے دل سے سنتے اور دیکھتے اور کانپ اٹھتے۔ طوفان جس تیزی سے آیا تھا اتنا ہی جلد چلا گیا۔ ہوا اب بھی چل رہی تھی۔ لیکن خراماں خراماں، ٹھنڈی اور بھیگی ہوئی۔ آس پاس کی بارش نے اس میں خوشگوار اثر پیدا کر دیئے۔

قبیلے والے باہر نکلے۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔ اونچی پہاڑیوں کے قریب آگ کے شعلے دیکھے درختوں کے جھنڈ پر بجلی گری تھی۔ جنگل کا وہ گنجان حصہ جس میں چوپائے بسیرا لیا کرتے تھے دھڑ دھڑ جل رہا تھا۔ گرو کی جو آگ پر نگاہ پڑی تو بے تحاشا چیخا "بہادرو! کیا سوچتے ہو؟ اگنی ماتا نے تمہارے بھاگ کھول دئے۔ اکاش سے نیچے اتر آئی۔ اپنے اپنے بھالے تیر کمان لے کر دوڑو۔ روحوں نے شکار بھیجا ہے"۔ شکار کے دیوانوں کو گرو کا اتنا کہنا ہی سے بڑھ کر تھا۔ دوڑ پڑے۔ آگ اور پھر جنگل کی آگ، لگانے والا ہی بجھائے تو بجھائے وہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتی اور پھیلتی جاتی تھی۔ دور دور تک گھاس پھونس کی کیا حقیقت ہے۔ بڑے بڑے درخت آتش بازی کی ٹٹیاں بنے ہوئے تھے۔ ہمارے علاقے میں یہی ایک ایسا مقام تھا جہاں چرندے اور چھوٹے درندے دن کو چرتے رات کو بسیرا لیتے وہیں بجلی گری آگ لگی۔ ہرن بارہ سنگھے، گھوڑے، بھیڑیے، لومڑیاں، خرگوش نکل پڑے۔ دھوئیں سے اندھے گرمی میں گھبرائے۔ شعلوں سے ڈرتے چاروں طرف دوڑتے۔ جان بچاتے پھرتے۔ لیکن جان کہاں بچتی ہے لوگ

تھی۔ باہر آگیا بتیال کے چیلے کھڑے تھے۔ جو آگ سے بچ کر نکلتا اسے یہ نگوا لیتے۔

اللہ میاں بھی سچ تو یہ ہے کہ اللہ میاں ہی ہیں۔ سب کا مان رکھتے ہیں گروجی کی بات کس طرح بنائی ہے۔ ہوا بھی آئی روحوں کی آوازیں بھی سنیں رہا شکار وہ بھی ایسا ملا اور اتنا ملا کہ کبھی نہ ملا ہوگا۔ ریوڑ کے ریوڑ، گلّے کے گلّے ڈاریں کی ڈاریں تھیں۔ قبیلے والوں کو ایسا موقع خدا دے۔ تیر، برچھیاں، بھالے چلانی شروع کیں۔ جو جانور مرتے ان کا ایک طرف آگ سے ہٹ کر ڈھیر لگاتے جاتے گھنٹوں میں منوں گوشت ہی گوشت کا انبار لگ گیا۔ پورا بھنا بھنایا نہیں تو ایک آنچ کھایا ہوا ضرور تھا۔

قدرت کے کارخانہ کی باتیں کوئی کیا سمجھے۔ آپ ہی آگ لگائی۔ آپ ہی بجھانے کا سامان کر دیا۔ گھاٹیوں سے دھواں سا اٹھا۔ بادل بن گئے۔ پانی برسنے لگا۔ قبیلے والوں نے صنوبر کے درختوں کے نیچے پناہ لی۔ آگ بجھ رہی تھی اور وہ تماشا دیکھ رہے تھے کہ کڑک نا حق نے لگائی اور دھوند و کارنے بجھائی۔ بہرحال شکار بے مشقت ہاتھ آیا۔ بڑے زور کا چھینٹا تھا۔ ایک دفعہ ہی جو پڑا تو ساری وادی دھوئیں اور بھاپ سے بھر گئی۔ جانوروں پر یہ دوسری آفت آئی۔ بچے کھچے ادھر ادھر چھپے چھپائے جو بولا کر اندھا دھند بھاگے تو کھائیوں میں گر پڑے کسی کا سر ٹوٹا کسی کی ٹانگ۔ کوئی اوپر تلے گرنے سے کچلا گیا۔ بلی کے بھاگوں خوب چھینکا ٹوٹا۔

مینہ تھم گیا تو قبیلے والے اپنے شکار کئے ہوئے جانوروں کو دیکھنے چلے راستہ میں جس گھڑے جس کھڈ میں دیکھتے ہیں کہیں ہرن پڑے ہیں کہیں بارہ سنگھے۔ کہیں کوئی گھوڑا تڑپ رہا ہے۔ کہیں بکریاں ہیں ہیں کر رہی ہیں۔ ان کے مارنے میں کیا دقت تھی۔ ٹٹول ٹٹول کر ایک ایک کو ڈنڈوں سے

مار لیا۔ ادھر ہوا تو آسمانی افتاد نے پہلے ہی کر دیا تھا۔ غرضکہ شام تک کوئی ایک درجن بارہ سنگے دو کوڑی کے قریب ہرن اور پہاڑی بکرے مار لئے گھوڑے بھی آٹھ سات سے کم نہ ہوں گے۔ بھیڑیوں، لومڑیوں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جانوروں کی تو گنتی ہی کیا۔ لیکن وہ خونی نظر نہ پڑا نہ اس کا گلہ۔

ہنٹیا قبیلے کے پاس کوئی ایسی محفوظ جگہ تو تھی نہیں جہاں اتنے جانوروں کو اٹھا کر لے جاتے اور اطمینان سے گوشت وغیرہ کو بناتے۔ اس لئے انھوں نے سارے جانور ایک مقام پر اکھٹے کئے۔ چاروں طرف آگ سلگائی اور رات بھر چوکیداری کرتے رہے۔ صبح تک بیٹھے حفاظت کیا کئے۔ پھر بھی جنگلی جانور گوشت کی بو پر ستاروں کی طرح آنکھیں چمکاتے ہوئے آتے۔ داؤں گھات لگاتے۔ اور آگ کو دیکھ کر بھاگ جاتے۔

دوسرے دن صبح مرد، عورتیں اور بچے شکار کے جانوروں کی کھالیں اتارنے اور گوشت کا سرتا برتا کرنے میں لگ گئے۔ شکار بہت زیادہ ہوا تھا۔ دونوں کی خوراک تھی۔ ایسی صورت میں وہ بڑے بڑے ٹکڑے خشک کرنے کے لیے درختوں کی شاخوں پر ڈال دیتے اور نیچے آگ سلگا دی جاتی کہ مکھیاں نہ بیٹھیں اور سکتا بھی رہے چنانچہ اب بھی وہ اپنے اسی دستور کے مطابق کام کر رہے تھے۔ لیکن یہ ایک دن کام نہیں تھا۔ کوڑیوں جانور اور چھریاں چلانے والے گنتی کے کئی دن تک متواتر وہیں میدان میں پڑاؤ رہا غاروں کی صورت تک نہ دیکھی۔ جو لوگ کام کرتے۔ باقی ادھر ادھر جنگل میں نکل جاتے تو انھیں جھاڑیوں کے اندر پہاڑوں کے شگافوں میں جہاں تہاں ایسے جانور ملتے جو آگ سے جھلسے ہوئے تھے۔ یا بھاگڑ میں کسی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ کوئی پڑا سسک رہا تھا یہ انھیں بھی شکار کر لیتے۔ گوشت کا ذخیرہ

بڑھتا ہی جاتا۔ سکھانے سکھاتے بھی تھک گئے۔ الغرض موجیں آ گئیں۔ گرو سچا نکلا۔ سارے دن آنند کے تار بجاتے ساری رات جاگتے آگ کے گرد بیٹھ کر لڑائی، شکار، اور محبت کے گیت گاتے۔ مزے سے دعوتیں اڑاتے۔

آگ اور ڈھول کا بھید

دُم تڑاق، دُم تڑاق کی ایک نئی انوکھی آواز بہت دور سے گھاٹیوں کو لانگھتی، پھلانگتی آئی اور میدان میں گونجنے لگی۔ اگیا بیتال کا ڈیرہ وہیں اٹھو نیا والوں کا گرو اپنا ڈھول اس انداز سے نہیں بجاتا۔ پھر یہ کیا ہے۔ دونوں غاروں سے دور گرج کی دیوی تو اپنا نقارہ نہیں بجا رہی! لیکن اگر کوئی دیوی، دیوتا ہوتا تو آسمان سے آواز آتی۔ آسمان صاف ہے۔ بادلوں کی گرج میں نہ بجلی کا چوب دار۔ موسم کھلا ہوا۔ دن گرم۔ سورج کا چہرہ بے نقاب اور آج کا دن بھی سال کا سب سے بڑا دن ہے۔ یہ آواز روحوں کی نشانی نہیں ہو سکتی۔

سارے بیٹھیا والے اکٹھے ہو کر غور سے سننے لگے۔ پہلے متصل نقارے پر تین چوٹیں پڑیں۔ دُم تڑاق، دُم تڑاق، اس کے بعد دو، کڑم دھم، کڑم دھم دوسری وضع کی۔ پھر وہی تین۔ دم تڑاق، دم تڑاق، دم تڑاق، یہ آوازیں تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفے سے آ رہی تھیں۔ ہوا کا رخ سیدھا ہوتا تو زور کی آتیں۔ کوئی جھونکا رستہ کاٹ دیتا تو مدھم ہو جاتیں۔ بچے ڈر کر غاروں میں یا اپنی ماؤں کے پاس جا چھپے۔ ایک چھوٹی لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کوئی بولا "یہ معمولی ڈھول کی آواز تو نہیں ہے"۔

دوسرا: "ڈھول کی آواز میں ایسی گرج کہاں؟"
تیسرا: "ڈھول کہیں اس طرح بجا کرتے ہیں؟"
چوتھا: "ڈھول صرف قبیلوں کے گرو کے پاس ہوتا ہے۔ گرو اس وقت کیوں بجائے گا۔"
پانچواں: "اور وہاں اونچی پہاڑی کے اس طرف کسی گرو کا کیا کام؟"
چھٹا: "تم نہیں سمجھتے۔ زمین کے نیچے روحیں گڑ بڑ کر رہی ہیں۔"
ساتواں: "پہاڑ کہیں نہ پھٹ رہے ہوں؟"

جو جس کی سمجھ میں آتا کہتا۔ اصلیت سے سب بے خبر تھے۔ ایسی حالت میں پریشانی بہت بڑھ جاتی ہے کہ کوئی چیز ہو خوفناک اور نظر نہ آئے۔ قبیلے والے آخرکار ایسے ڈرے کہ میدان میں ٹھہرنا کٹھن ہو گیا بے سر و پا غار کی طرف بھاگے تنکتی اول اول تو اس اجنبی آواز کی ٹوہ لگاتا رہا کیونکہ بن باسی دیوی کے ہاں رہ کر وہ اپنے قبیلے والوں سے زیادہ ہوشیار ہو گیا تھا اور کچھ محبت کے طفیل اس میں بے جگری آگئی تھی۔ لیکن جب اوروں کو بھاگتے دیکھا تو باہر رہنے کی اسے بھی ہمت نہ ہوئی۔ ہمت کیوں کر ہوتی؟ شیر ہو، ہاتھی ہو، کوئی بلا ہو، کھلے تو سامنے آئے، سب مل کر لڑیں۔ جان دیں یا جان لیں۔ یہاں تو جانور تھا نہ دیو، کس سے مقابلہ کرنے کو ٹھہرتے آدھر ہی آواز تھی۔ کیسی آواز ہے؟ کس کی آواز ہے؟ کیا ہے؟ قیاس لڑاؤ وہ بھی وہمی عالم کے۔

غار میں داخل ہوتے ہوتے صلاح ہوئی کہ گرو سے پوچھنا چاہیئے۔ اس دم ترّاق کا بھید وہی بتائے گا اور سب غار میں گھسے اور تنکتی گرو کے پاس چلا جو کوئی دس پندرہ قدم ہٹ کر اکیلا رہتا تھا۔ ابھی قبیلے والے ٹک کر

بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ وہ الٹے قدموں دوڑتا ہوا آیا۔

شکتی :"(گھبرا کر تشویش ناک لہجہ میں) "وہ چلا گیا۔ وہ چلا گیا۔"

ایک شکاری : چلا گیا؟

دوسرا :" کیوں؟ کہاں؟"

تیسرا :" کب؟ صبح ہی تو جنگل میں میرا اس سے ملنا ہوا ہے وہ جادو کی بوٹیاں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔"

شکتی :" (ایک قسم کی بے چینی کے ساتھ)" بس جناب کہاں اور کیوں سے کیا بحث؟ وہ جاتے ہوئے تمہیں ملا ہوگا۔ جا کر پھر نہیں لوٹا۔ اس کے ہونے کے کوئی آثار نہیں۔ غار ویران پڑا ہے آگ بجھی ہوئی۔ الاؤ کے پتھر بالکل ٹھنڈے ہیں۔"

اس واقعہ نے قبیلے والوں کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ گرو کا اس طرح غائب ہو جانا اور اس کے چلے جانے کے بعد یہ نئی قسم کی آوازیں ضرور کوئی بھید ہے۔ اس بھید کا کھوج کون لگائے؟ کس کی پناہ ڈھونڈیں؟ سارے قبیلے والے کیا چھوٹے کیا بڑے ڈر کے مارے کانپنے لگے۔ سب کے سب یہ سمجھنے لگے کہ رات کی بھٹکنے والی روحیں زمین پر اترنے والی ہیں اور گرو ہم سے خفا ہو کر ہمیں ان کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ گیا ہے لیکن کرتے کیا۔ کوئی بس کی بات نہ تھی سوا اس کے کہ اپنے اپنے غار میں بال بچوں کو سمیٹ کر بیٹھ گئے ہتھیار اپنے پاس رکھ لئے۔ شکتی اور کئی چوٹ شکاری پہرا دینے لگے رات گئے پھر زور زور سے ڈم تڑاق ڈم تڑاق کی آواز آئی جو اونگھ رہے تھے۔ ان کی آنکھ بھی کھل گئی۔ ایک نے دوسرے کو ٹھوکنا شروع کیا۔ دم سادھے بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ غار کے باہر جھانک کر دیکھا تو اور

بھی اوسان جاتے رہے۔ دو پہاڑیوں پر ایک طرف آگ دہک رہی تھی جیسے سورج چمکتا ہے کان لگائے تو وہیں سے ڈم تڑاق ڈم تڑاق کی آواز بھی آتی معلوم ہوئی۔

رات بھر ہیشیا والوں نے سولی پر گزاری۔ اندر سے بولائے بولائے باہر آتے۔ باہر سے گھبرائے گھبرائے اندر جاتے۔ اللہ اللہ کرکے صبح ہوئی غاروں میں دن رات کا زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا۔ پہرہ داروں نے آواز لگائی "ہوشیار! خبردار!!" ایک دفعہ ہی ہڑبڑا کر سب اٹھ کھڑے ہوئے غاروں سے نکل نکل کر خنجروں، تیر کمانوں اور بھالوں سے لیس ہو کچھ چٹانوں پر اور کچھ جھاڑیوں کے پیچھے ہو بیٹھے۔ پہرا تیوں نے ہوشیار! خبردار!! کی آواز ڈم تڑاق کی گمک سے ڈر کر نہیں لگائی تھی بلکہ سامنے کی پہاڑی پر انھیں کچھ آدمیوں کی صورتیں نظر آئیں تھیں۔ اس قسم کے خطرے کی صورت میں وہ یہی آواز لگا کر قبیلے والوں کو اطلاع دیا کرتے تھے۔ ان کے ہاں یہ عام دستور تھا اور اس لئے سب مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔

پہاڑوں کے راستے پیچ دار ہوتے ہیں۔ دور سے آتا ہوا آدمی کبھی دکھائی دینے لگتا ہے کبھی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ ابھی سینکڑوں قدم دور تھا ابھی چکر کھا کر سامنے آ گیا۔ پہرے والوں نے جو شکلیں پہاڑی سے اترتے ہوئی دیکھی تھیں وہ اب کسی گھاٹی میں ہو رہی۔ ہر ایک کی ادھر ہی ٹکٹکی لگی ہوئی تھی۔ سب کا گمان تھا کہ دشمنوں کی کوئی جماعت ہے۔ اشوکیا والے ہوں گے وہی ہمارے دشمن ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر میں جب وہ موڑ کوٹے کر کے سامنے آئے تو دیکھا کہ دو آدمی ایک عورت کو بیچ میں لئے چلے آ رہے ہیں۔ تینوں کے چہرے زرد۔ جھرپائے ہوئے پڑنے لڑانے کا خیال بھی

نہیں۔ اپنی ہی حالت میں گرفتار ہیشیا والے ان سے کیا دبتے فوراً بے خوف وخطر سامنے آئے۔ پہلے اشاروں اشاروں ہی میں ایک نے دوسرے پر دوستی کا اظہار کیا۔ پھر کچھ کہا۔ لیکن کوئی کسی کی بات نہ سمجھا۔ ہیشیا والوں سے ان نوواردوں کی زبان الگ تھی وہ اپنی بولی بولتے یہ اپنی۔

زبان جہاں کام نہیں دیتی وہاں اشاروں سے مطلب نکالا جاتا ہے یہ نووارد کون ہیں کیا ہیں؟ معلوم کرنا ضروری تھا اس لئے اشاروں کی بھاشا بولی جانے لگی پتہ چلا کہ عورت کا بچہ کھو گیا ہے اور دکھیا اپنے شوہر کے ساتھ اس کی تلاش میں پھر رہی ہے دوسرا شخص ان کی ہمدردی میں ساتھ ہو لیا ہے۔ تینوں ایک ہی قبیلے کے ہیں۔

اجنبیوں میں سے ایک مرد (کچھ زبان اور کچھ اشاروں سے) کیا تم نے اپنے جنگل میں ایک تیرہ چودہ برس کے خوبصورت اور لمبے تڑنگے لڑکے کو دیکھا ہے؟ اسے اپنے قبیلے سے بچھڑے پانچ روز ہوئے۔ ہم بھی چار دن سے اس کی تلاش میں ہیں۔

نرسنگھا: " (ہیشیوں کا بوڑھا سردار) تمہارا قبیلہ کہاں ہے؟"

اجنبی: " (اشارہ کرکے) وہ جو اونچا پہاڑ دکھائی دیتا ہے اس کے نیچے شمالی میدان میں۔"

نرسنگھا: "ہم نے کسی کو نہ دیکھا نہ سنا۔ پر تم کسی اور طرف اسے ڈھونڈنے کیوں نہ گئے پیچھے جاتے۔ داہنے جاتے۔ بائیں جاتے۔ جنوب کی طرف کیوں آئے؟"

اجنبی: "ہم سے کئی شکاریوں نے کہا جو اس رخ شکار کرنے آئے تھے کہ انھوں نے دور سے دو اجنبی صورتیں دیکھیں جو ساتھ ساتھ تھیں۔

شکاریوں کو دیکھ کر دونوں جھاڑیوں میں چھپ گئے شکاری صرف ان کی جھلک دیکھ سکے۔ ان میں ایک کا حلیہ جو وہ بتاتے ہیں بالکل اس عورت کے بچے سے ملتا ہوا ہے۔"

عورت:۔ (غمگین لہجہ میں) میرا لڑکا چودھویں رات کا چاند ہے۔ ہمارے قبیلے کے سارے مردوں سے زیادہ خوب صورت۔ اس کے بال سورج بھگوان نے اپنی کرنوں سے بنائے ہیں۔ مٹی سے انھیں رنگنے کی ضرورت نہیں۔"

نرسنگھا:۔ اور تمہارے گرو نے کیا کہا۔"

اجنبی:۔ ہمارا گرو اسی روز سے نہیں ہے جس دن لڑکا غائب ہوا۔"

نرسنگھا:۔ کیا کہا؟"

اجنبی:۔ وہ چپکے سے چلے گئے۔ نہ جانے کہاں اور کیوں؟"

ہبشیا والوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔ بات بھی حیرت کی تھی اور جب انھوں نے اجنبی عورت کو آپ ہی آپ یہ کہتے سنا کہ" ایک ہمارا ہی گرو کیا۔ ان دونوں میں جو قبیلے ہمیں ملے سب کے گرو سنا کہ بھاگ گئے ہیں۔" تو اور بھی تعجب ہوا۔ ایک وقت میں سارے قبیلوں کے گرو فرار کیا حوروں نے گروؤں کی پنچایت بلائی تھی یا سب ایکا کر کے اپنے اپنے قبیلوں پر کوئی خاص قسم کی دھونس بٹھانا چاہتے تھے۔ آخر معاملہ کیا تھا ہر شخص اپنی جگہ خاموش، دل پر خوف طاری۔ کسی سوچ میں۔ سردار قبیلے والوں کو دیکھے۔ قبیلے والے اپنے سردار کا منہ تکیں۔ اجنبی دو چار منٹ کھڑے رہے۔ ہبشیا والوں کی ایسی سٹی گم ہوئی تھی کہ نہ عورت کے ساتھ کچھ ہمدردی کر سکے نہ مردوں سے کوئی اور بات کی۔ آخر وہ تینوں آگے بڑھ گئے اور انھیں

اپنی محویت میں کچھ خبر نہ ہوئی۔

سارا دن پریشانی میں گزرا۔ ایسی عجیب بات کبھی سننے میں بھی نہیں آئی تھی۔ سارے گرو ایک ساتھ چپ ہو گئے رات بھی اسی طرح بے چینی گزری صبح ابھی لوز کا تڑکا تھا۔ لوگ اپنی کھالیں لپیٹ رہے تھے کہ کسی نے آکر چپکے چپکے اپنے بوڑھے سردار نرسنگھا سے کہا۔ "گرو اپنے غار میں آگیا"۔

نرسنگھا۔ "آگیا؟ تم نے دیکھا!"

آنے والا۔ "ہاں! الاؤ کے پاس اکڑوں بیٹھا گوشت بھون رہا ہے"

دوسرا۔ (چونک کر) اگیا بیتال جیسا گیا تھا آگیا ہوگا۔ کب آیا؟"

آنے والا۔ "کون جانتا ہے کسی نے اسے آتے نہیں دیکھا"

تیسرا۔ "ہوا کی دیوی کی طرح وہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل سفر کرتا ہے"

آنے والا۔ "لیکن اتنے دن رہا کہاں؟"

چوتھا۔ "کسی کو کیا خبر۔ اسی سے پوچھنا چاہیئے"

نرسنگھا۔ "یہ بھلا کون پوچھ سکتا ہے۔ اس کے بھید وہی جانے نہ پوچھنے کی باتیں پوچھ کر اس کو دکھی کرنا ٹھیک نہیں"

شکتی نے بھی گرو کی آمد کا حال سنا۔ جو کچھ قبیلے والوں اور اس کے باپ میں باتیں ہوئیں وہ بھی سنیں اور تو اگیا بیتال سے پوچھ گچھ کیا کرنے جاتے کسی کا ہیاؤ نہیں پڑا۔ اپنے سردار کے منع کرنے سے چپ ہو گئے لیکن یہ بھرے قبیلے کے لاڈلے پوت، منچلے جوان، بن باسی دیوی کے منظور نظر، باپ کی آنکھ بچا، غار سے نکل گرو کے پاس جا دھمکے اور کہنے لگے ڈنڈوت مہاراج۔ بڑی دیا کی کہ پھر آ گئے۔ ہم نے تو جانا تھا کہ ہمیں چھوڑ دیا۔ کہیئے کہاں کا دورہ کر آئے"

گرو:۔ (شکتی کی طرف دیکھ کر) مہا دیو جی نے بلایا تھا۔"

شکتی :۔" (گرو کے اس مختصر جواب کو اہمیت نہ دیتے ہوئے) گرو جی! تم کو معلوم ہے کہ ہم پر کیا بپتا پڑی۔"

گرو:۔ (بے پروائی سے) پھر میں کیا کروں جیسی کرنی ویسی بھرنی۔"

شکتی :۔ (گرو کے سامنے آگ کے پاس اکڑوں بیٹھتے ہوئے) کل رات پہاڑیوں میں سے آگ کے شعلے بلند ہوئے اور ایسی انوکھی آوازیں آئیں کہ سارے قبیلے والے دنگ رہ گئے۔ ایسا تو ہمارے ہوش میں کبھی ہوا نہیں۔ آخر یہ کیا بات تھی۔"

گرو :۔ (آنکھیں چمکا کر تیوریاں بدلتے ہوئے) شکتی! یہ روحوں کے بھید ہیں۔ ان کی کریدا اچھی نہیں۔ تم میرے چیلے ہو اور اس لئے میں تمہیں جتانا چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں ایسی غلطی نہ کرو کہ روحیں ناخوش ہوکر تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کریں۔ سورج بھگوان اپنی بھسم کر دینے والی طاقتوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ تمہارا گرو انھیں دیکھ سکتا ہے اور اس کی آنکھیں ان جوتوں کو اپنے مطلب کا بنا سکتی ہیں۔ اے شکتی اپنی زبان کو اپنے منہ میں بند رکھ اور لوگوں سے کہہ دے کہ جو کچھ انھوں نے دیکھا اور سنا ہے بھول جائیں۔ روحوں کے کام میں ان کا دخل دینا اچھا نہیں وہ اگنی منی اور فرمانبرداری کریں گے اتنا ہی ان کے لئے بھلا ہوگا۔"

گرو کا لہجہ سخت تھا۔ اس کی صورت سچ مچ اگیا بیتا کی سی بن گئی تھی۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے چہرے پر شکنیں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے لکڑیاں جل جل کر بل کھا رہی ہیں۔ شکتی کانپنے لگا اور اسے جواب

میں ایک لفظ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس نے عاجزی سے سر جھکایا لیکن نگاہیں گمو پر جمی رہیں جس کے بازوؤں اور سینے پر معمول کے خلاف ایک عجیب قسم کے گول گول حلقے سے بنے ہوئے تھے جن کے بیچ میں لہریے دار لکیروں کا جال سا پڑا ہوا تھا۔

گرو: جاؤ بچہ۔ اس وقت یہاں نہ بیٹھو۔ اچھی بری سب طرح کی روحیں آرہی ہیں کسی کے جھپیٹے میں آجاؤ گے۔ اٹھو۔

شکتی خاموش اٹھ کھڑا ہوا۔ اگیا بیتال کے پاؤں کو ہاتھ لگائے اور الٹے قدموں ہٹتا ہوا غار سے باہر آگیا۔ اپنے قبیلے والوں کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھنا شروع کیا۔ شکتی نے گرو سے جو سنا تھا ان کے سامنے دہرا دیا۔ اور اس کے بعد کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ کوئی شخص بھی اس پر اسرار آگ یا دُم تڑاق کا ذکر کرتا یا اس اجنبی عورت اور دو مردوں کی نسبت کچھ کہتا جو اپنے سنہری بالوں والے لڑکے کی تلاش میں ادھر آنکلے تھے۔

کھال اُدھڑا ہوا بھیڑیا

چور جہاں تھا نگ لگاتے ہیں صرف خیال میں یاد رکھتے ہیں۔ بے ضرورت ادھر سے نہیں گزرتے مبادا خواہ مخواہ کسی کی نگاہ پر نہ چڑھیں۔ کوئی پھیرے پھیرے کرتا ہوا دیکھ کر شبہ نہ کرے اسی طرح شکاری جس جس جگہ جال پھیلاتا اور پھندے لگاتا ہے وہاں پھٹکتا تک نہیں تاوقتیکہ شکار پھنس نہ جائے ہر وقت کا تانکنا جھانکنا اناڑی پن کی دلیل ہے۔ جانور آدمی کی بو پاکر چوکنے ہو جاتے ہیں۔ پھنسا پھنسانا تو ایک طرف ادھر کا رخ

نہیں کرتے۔ بلکہ چیخ چیخ کر دوسرے انجانوں کو بھی ہوشیار کر دیتے ہیں وہ دور
بیٹھا ہوا جال کو دیکھتا رہتا ہے کہ کوئی جانور پھنسا یا نہیں۔ کبھی کبھی ایک آدھ
چکر بھی لگا لیتا ہے۔ لیکن مسافر کی طرح وہ بھی اس لئے کہ کوئی ایسا درندہ
نہ آ پھنسا ہو جو شکاری جانوروں کو بھڑکا دے۔ یہ لوگ تیر، خنجر اور برچھے سے
بھی لیس ہوتے ہیں تاکہ اگر کسی خطرناک جانور سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو مقابلہ
کر سکیں۔ اپنی جان بچائیں یا اسے شکار کر لیں۔

سردی کے موسم میں ٹھر کے سبب کھالوں میں لپٹے ہوئے ہونے
کی وجہ سے ہاتھ پاؤں اچھی طرح کام نہیں دیتے۔ نشانہ اکثر چوک جاتا ہے
مگر پھندے کب چھوڑنے ہیں۔ جانور پھنسے بغیر نہیں رہتے۔ ہاں پھندوں
کا ٹھیک موقع پر صحیح طریق پر لگانا ضروری ہے۔ اس زمانے کے شکاری ان
باتوں کے استاد ہوتے تھے پھر جنتر منتر کا بھی ان پر عمل کیا جاتا۔ ہر جنگلی جادو ٹونے
کا قائل تھا۔ تاہم بعض شکاری بدنصیب ہی رہتے ہر قبیلے میں دو چار ایسے
بھی ہوتے جو ہر شکار کے اہل نہ سمجھے جاتے۔ ان کی کمزوریاں مشہور رہتیں
مثلاً ہینیشیاوالے جانتے تھے کہ ان کے ہاں "گھگو" اسی قسم کا ہینا شکاری
ہے وہ کیسا ہی تیز اور چوکھا سہی کبھی لومڑی کو نہیں پکڑ سکتا۔ لومڑی اسے
ہمیشہ داؤں دے جائیگی۔ کیونکہ اس نے ایک مرتبہ لومڑی کی دیوی کا بری
طرح مقابلہ کیا تھا۔ بات یہ ہوئی کہ ایک روز وہ شکاری سے لوٹ رہا تھا راستے
میں کوئی لومڑی ملی اور کان کھڑے کر کے دیکھنے لگی۔ وہ اصل میں لومڑیوں
کی دیوی تھی "گھگو" اسے معمولی لومڑی سمجھا اور بجائے اس کی عزت کرنے
اس کو بھینٹ چڑھانے کیلئے اپنی کمان سے تیر چلانے شروع کر دیئے۔ وہ
کب چوٹ کھاتی۔ جو تیر پڑا خالی۔ یہ جتنا جھلاتا اتنا ہی وہ دل میں ہنستی اور

آہستہ آہستہ جھاڑیوں میں گھس کر غائب ہوگئی گر جاتے جاتے گھگو پر جادو کرگئی۔ وہ دن اور آج کا دل گھگو کو پھر لومڑی مارنا نصیب نہیں ہوا۔

گھیٹا اور ٹڑو دو اور ایسے ہی تھے۔ ان سے بھی اسی طرح کی حرکتیں سرزد ہوئیں تھیں۔ بارہ سنگے گھیٹے کو نہ پٹیاتے اور بھیڑے ٹڑو کو منہ چڑاتے ان میں سے ایک بھی کامیاب نہ ہوتا اور یہ روگ انھوں نے اپنے ہاتھوں مول لیا تھا نہ اپنی بہادری کے گھمنڈ میں غلطیاں کرتے نہ قبیلے والوں میں بدنام ہوتے۔ جنگلوں میں شکار کھیلنا ہنسی ٹھٹھا نہیں بڑے بڑے بھید ہیں نہ جانے کون سی روح کس روپ میں ہو۔ ذرا سی بھول کی اور مارا گیا۔ چوکا اور عمر بھر کے لیے گیا گزرا۔ روحوں کی عملداری میں انسانوں کی حکومت کیسی؟

یہ پھندے اور جال کچھ چھوٹے جانوروں کے لیے ہی لگائے نہیں جاتے بڑے بڑے چوپائے۔ گھوڑے۔ سانڈ۔ نیل گائیں وغیرہ کو پھنسانے کی تدبیریں ہوتیں۔ البتہ بڑے جانوروں کے جال ذرا مضبوط ہوتے اور ان کی نگرانی بھی ہوشیاری سے کی جاتی۔ ایک دفعہ ہیٹیا والوں نے بڑا جال لگا رکھا تھا رات کو کچھ گڑبڑ سی معلوم ہوئی۔ سمجھے کہ گھوڑوں کا گلہ آگیا ہے۔ ہنہنانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ چپ بیٹھے رہے کہ اندھیرا کم ہو تو جاکر دیکھیں اتنے میں غرانے اور دولتیاں مارنے کا شور مچا۔ مگر رات اندھیری تھی کسی کو جال کے پاس جانے کی ہمت نہ پڑی چند منٹ کے بعد خاموشی ہوگئی صبح ہوتے ہی پکتے جھکتے سب جال کے قریب پہنچے۔ جال میں ایک آدھا کھایا ہوا گھوڑا پڑا دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ایک جگادری بھیڑیا گوشت کا بڑا سا مچا منہ میں دبائے گھسیٹتا ہوا بھاگا جلا جاتا ہے۔

ہوا یہ کہ پہلے تو گھوڑوں کا گلہ پھنسا۔ پھر کہیں سے بھیڑے آپڑے لڑائی

ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا ایک گھوڑے پر انھوں نے قابو پالیا۔ باقی نکل گئے شکاری حد سے زیادہ جھلائے۔ جھلانے کی بات ہی تھی۔ کی کرائی محنت خاک میں مل گئی، جال کٹا پھٹا سو الگ اور جھوٹا جھاٹا گوشت بھی ملا تو جو ابیکار کھانے کے قابل اس وقت انھیں ایسا غصہ تھا کہ اگر کوئی بھیڑیا ہاتھ آجاتا تو کچا چبا جاتے لیکن وہ اپنا داؤں کر کے چلتے بنے تھے۔ ایک دکھائی بھی دیا تو دسے باہر سب سر جوڑ کر صلاحیں کرنے لگے کہ ان دشمنوں سے ضرور انتقام لینا چاہیئے اگر ان سے بدلہ نہ لیا تو یہ اسی طرح ہمارا شکار خراب کرتے رہیں گے۔

اپنے اپنے مطلب کی سوجھ بوجھ سب کو ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی زندگی ہی شکار پر تھی۔ اس لیے ان کے دماغ اس کی ترکیبوں میں خوب لڑتے تھے۔ سوچ ساچ کر ایک تدبیر نکالی۔ فوراً جال کے پاس ہی نکیلی لکڑیوں اور بجار کے مونڈھے کی ہڈیوں۔ ہرن اور بارہ سنگے کے سینگوں سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر میں دو آدمیوں کے برابر گہری اور خاصی پانچ پانچ سات سات قدم لمبی چوڑی ایک خندق سی بنا ڈالی۔ کھائی تیار ہوگئی تو اس پر لمبی لمبی پتلی پتلی لچکیلی شاخیں رکھیں۔ اس کے بعد مٹی ڈالی۔ پھر ہری ہری گھاس بچھائی۔ تازی دوب کا تختہ بنا دیا۔ اور سب کے اوپر گھوڑے کا گوشت اس طرح لگایا جیسے کوئی شکاری جانور کھا پی کر ابھی ابھی کہیں گیا ہے۔

یہ ترکیب ایک بڑے پرانے کھاپٹ شکاری نے نکالی تھی اور اس نے اپنے سامنے اس نئی قسم کے جال کو بنوایا تھا۔ منشا یہ ہوگا کہ کچھ تو گھوڑے کے گوشت کا بوجھ اور کچھ گوشت کی بو پر چھلانگیں مارتے ہوئے بھیڑیے کا حسب اس پر پڑے گا تو شاخیں دب جائیں گی اور بھیڑیے کا گڑھے میں گر کر قید

ہو جانا لازمی ہے۔ لیکن کیا اتنے بوجھ کو شاخیں سہارا نہیں سکیں گی اور بھیڑیا کود کر بھاگ نہیں جائے گا؟ سب اس سوال پر غور کر رہے تھے۔ آپس میں بحث بھی ہوتی جاتی تھی۔ آخر اسی کہنہ عمل شکاری نے اطمینان دلایا اور کہا گھبراتے کیوں ہو، میں نے سب باتوں کا اندازہ کر لیا ہے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، کسی بھیڑیے کو آنے دو۔ دیکھ لینا۔ ذرا سا بوجھ اور پڑا اور شاخیں وہیں اور بھیڑیا گڑھے میں پھر نہ وہ اچک سکے گا نہ یہ بھاگ سکے گا شاخیں اور مٹی اسے قید کر لیں گی۔

پرانے شکاری کی باتوں سے شکاری مطمئن ہو گئے۔ جھٹپٹا ہو رہا تھا۔ بھیڑیوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ سب اٹھ کر دور ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں سے وہ اپنے شکار کے پھنسنے کی سیر دیکھتے رہیں۔ انھیں اب تصور آ رہے تھے کہ جب بھیڑیا وہاں تر نوالہ دیکھ کر آئے گا اور لالچ میں گڑھے میں جا پڑے گا تو اس پر کیا گزرے گی۔ حرام خور تڑپ بھی تو نہیں سکتا۔ شاخیں پنجرا بن جائیں گی۔ ان خیالات میں مگن تاک لگائے کبھی ہنستے اور کبھی آپس میں اشارہ بازیاں کرتے۔

رات بھر اندھیری تھی۔ کئی دن کے لئے چندا ماموں بھی کہیں سیر سپاٹے کو چلے گئے تھے قبیلے والے اپنی کھودی ہوئی کھائی کے پنجرے میں بھیڑیے کے پھنسنے کا تماشا نہ دیکھ سکے صرف ان کے آنے، آپس میں لڑنے اور بھاگنے دوڑنے کی آوازیں سنتے رہے بے چین تھے کہ کب دن نکلے اور وہ جا کر دیکھیں بمشکل صبح ہوئی۔ ہر ایک بھیڑیے دان کی طرف بھاگتا ہوا چلا۔ گڑھے کی بناوٹی زمین دھنس گئی تھی گھوڑے کا گوشت غائب تھا خوشی کے مارے اچھلنے لگے ایک کو ایک ٹوکتا جھنجوڑ کر پوچھتا اور طرح طرح کی بولیاں

بولتے۔

ایک :"واہ رے گینڈے! خوب ترکیب نکالی"

دوسرا :"ٹہنیاں دہنیاں سب اندر جا پڑیں"

تیسرا :"گھوڑے کا دھڑ بھی نیچے چلا گیا"

چوتھا :"بڑا ہوشیار ہے مگر یہ تو دیکھو کہ اس میں کچھ ہے بھی"

پانچواں :"اور جو بھیڑیا نہ آیا ہو۔ اپنے آپ بھی تو یہ ڈھے سکتا ہے"

چھٹا :"اور یہ بھی تو ممکن ہے بھیڑیے کی جگہ کوئی دوسرا جانور ہو"

کچھ پکڑا گیا یا نہیں اور پکڑا گیا تو کیا؟ بغیر دیکھے کیا پتہ چلتا۔ جب تک گینڈا جس نے یہ ترکیب نکالی تھی نہ آجائے دیکھے کون؟ اتنے میں وہ بھی آپہنچا سب نے غل مچایا۔"گینڈے! دیکھ تیرا داؤں سچا رہا یا جھوٹا" گینڈے نے اوپر کی ٹہنیاں اپنے بھالے سے اٹھائیں اور بولا "سچا بیچ کھیت سچا۔ آؤ دیکھو۔" جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت موٹا تازہ بھیڑیا مٹی، گھاس اور شاخوں میں بری طرح دبا ہوا بے چین پڑا آنکھیں چمکا رہا ہے وہ گوشت کی بو پر دوڑتا ہوا آیا ہوگا۔ آتے ہی اپنے باوا کا مال سمجھ کر منہ مارا۔ شاخوں کو اس دھاکے کی کہاں تاب تھی نیچے چلیں ساتھ ہی بھیڑیئے صاحب بھی قلابازیاں کھاتے گھاس پھوس اور شاخوں میں الجھ کر جا رہے۔ گڑھا گہرا اوپر سے سکڑا اور نیچے سے پھیلاؤ میں ذرا زیادہ تھا۔ شاخیں آڑی ترچھی ہو کر اچھا خاصا پنجرا بن گئیں اور جناب بھیڑیئے دب کر رہ گئے۔

انسان سے زیادہ جانور اپنے دشمن کو پہچانتے ہیں۔ بھیڑیے نے اپنے شریر فنکاریوں کی بھیڑ دیکھی جھلایا تو بہت مگر اڑنگے میں پھنسا ہوا

ہوا تھا۔ اکس نہ سکا۔ دانت نکوسے اور مایوسی کے ساتھ گردن ڈال کر آنکھیں بند کرلیں۔ شکاریوں نے دور سے ڈھیلے پھینکانے شروع کئے، جلتی ہوئی لکڑیاں اس کی آنکھوں کے آگے لے گئے۔ بھیڑیا غراتا تک نہیں کسمساتا تڑپتا اور رہ جاتا اگر اس کا بس چلتا تو جست لگا کر ایک نہ ایک کو بھنبوڑ ہی ڈالتا۔ کسی نہ کسی کی ران یا چھاتی میں اپنے دانت گڑو ہی دیتا۔ قبیلے والے جلے ہوئے تھے کوئی تیر مارتا۔ کوئی بھالے کی نوک چبھوتا۔ جان سے مارنا مقصود نہ تھا بلکہ غرض یہ تھی کہ اسے کوئی ایسی سزا دی جائے کہ اس کی برادری ڈر جائے۔ اس لئے اس کے لئے نئی تجویزیں سوچی جارہی تھیں اور پھندے ڈال کر زندہ قابو میں لانا چاہتے تھے۔ تاکہ اپنی مرضی کے موافق اس کا سانگ بنائیں۔

دو تین شکاری اسی تاک میں برابر پھندے ڈال رہے تھے۔ آخر انھوں نے بھیڑئے کا ایک پاؤں اور گردن پھانس ہی لی اور وہ ہاتھ پاؤں مارنے سے پہلے تانت کے پھندوں میں جکڑ کر بے بس ہوگیا۔ جب اس کے دانت اور پنجے چلانے کا خطرہ نہیں رہا تو کھینچ کر گڑھے سے باہر نکالا۔ سارے شکاری اس کے گرد جمع ہوگئے۔ مثل مشہور ہے کہ بندھا ہوا مار خوب کھاتا ہے۔ بیچارہ بچوں تک کی مار کھانے لگا۔ کوئی ہنستا۔ کوئی گالیاں دیتا۔ کسی نے اس کی آنکھ پر لکڑی ماردی۔ کسی نے بال نوچ لئے۔ ایک آتا دم پکڑ کر کھینچتا۔ دوسرا چھری چبھو دیتا۔ غریب کو ستا مارا۔ اس کے بعد ایک قصائی شکاری تیز دھار والے چقماق لے کر بھیڑئے کے پاس آبیٹھا اور بڑی پھرتی کے ساتھ بھیڑئے کی کھال سینے کی ہڈی سے لے کر دم تک چیر ڈالی اس صفائی سے کہ گوشت پر چرکا تک نہ آیا۔ بات یہ تھی کہ وہ فقط اس کی کھال کھینچنی چاہتا تھا۔ تاکہ جنگل میں وہ اپنی برادری والوں کے سامنے ننگا ہوکر جائے اور تکلیف سے بلبلاتا پھرے، گوشت کاٹ

ڈالنا تو کام تمام ہی نہ ہو جاتا۔
ایک شکاری۔ ہنس کر "ساری کھال اتار لی ارے میاں ایسا بھی کیسا اندھیر ہے۔ بیچارے کو سردی جو لگے گی۔ اچھا ٹانگوں کی کھال تو رہنے دو۔ کم از کم ٹانگیں ہی گرم رہیں۔"
دوسرا۔ "ٹھیک تو ہے۔ نچلا حصہ تو ننگا نہ ہو۔"
تیسرا۔ "اور سر کی کھال کا کیا ارادہ ہے؟"
چوتھا۔ "اسے بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ گیت گائے گا۔"
پانچواں۔ "ہمیں تو ایک بھیڑئے دار کی ضرورت ہے۔ آواز ہی نہ نکلی تو کس کام کا کھال اتارنے والے کا منشا بھی بھیڑئے کو مارنے کا نہ تھا اور سر کی کھال اگر کاٹ ڈالتا تو اس کی زندگی مشکل تھی۔ لہٰذا اس نے ٹانگیں بھی ویسی کی ویسی رہنے دیں۔ اور گردن کی کھال بھی گولائی میں کاٹ کر چھوڑ دی۔ اب باقی جسم کی کھال اترنے لگی۔ بھیڑئے نے بڑا غل مچایا۔ بہت غش کی مگر جلاد برابر چھری چلائے گیا۔ بہت سے مضبوط ہاتھ اسے پکڑے ہوئے تھے۔ اور تماشائیوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ وہ بے چارہ ہاتھ پیر بھی نہ مار سکا۔ کھال اتارنے والا اپنا کام کرتا جاتا اور ہنکارے کے ساتھ کہتا جاتا "کچھ مزہ آیا؟ گرمی کے دن ہیں دھوپ کیسی تیز ہے کھال کی کیا ضرورت بھیڑیے! اڑاکو بھیڑئے خوش ہو کہ ہم نے تجھے ہلکا کر دیا۔ شکر کرو کہ سردی کا موسم نہیں۔ موج اڑا۔ سہانی سہانی ہوا کھا۔ پھر جلد نہیں مرے گا۔ ہاں جاڑا ہوتا تو شاید کچھ تکلیف ہوتی (قہقہہ لگا کر) تکلیف کیا، رات بھر میں ٹھٹھر کے رہ جاتا مگر ہم تیرا تماشا کس طرح دیکھتے؟ یہ ہماری مہربانی ہے۔ تیرا جی چاہے ہمارا گن مان یا نہ مان۔ خیر اب ہم تجھے چھوڑے دیتے ہیں جا میدان میں ناچتا گاتا پھر۔"

کھال اتار لی گئی اور پھر لال لال گوشت کا لوتھڑا سا رہ گیا۔ کوئی انجان دیکھتا تو ڈر جاتا کہ یہ نئی قسم کا کیا جانور ہے۔ منہ اور ہاتھ پاؤں دیکھو تو بھیڑیا اور بدن گوشت کا بوٹا۔ بھیڑیا چھوٹنے کو تو اب چھوٹنے والا تھا مگر عجب حال میں نہ مرا نہ جیتا جسم کے سارے پٹھے برہنہ ہو کر فالج مارے ہوئے اعضا کی طرح کپکپا رہے تھے۔ غریب بے زبان کی تکلیف کا کچھ ٹھکانا ہو گا۔ غرانے کی آواز بھی پوری نہیں نکلتی تھی۔ دانت دکھاتا اور تیں قال کر کے آنکھیں بند کر لیتا۔

آخر بھیڑیے کی گلو خلاصی کا وقت آ گیا۔ گلو خلاصی کیسی تڑپ تڑپ کر مرنے کا کہو۔ کھال اتارنے والے شکاری نے کھڑے ہو کر آواز سے کہا "بھائیو ہوشیار بھیڑیے کا بچہ چھوٹتا ہے"۔ یہ سن کر عورتوں نے چھوٹے بچوں کو گودوں میں اٹھا لیا۔ اور سب شکاری دور ہٹ ہٹ کر اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کھڑے ہو گئے ایک آدمی نے چقماق کی ضرب سے اس کے بند کاٹ دئے۔ بھیڑیا لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ سورج کی شعاعیں اس کے گوشت پر تیروں کا کام کر رہی تھیں تلملا یا جاتا تھا۔ مکھیوں کے چھتے کے چھتے اس پر ٹوٹ پڑے۔ مگر دو عیاروں نے مرچیں چھڑک دیں۔ اس کی آنکھیں غصہ میں لال ہو گئیں۔ وہ میدان کی طرف چلا۔ چلتا اور رکتا۔ پھر بیاں لیتا۔ اچھلتا۔ درد سے چلاتا۔ نرم نرم گھاس کانٹوں کی طرح چبھتی۔ بھاگتا تو مکھیوں کے جھلڑ ساتھ ہو لیتے ٹھہرتا تو چمٹ لپٹ جاتیں۔ وہ تکلیف اور بے بسی کی حالت میں طرح طرح کی آوازیں نکالتا۔ وحشی قبیلے والے دیکھ دیکھ کر قہقہے لگاتے۔ بچے عورتیں تالیاں بجاتے۔ شکتی نے پکار کر کہا۔ گویا بھیڑئے کو سنایا۔ "بڑے بھائی پہلیں سلام تو کرتے جاؤ۔ دیکھو ہم نے جادو کے زور سے تمہیں کیا بنا دیا ہے۔ تم اس بہادر سے بھی زیادہ خوب صورت ہو گئے جسے زرد مٹی سے رنگتے ہیں۔ اب تمہارے

قبیلے والے تمہیں اپنا سردار بنالیں گے۔"

غریب بھیڑیا، بھیڑیا کاہے کو بھیڑیے کی بیچا کہنا چاہیئے۔ مکھیوں
بھاگتا دھوپ سے تلملاتا۔ گھاس پہ اچھلتا، جھاڑیوں کی کھڑبیچ سے بچتا
پڑتا چلا جاتا تھا۔ اس کے بدن میں چنگاریاں لگی ہوئی تھیں۔ قبیلے والے
دیکھنے کے لئے پیچھے پیچھے تھے۔ سامنے ایک نالا آیا گھبرا کے اس میں گر پڑا
خوب ڈگڈگا کر پانی پیا۔ تکلیف نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ دو چار غو
کھا کر نکلا۔ تکلیف لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی تھی۔ کئی دن رات یہی سلسلہ ر
کی درد بھری چیخیں اور قبیلے والوں کے قہقہے۔ دوسرے بھیڑیے ا
عجیب الخلقت بھائی کو دیکھتے اور بھاگ جاتے۔ وہ اس جنگل ہی سے ک
دور چلے گئے۔ کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ شکاریوں کے غار تک آ کر بھی
چوتھے روز شام کے قریب بھیڑیے کی آوازیں ختم گئیں اور نالے کے
میدان کے اوپر کوے اور چیلیں منڈلاتی دکھائی دیں۔ بھیڑیا تکلیفوں کی
تاب نہ لا کر مر گیا تھا اور اس کی کریا کرم ہو رہی تھی۔

مرگ آرسنی والوں کا ایلچی

بھالو بھٹ سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر میدان کی طرف پہاڑو
دروں میں ایک اجنبی آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ پورا اونچی بنا ہوا تھا۔ بدن
لپٹی ہوئی۔ چہرے پر سرخ اور سفید رنگ کی لکیریں۔ لڑائی کے سارے
سے مسلح۔ اس کی سیاہ کھال کی ڈھال پر جادو کے طلسم بنے ہوئے۔
[illegible] ایک ڈنڈا خم کھایا ہوا۔

کے سینگ کا خنجر۔ سر پر ہرن کا چہرہ سینگوں سمیت اس نے اپنے کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ ورانہ بے جھجک کندھے پر بھالا رکھے۔ سفید لومڑی کی دم کا پھریرا اڑاتا آگے بڑھتا چلا آیا۔ عجیب! بڑا جیوٹ ہے۔ اس وحشی زمانے میں 'اکیلا' غیر علاقے کو پار کرنا۔ دشمنوں سے نہ ڈرنا اور بے پروائی کے ساتھ بڑھے آنا۔ حیرت کی بات تھی۔

ہیشیا والے جو جنگل میں ادھر ادھر گشت کر رہے تھے ایک نئی صورت دیکھ کر ٹھٹھکے ہو گئے اور اپنے اپنے بھالے سیدھے کر کے اس کی طرف بڑھے کہ اگر کوئی دشمن ہے تو یہیں کا یہیں ٹنگوا لیں۔ نو وارد ان کے ارادے کو سمجھ گیا اور جہاں تھا وہیں رک کر ہاتھ کے اشاروں اور اپنی بولی میں ہیشیا والوں سے ٹھہرنے کو کہا۔ پھر اپنا بھالا زمین پر رکھ دیا۔ بازو اوپر اٹھا کر دوستی کا اظہار کیا گویا وہ لڑنے کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ اس کی آمد دوستانہ ہے۔ ہیشیا والوں نے بھی اپنے برچھے نیچے کر لیے اور اپنی بولی میں کچھ کہتے ہوئے اس کے زیادہ قریب آ گئے۔

اجنبی کے پاس کوئی چیز جنتر منتر ہو یا سلامتی کا نشان ایسی ضروری تھی جس کے بل بھروسہ پر وہ اس قدر نڈر تھا اور اسے ہیشیا والے سارے دوست نظر آتے تھے۔ شکتی نے اس کو غور سے دیکھا۔ او ہو ہو تو بن باسی دیوی کے ساتھیوں میں کا شکاری ہے اور ان دو میں سے ایک جنھوں نے ریچھنی کی لڑائی کے بعد اسے بچایا تھا۔ اس کا دل بے طرح دھڑکنے لگا۔ سارے پچھلے واقعات سامنے آئے۔ بن باسی دیوی اس کے دل کا دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ اسے اجنبی کا نام 'سیال' بھی یاد آ گیا۔ اجنبی نے بھی شکتی کو پہچان لیا اور بغیر کچھ کہے ریچھ کا دانت جو چلتے وقت شکتی نے بن باسی دیوی کو اپنی نشانی اور حلف

وفاداری کے طور پر دے آیا تھا اپنی کمر سے نکال کر شکتی کو دیا۔

شکتی:- (دانت کو دیکھتے ہی بیقرار ہو کر) تم کہاں سے آئے؟ کیا مرگ آ
قبیلہ کسی خطرہ میں ہے۔ جلدی بتاؤ۔"

نو وارد:- "ہم بڑے دکھ میں ہیں۔ ہم پر بڑی بپتا پڑی ہے۔"

شکتی:- "کیا ہوا۔ کیا ہوا۔"

نو وارد:- "ہم بڑی خوشی سے میدانوں میں اس طرف بڑھے چلے آرہے
شاید بن باسی دیوی تم سے جلد ملنا چاہتی تھی کہ ایک چور بدمعاش گ
نے ہم پر اچانک حملہ کر دیا۔ کچھ ہمارے مردوں سے ہشت مشد
کرنے رہے باقیوں نے عورتوں کو گھیر لیا۔ اندھیری رات۔ بے سا
دگمان حملہ، ہم لڑتے یا عورتوں کی حفاظت کرتے۔ آخر وہ زبردس
ہماری تین سب سے اچھی، بے بیاہی، جوان، خوب صورت عور
کو بھگا کر لے گئے۔"

شکتی:- "اور تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے مرد لڑے نہیں؟"

نو وارد:- "جتنا لڑ سکتے تھے لڑے۔ سخت مقابلہ ہوا۔ ہمارا گرو بھی لڑ
لڑتے مارا گیا۔"

شکتی:- "مسترا اب کون چنتا ہوگا؟"

نو وارد:- "افسوس، کوئی نہیں۔"

شکتی:- "اور۔ اور؟"

نو وارد:- "سارے قبیلے والے زخمی ہوئے۔ ہماری بہادر سردار بن با
دیوی کی ٹانگ میں بھی ایک تیر لگا۔"

شکتی:- "(بے چین ہو کر) ... (illegible) ... رہتا؟"

نو وارد :- "شاید نہیں۔ وہ صرف لنگڑا کر چلتی ہے۔ اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔

تشکتی :- "کیوں ؟"

نو وارد :- "اس لئے کہ موسم بہار کے شروع میں جب تم ہمارے خیموں میں سوئے تھے۔ ہم نے تم کو اپنا مہمان بنایا تھا اس وقت کا وعدہ یاد دلایا جائے۔"

تشکتی :- (ریچھ کے دانت کو اس ہاتھ سے اس ہاتھ میں لیتے ہوئے) صرف اسی نے؟"

نو وارد :- "نہیں اکیلی بن باسی دیوی ہی نے نہیں دوسرے بہادروں نے بھی۔"

تشکتی :- "تو پھر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں ؟"

نو وارد :- "تم نے ہمارے سارے قبیلے کے سامنے جو وعدہ کیا تھا' وقت آ گیا ہے پورا کرو۔ انھوں نے ہماری' ہماری طاقت' ہماری تعداد' اور سب سے بڑھ کر ہماری سردار عورت کی بڑی ہنسی اڑائی ہے۔"

تشکتی :- "ہنسی اڑائی ! بن باسی دیوی کی ؟"

نو وارد :- "ہاں دور تک ہنستے ہوئے گئے۔"

تشکتی :- "پھر ؟"

نو وارد :- "ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے قبیلے کے بہادروں کی مدد سے ان کی چوری' سینہ زوری' بدمعاشی' ہنسی اڑانے کا مزہ چکھائیں اور جھاڑوپ والوں سے پورا بدلہ لیں۔"

جھاڑوپ کا نام سن کر جھتیا والوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں انتقام کی چمک پیدا ہو گئی۔

تشکتی :- (اپنا شک رفع کرنے کی غرض سے) کیا اشوبیا والوں کا ذکر کر رہے ہو ؟"

نو وارد :- جی ہاں۔ وہ ایک چوڑے چکلے غار میں رہتے ہیں۔ جوان پہاڑوں

بین سب سے بڑا ہے۔ میں نے ان لیٹروں کا پیچھا کیا تھا۔ ان کے رہنے کی جگہ دیکھ آیا ہوں۔ بعث کے باہر ستاروں کی طرح آگ کے شعلے چمک رہے تھے۔"

شنکتی:۔ (غصہ میں اپنے قبیلے والوں سے مخاطب ہو کر) میرے شیرو۔ اب بھی تمہیں کچھ شبہ رہا؟ وہ ضرور اشوئیا والوں کا قبیلہ تھا۔ اس جنگل کے بھیڑئیے وہی ہیں۔ بن باسی دیوی پر اس بہادر عورت پر جس نے تمہارے سردار کے بیٹے کی جان بچائی۔ اس کو اپنے تنبو میں مہمان رکھا۔ اس کی مردوں سے زیادہ عزت کی۔ ایسی بزدلی کا سلوک تم گوارا رکھتے ہو۔ وقت آگیا ہے کہ ہم ہمنتیا والے ان کی دغا بازیوں کا جوانھوں نے کئی دفعہ ہمارے ساتھ کی ہیں اور مرگ آسنی قبیلے کی عورتوں کا اغوا کیا ہے ان سب بدعتوں کا بدلہ لیں۔

کنواری لڑکیوں کو بھگا کر یا چھین کر لے جانا۔ ان قبیلوں کی رسم میں داخل تھا۔ ان کے بیاہ کے ایسے قاعدے تھے۔ لیکن عام طور پر اس طرح کی چھینا جھپٹی نہیں ہوتی تھی۔ اول تو کچھ دے دلا کر لے جاتا اور اگر لین دین سے کام نہ چلتا تو زبردستی کی نوبت آجاتی تو پھر دونوں قبیلوں کے گرو مل کر سمجھوتہ کرا دیتے۔ ورنہ ایسی صورتوں میں جیسی مرگ آسنی اور اشوئیا والوں میں پیش آئی اکثر لڑائی کھڑی ہو جاتی۔ کیونکہ یہ رسم ایک دادا کی اولاد والے قبیلوں میں رائج تھی نہ کہ غیروں میں۔

ہمنتیا والے اشوئیا والوں سے جلے ہوئے تو تھے ہی۔ بن باسی دیوی کے ایلچی نے اور آگ لگا دی مرگ آسنی والوں کے ساتھ جو انھوں نے ایسی ذلیل حرکت کی اس پر انھیں بہت غصہ آیا۔ ادھر شنکتی کو بن باسی دیوی کے زخمی ہونے کا ملال۔ محبت کا جذبہ سارے جذبوں کو پرے بٹھا دیتا ہے۔ اس نے ہمدردی

میں آکر کہہ دیا:" بہادر سیال! جا۔ اپنے قبیلے والوں سے کہہ دے کہ ہتیسیا والے اپنے وعدے کو نہیں بھولا کرتے۔ ان کا بچہ بچہ تمہارے دم کے ساتھ ہے۔ ہمارے سارے بہادر تمہارا انتقام لینے کے لئے ہتھیار اٹھانے کو تیار ہیں۔

نوارد:" میں کہاں جاؤں وہ چلے آرہے ہیں۔"

تنکسی:" اچھا تو آؤ۔ ہمارے ساتھ غار میں چلو۔ جب تک تمہارے قبیلے والے آئیں تم کچھ کھاؤ پیو۔ آرام کرو۔"

نوارد:" ہمارا قبیلہ زیادہ دور نہیں۔ سامنے والی پہاڑی کی مغربی گھاٹی تک ہم سب ساتھ تھے وہ سب تمہاری حفاظت میں پناہ لینے آئے ہیں ہماری سردار بہت عقلمند ہے۔ اس نے مجھے قاصد بنا کر بھیجا اور میں تمہاری دی ہوئی نشانی لے کر تمہارے پاس آیا۔ میں تم سے ملا۔ میں نے دیکھ لیا کہ تم سچے، تمہاری روح سچی اور تمہارا دل سورج بھگوان کی جوت سے جگ مگ جگ مگ کرنے والا ہے۔ وہ میری اطلاع کے منتظر ہوں گے اگر تمہاری مرضی ہو تو ہماری عورتیں اور بچے تمہارے غار میں رہیں۔ ہم الگ اپنے تمبو تاننے نہیں چاہتے۔ جب تک ہم لڑائی سے واپس آئیں بغیر تمہاری حفاظت کے ان کا کہیں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔"

عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا سوال ایسا دل زمانے اور طبیعتوں کو گرمانے والا تھا کہ تنکسی کے سارے قبیلے والے یک زبان ہو کر بولے "لاؤ انھیں جلد لاؤ۔ وہ ہماری عورتوں اور بچوں کے پاس رہیں گے اور جب تک انھیں امن نصیب نہ ہوگا ہمارے الاؤ کی آگ ان کی حفاظت کرے گی۔"

ادھر سے مطمئن ہو کر سیال نے ایک اونچے ٹیکرے پر چڑھ کر اپنے

قبیلے والوں کو خبر دینے کے لئے آگ سلگائی اور اس کے دھوئیں سے انھیں امن وحفاظت کی خوشخبری دی۔ تھوڑی دیر میں نرسنگوں اور سنکھوں کی آوازیں آنے لگیں اور اس کے بعد کھلے میدان میں مرگ آسنی قبیلہ قطار باندھے ہوئے آتا نظر آیا۔ مرگ آسنی قبیلے والے کیا عورت کیا مرد، دوسرے ادھر بسے ہوئے قبیلوں کی نسبت زیادہ دیدار و اور مہذب تھے۔ مرد دراز قد چوڑے سینے، سڈول بدن، سفید رنگ، عورتیں بھی ملند بالا، مضبوط، ناک نقشے سے درست۔ ان کے مردوں کے چہروں اور بالوں پر زرد مٹی ملی ہوئی تھی جس نے ان کو خاصہ بارعب کر دیا۔ تھا وہ لڑائی کے لئے ہتھیاروں سے سجے ہوئے تھے۔ کھال کی بڑی بڑی ڈھالیں کئی رنگ سے رنگی ہوئی ہاتھوں میں تھیں۔ ہیشیا والے ان بہادروں کی سج دھج دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔

مردوں کے بیچ میں عورتیں بچوں کو لئے کوئی انگلی پکڑے کسی کی گود میں کسی کے کندھوں پر۔ بڑی متانت سے چلی آتی تھیں۔ بن باسی دیوی لکڑی کے سہارے لنگڑاتی لنگڑاتی ہوئی آگے آگے۔ وہ اپنے ہتھیاروں سے مسلح اور سرداری کا تاج اور تمغے لگائے ہوئے تھی۔ بکتی نے اسے دیکھ کر اپنے قبیلے والوں سے اونچی آواز میں کہا۔ "ہیشیا کے بہادرو! یہ جو آگے آگے تم دیکھتے ہو۔ یہی بن باسی دیوی، مرگ آسنی قبیلے کی سردار عورت ہے۔ اسے عورت نہ جانو سچ مچ کی دیوی ہے۔ ہزاروں بہادروں کی روحوں نے اس اکیلی میں جنم لیا ہے۔ اس نے مجھے بچایا۔ صرف ریچھنی کے پنجے سے نہیں بلکہ اپنے قبیلے والوں سے بھی اس کے ہم پر بڑے بڑے احسان ہیں۔ کیا تم ان احسانوں کو بھول جاؤ گے؟"

جواب میں بہت سی آوازیں آئیں "نہیں! ہم احسان کا بدلہ احسان

سے دیں گے۔ انھیں ہیشیا کے پوتوں کی شرافت پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔" اور انھوں نے اِن نئے قبیلے والوں کو کسی قدر حیرت سے تو دیکھا لیکن اب ان کی آنکھوں میں حقارت کی جگہ ہمدردی و محبت تھی۔ وہ تازہ وارد کرنجی آنکھوں والے قبیلے کی خودداری اور چال ڈھال سے متاثر تھے۔ ہیشیا والوں نے ان کو تعجب سے یوں دیکھا کہ دونوں قبیلوں کی شکل و شباہت، قد و قامت میں بڑا فرق تھا۔ ان کے چہرے زرد کلونس لیئے ہوئے۔ وہ گورے چِٹّے۔ ان کے اعضا سانچے میں ڈھلے کسی کی اونچائی چھ فٹ سے کم یہ ٹھگنے، خط و خال بھی بے ڈھنگے۔ البتہ بدن گٹھیلے اور صورتیں خونخوار۔ صرف ایک شکتی ہی کی اس سارے قبیلے میں ایسی ہستی تھی جسے رنگ، روپ، قد اور شکل میں ان کا جوڑ کہہ سکتے۔

مرگ آسنی قبیلے والے آہستہ آہستہ چلے آرہے تھے۔ جب نزدیک آگئے تو شکتی نے بڑھ کر اپنا بھالا زمین پر ٹکایا۔ تن کر کھڑا ہوا۔ اور بن باسی دیوی سے کہا" روحوں کی بے پاک دیوی! آؤ آؤ!! ہم تمہارے آنے سے بہت خوش ہیں۔ تم نے اور تمہارے قبیلے والوں نے میرے ساتھ جیسا اچھا سلوک کیا ہے اس کو میں نہیں بھولا۔ سورج بھگوان نے تم کو ہمارا مہمان بنا کر بھیجا ہے تمہارے دکھ سکھ اب ہمارا دکھ سکھ ہیں۔ ہم خون کی قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ آتسو بیا والوں سے ضرور لڑیں گے۔ دیکھ لو ہمارا ہر جوان ہتھیار باندھے تیار ہے۔"

شکتی کے جواب میں بن باسی دیوی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف اپنا بھالا زمین پر گاڑ دا ہنا ہاتھ بائیں اور بایاں داہنے بازو پر رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ اب دونوں قبیلے جل وادی میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ جل وادی چاروں طرف سے ایک چھوٹی سی نشیبی زمین تھی جس کے ایک سرے

پر بھالو بسٹ تھا ۔ اس میں کبھی برساتی پانی جمع ہو جاتا ہوگا ۔ ہتیا قبیلے کا بوڑھا سردار نرسنگھا غار کے دہانے پر اندر کی طرف بیٹھا چقماق ٹھیک کر رہا تھا ۔ اس نے جو لڑائی کے گیت اور نئی نئی قسم کی بولیاں سنیں چوکنا ہوگیا دو چار شکاری جو بسٹ کی حفاظت کے لئے آس پاس تھے شور سن کر آگئے اور اپنے اپنے ہتھیار سنبھالنے لگے ۔ عورتیں بچے لے کر غار کے اندرونی حصہ کی طرف بھاگیں ۔ اتنے میں شکتی نے آواز لگائی " باپ ! ہتیا والوں کے بڑے بوڑھے !! یہ مرگ آسنی قبیلہ ہے ۔ ان کی کیری کیری آنکھوں ۔ بھورے بھورے بالوں سے تم پہچان لو گے کہ اس علاقے میں نئے آنے والوں میں سے ہیں ۔ ہم ان کے ساتھ مل کر اشوریا کے بدمعاش سے لڑیں گے "۔

شکتی کی یہ آواز غار کے دھر اندر تک پہنچی ۔ قبیلے کی عورتیں جو لڑائی کے ڈر سے چھپ گئی تھیں باہر نکل آئیں اور اپنی اپنی بہنوں سے ملیں ۔ عورتوں کی ابتدا سے ایک ہی قسم کی ذہنیت ہے ۔ ایک عورت جب کسی دوسری عورت سے ملے گی تو پہلے اس کے کپڑے اور اس کی آرائش کا سامان دیکھے گی ۔ پھر اس کی شکل صورت، وضع قطع، چال ڈھال، بات چیت پر طرح طرح کے نام رکھے جائیں گے ۔ تہذیب اور جہالت کسی زمانے میں ان کی یہ خصلت نہیں جاتی ۔ اظہار خیال کے طریقے بدل جاتے ہیں ۔ چنانچہ دونوں قبیلوں کی عورتوں کا آمنا سامنا ہوتے ہی آپس میں تاک جھانک شروع ہوگئی ۔ انھوں نے ایک دوسرے کے لباس اور ہاروں کو دیکھا ۔ مرگ آسنیوں کی پوشاک ہتیا والوں کو بالکل اچنبھے کی سی معلوم ہوئی ۔ رنگین کھالوں کے لبادے اور پاؤں میں موزے دیکھ دیکھ کر وہ مسکرائیں ۔ گویا سردست انھوں نے معاشرت میں اتنی بھی ترقی پسند نہیں کی ۔

زندگی کا کوئی اور شغل تو تھا نہیں۔ مال و دولت کے مالک نہ تھے معاشرت میں کسی قسم کی دلچسپیاں نہ تھیں جس کے لیے سوچ بچار کیا جاتا۔ پھر لڑائی میں کیوں دیر ہوتی۔ بلکہ ایسی صورت میں تو جتنی جلد لڑ بھڑ کر فیصلہ ہو جاتے اچھا ہر وقت کے خلجان سے نجات ملے۔ کسر تھی تو صرف گرو کے جنتر منتر کی جس کے بغیر لڑنا روحوں کو ناراض کر کے اپنی طاقت گھٹانا تھا۔ قصہ مختصر اگیا بیتال سے التجا کی گئی۔ اگیا بیتال کی پچھلی کئی باتیں بالکل سچی نکلی تھیں۔ اس کے جنتر منتر پہلے کی طرح کارگر سمجھے جانے لگے تھے۔ بلکہ اس لڑائی کی تو اس نے پہلے سے پیشین گوئی بھی کر دی تھی۔ پھر اس کی بھینٹ پوجا کے بغیر کیسے کوئی کام کرتے

شکتی: "گرو جی! ہنٹیا والوں سے لڑائی لڑنی ہے۔ سورج بھگوان کے داسیوں پر انھوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔"

گرو: "لڑو۔ روحوں نے تمہاری طاقت بڑھا دی ہے اور میں تو اس لڑائی کی پہلے سے خبر دے چکا ہوں۔ یاد نہیں؟"

شکتی: "مہاراج! یاد کیوں نہیں پر تمہارے کچھ پاکھنڈ پھیلائے بنا بگھیلوں سے جیتنا مشکل ہے۔"

گرو: (اکڑ کر مسکراتے ہوئے) تم جب لڑنے جاؤ گے میں ایسا منتر پڑھوں گا کہ وہ کالے گھوڑے کی طرح ہنہنانے کے بدلے بھیڑ کی طرح بھیں بھیں کرنے لگیں گے۔"

ہنٹیا اور مرگ آسنی والے دونوں مل کر گنتی میں مہالوہیوں کے برابر سرا ہو گئے تھے۔ ہارنا جیتنا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ دوسرے وقت کی بات کون بزدل نکلے کون بہادر۔ ہوا کس رخ کی رہے۔ مار کس طرف کی زبردست پڑے۔ لیکن بظاہر جو کمی تھی نکل گئی۔ طاقت کا توازن کچھ زیادہ گھٹتا بڑھتا ہوا

نہیں رہا۔ بہت سے بہت اکیس بیس کا فرق ہوگا۔ اب باقاعدہ سامانِ جنگ کی آراستگی شروع ہوئی۔ اس لئے کہ لڑائی لڑنی تھی گھمسان گھاسا تو نہیں کرنا تھا۔ پہلے ڈھالیں ٹھیک ٹھاک ہوئیں یہ گھوڑوں یا جنگلی بھینسوں کی کھال سے منڈھی ہوئی تھیں۔ نیچے لکڑی کا چوکھٹا لگا ہوا۔ اوپر رنگ برنگ کی جادو کی نشانیاں۔ چمڑے کی نقابیں درست کی گئیں۔ پھینکنے کے ہتھیاروں کو ہاتھ میں لے کر تولا گیا۔ ...... ان کی ڈنڈیں، انیاں دیکھی بھالیں اس زمانے کے بہادر لڑائی کے وقت ہاتھوں میں بلم نہیں رکھتے تھے۔ بلم تو صرف شکار میں کام آتا۔ وہ لڑنے میں دور ہوتے تو تیر چلاتے۔ فاصلہ کم رہتا تو برچھیاں پھینک کر مارتے یا اسی قسم کا ایک اور آلہ بنا رکھا تھا اس سے کام لیتے۔ ان برچھیوں وغیرہ کو ایک قسم کے لمبے تیر سمجھو جو کمان کی بجائے ہاتھوں سے پھینکے جاتے۔ بعض تیروں کے پیکان بارہ سنگھوں کے سینگوں کی نوکوں کے ہوتے۔ بعض میں چقماق کی تیز نوکیں لگی ہوتیں۔ اس قسم کے تیر موٹی سے موٹی کھال میں گھس کر گہرے گہرے زخم ڈال دیتے۔

تیروں کی صورت کے جو ہتھیار ہاتھوں سے پھینکنے کے ہوتے تھے انکی ڈنڈیں تیر سے ذرا لانبی اور نہایت سخت لکڑی کی ہوتیں۔ ہڈیوں یا چقماق کے پتلے پتلے تیز دھار والے ٹکڑے بھال کی جگہ ان میں لگا دیتے سرے پر کبھی کبھی پر بھی باندھتے کہ ہوا میں وزن تلا رہے نشانہ خطا نہ کرے۔ پتھر مارنے کے لئے بھی چمڑے کے چھینکے سے رکھتے جنھیں گوپھیا سمجھو اور جب دست بدست ہونے لگتی تو چھوٹے چھوٹے نیزے یا خنجروں سے لڑتے۔ ان ہتھیاروں کے علاوہ سخت لکڑی کے کچھ ٹیڑھے بانکے ڈنڈے بھی ہوتے کبھی کبھی ہوشیار لڑنے والے بغیر نشانہ باندھے بھی انھیں چلاتے۔ لیکن اصل

میں یہ اس وقت کے لئے ہوتے تھے کہ دوسرے ہتھیار بیکار ہو جائیں اور لڑائی ختم نہ ہو۔

کیسا ہی بہادر لڑنے والا کیوں نہ ہو سب ہتھیاروں سے یکساں نہیں لڑ سکتا۔ سارے داؤں بڑے سے بڑے پچیت کو بھی رواں نہیں ہوتے ان قبیلے والوں کو چلانے کو تو سارے ہتھیار آتے تھے۔ رات دن کام ہی جو یہ ٹھہرا آدمیوں سے لڑائی نہیں تو جانوروں سے ہوتی رہتی۔ مگر پورا کمال کسی ایک ہی فن میں ہوتا تھا۔ یہ لڑائی جو ٹھنی تو جس کو جس ہتھیار کی مشق تھی اس لئے سب سے زیادہ اسی کو بنایا سنوارا اور اسی پر گروسے پڑھنت پڑھوائی۔

لڑائی کا باجہ

لڑائی جیسی کسی مہم پر جانے سے پہلے یہ وحشی اپنی بیکس عورتوں اور معصوم بچوں کے لئے کچھ دنوں کی بسر اوقات کا سامان ضرور مہیا کر دیتے شکار مار مار کر گوشت کا ذخیرہ جمع کر جاتے پکھالوں میں پانی کافی سے زیادہ بھر دیا کرتے۔ مختلف صورتوں کے جن سے مختلف کام لئے جاتے۔ چقماقی چاقو۔ نوک دار دھار والے اور دوسرے کھالوں کو کھرچنے، بنانے۔ ہڈی پتھر اور لکڑی کے ہتھیار تیار کرنے کے اوزار وغیرہ دے جاتے۔ تاکہ وہ غار کے اندر بیٹھی اطمینان کے ساتھ اپنا کام کئے جائیں اور مردوں کے واپس آنے تک انھیں باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہو۔ بڑے بڑے پتھروں اور درختوں کے گدوں سے غار کا منہ بند کر دیتے کہ آسانی سے دشمن اندر داخل نہ ہو سکے۔ مزید برآں

قبیلے کے شکاریوں سے تین چار تجربہ کار زمانہ کے اچھے برے موسم دیکھے ہوئے جیوٹ مرد بھی بھٹ کے آس پاس ان کی دیکھ بھال کے لئے رہتے گویا انھیں اپنے سے بڑھ کر اپنی عورتوں کا ہوتا کہ محافظ مردوں کی عدم موجودگی میں ان پر کوئی بپتا نہ پڑے۔

لڑائی کی جب پوری تیاری ہو چکی تو شکتی نے اپنی نگرانی میں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا سارا انتظام کیا۔ بن باسی دیوی کے زخم ابھی آلے تھے۔ وہ لڑنے کے قابل نہ تھی۔ قبیلے کے بہادروں کے ساتھ کس طرح جا سکتی اس نے شکتی سے کہا کہ "افسوس میں لڑنے کے قابل نہیں۔ میں ایک دفعہ پھر عورت بن گئی ہوں۔ لیکن غار کے اندر بیٹھے اور کھالیں کھرچنے والی نہیں میں غار کا پہرا دوں گی۔ دونوں قبیلوں کی عورتوں اور بچوں کی نگہداشت میرے سپرد کر دو۔"

شکتی: "کچھ پروا نہیں۔ تم آرام کرو۔ ھیشیا والوں کے واسطے ہم کافی ہیں۔"

بن باسی دیوی: "اس لڑائی میں دونوں قبیلوں کے بہادر تمہاری سرداری میں لڑیں گے۔"

شکتی: "میں انھیں ایک اچھے سردار کی طرح لڑاؤں گا۔ تم سن لوگی۔"

بن باسی دیوی: "میں نے اپنی سرداری تمہیں دی۔ میرے قبیلے والے تمہیں اپنا سردار مانیں گے۔"

یہاں تو یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ اب گرو کی سنو۔ وہ اپنے بھٹ میں جادو کا سامان لئے بیٹھا تھا۔ الاؤ میں آگ جل رہی تھی۔ جادو ٹونے جنتر منتر پہ ایمان رکھنے والے اس کے گرد جمع تھے۔

ایک نے گرو! میرے تیروں پہ ایسی پڑھنت پڑھ کہ کوئی نشانہ خالی

نہ جا۔
دوسرا: "میری برچھی پر کوئی ایسا منتر پڑھ دو کہ دشمن کا کلیجہ چھید کر پھر میرے ہاتھ میں پلٹ آئے۔"
تیسرا: "مہاراج! کیا تم میری ڈھال پر زرد اور سفید مٹی سے بڑی روح کی نشانی بنا دو گے؟ میں تم کو اپنی لوٹ کا آدھا مال دوں گا۔"
چوتھا: "مجھے تو ایسا جنتر دو کہ مجھ پر دشمنوں کا کوئی ہتھیار کارگر نہ ہو۔"
پانچواں: "اگیا بیتال! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میری آنکھوں میں الوپ انجن لگا دے کہ میں سب کو دیکھوں اور مجھے کوئی نہ دیکھے مجھے کوئی نہ مار سکے۔ میں سب کو مار آؤں۔"
ان جنتر منتر تنتر مانگنے والوں میں ہیتھیا والے بھی تھے اور مرگ آسنی قبیلے کے لوگ بھی۔ گرو سب کی آشا پوری کرتا۔ کچھ نہ کچھ دیتا اور ہر ایک سے کہتا جاتا کہ "جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔ روحوں نے مجھے خبر دے دی ہے" اس نے پیشین گوئی کی تھی کہ لڑائی میں اشوریا والے ہاریں گے۔ وہ اس زمانے کے حالات سے بہت زیادہ باخبر اور آثار سے نتیجہ نکالنے والا انسان تھا اس نے سمجھا کہ اگر قرائن نے میری بات بنا دی تو کیا کہنا ہے میں مہاتما ہو جاؤں گا۔ ورنہ چپکے سے منہ چھپا کر نکل جانے میں کون سے ہاتھی گھوڑے لگتے ہیں۔ کوئی میرا کیا کو لا کاٹ لے گا۔ لڑائی کا رخ بدلتے دیکھا اور میں چلا۔ لیکن قبیلے والے گرو کے دل کا بھید کیا جانتے۔ انھیں تو اس کی باتوں کا ایسا یقین تھا جیسے سورج کی روشنی کا اور سچ پوچھو تو گرو کی پیشین گوئیوں نے غار کے بہادروں میں ایک نئی روح تو ضرور پھونک دی تھی۔ فتح کا یقین ایک سپاہی کو بہادر بنانے کے لئے جادو کا کام دیتا ہے

ایسی چھوٹی سی چھوٹی جماعتیں جن کو یہ بتا دیا گیا کہ پوشیدہ طاقتیں تمہارے ساتھ ہیں اور کامیابی تمہاری ہے۔ بڑے بڑے لشکروں کے مقابلہ میں جا ڈٹی ہیں اور انھیں بھگا دیا ہے۔

جب گرو اکیلا ہو گیا تو بن باسی دیوی بھی اس کے پاس آئی اور بولی ایک جنتر مجھے بھی دو "

گرو " (لال آنکھوں سے دیکھ کر) جنتر مانگتی ہو ؟ "

بن باسی دیوی گرو کی نگاہوں سے نگاہیں ملائے چپ کھڑی رہی گرو بڑا قیافہ شناس تھا۔ صورت سے دل کا حال معلوم کر لیتا۔

گرو " (مسکرا کر) جنتر چاہیئے دشمن کے تیروں سے بچنے کے لئے ؟ "

بن باسی دیوی " تم میرے دل کا بھید جانتے ہو "

گرو " نہ جاننا کیسا ؟ بتا دوں "

بن باسی دیوی " اگیا بتیال ! میں یہ بات نہیں مانتی۔ اچھا میری سنو۔ کیا تم اس پر جادو کر سکتے ہو ؟ "

اگیا بتیال " اس کے بالوں کی ضرورت ہو گی "

بن باسی دیوی " میرے پاس ہیں۔ لو "

اس نے اپنی کمر میں سے ایک پتے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکالی۔ اگیا بتیال نے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ بن باسی دیوی نے دیتے ہوئے کہا " جب اشوریا والوں نے میرے قبیلے پر ڈاکہ مارا تھا اور وہ مرگ آسینوں کی بکس بلیوں کے گلے دبا رہے تھے تو ہاتھا پائی میں ایک عورت نے جھیلے پر جھپٹا مار کر اس کے سر پر لگے ہوئے عقاب کے پروں کو نوچ لیا۔ ان پروں کے ساتھ یہ بال بھی آ گئے "

بن باسی دیوی نے پتے میں لپٹے ہوئے تین عقاب کے پر دئے جن میں چند سرخ رنگ کے بال الجھے ہوئے تھے۔ اگیا بتیال نے پروں کو الگ کرکے بال نکال لئے۔ اس کی آنکھیں چمکیں۔ وہ خوش تھا اور اب گردا اور دیو کی دونوں کی خیالی طاقت ایک مرکز پر اپنا کام کر رہی تھی۔ یعنی اشوبیا کے سردار کی موت اگیا بتیال کچھ بڑبڑانے لگا۔ نہایت ڈراؤنی آوازیں نکالیں۔ جیسے کوئی روحوں سے جھگڑتا ہے۔ پھر اس نے بالوں کو توڑا مروڑا اور یہ کہتے ہوئے آگ میں ڈال دیا۔ "بھسم ہو جا بھسم ہو جا۔ اسی طرح تیرے سر کے ٹکڑے ہوں اور آگ تیرے زخموں پر اپنی لپٹیں مارے۔ بھیلے یہ بال جو تیرے سر سے نوچے گئے ہیں آگ نے انھیں سیاہ کر دیا ہے تیرا بھی کالا منہ ہو۔ روحیں تجھ کو موت کی بھٹی میں جھونک دیں"

مرگ آسنی قبیلے کی سردار عورت اگیا بتیال کی اس کارروائی سے بہت متاثر ہوئی۔ اس کی ڈھارس بندھ گئی اور وہ نہایت خوش خوش بڑے.... اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ پر آ گئی۔ اسے کامل یقین تھا کہ اشوبیا والوں کے غارت ہونے میں اب کچھ دیر نہیں۔ اپنی طرف سے وہ بالکل بے خوف تھی لیکن شکتی کے خیال سے اس کا دل دھکڑ پکڑ کر رہا تھا کہ اس کے پاس کوئی ایسا خنجر نہیں جو اس کی حفاظت کا ضامن ہو۔ اس لئے اس نے چاہا کہ گردو کا دیا ہوا خنجر کس طرح شکتی کے لباس میں ٹانک دے تاکہ اس کی طرف سے بھی بےچنت ہو جائے۔

سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو لڑنے والوں نے اپنے چہروں کو رنگا کسی نے بھیڑیے، کسی نے چیتے، کسی نے شیر اور کسی نے بارہ سنگھے کی صورت بنائی جنگلی پوشاک پہنی اپنے اپنے حربے اٹھائے اور گردو کے پیچھے پیچھے ایک

پوشیدہ غار میں چلے۔ یہ غار لڑائی کی بھینٹ پوجا کے لئے مخصوص تھا۔ بڑا گڈھب، نہایت خوفناک۔ اس کی راہیں بھی بہت پیچ دار تھیں۔ تنگ سرنگوں میں گزرے تھے۔ کہیں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے کہیں چوپائے جانوروں کی طرح بڑی دیر تک اندھیرے میں چلنے کے بعد وہ ایک خاصے بڑے پہاڑ کے کھوکھل میں پہنچے۔ اسے گونجنے والا غار کہتے تھے۔ مشہور تھا کہ اس میں روحیں رہتی ہیں یہاں انھوں نے اپنی مشعلوں کو جو بجھنے کے قریب تھیں دیواروں پر رگڑا تاکہ وہ شعلے دینے لگیں۔

بڑی مہیب کھوہ تھی۔ ذراسی آواز گونج کر غل مچا دیتی۔ اپنے سائے سے ڈر لگتا۔ جدھر نظر پڑتی دھوکا ہوتا کہ روحیں غصہ میں کھڑی کانپ رہی ہیں۔ اب اگیا بیتال نے سر پر بارہ سنگے کے سینگوں والی ٹوپی منڈھی اور ڈیرو بجا بجا کر جادو جگانا اور روحوں کو بلانا شروع کیا۔ وہ کھوکھل میں تھرکتا ہوا چکر لگانے لگا۔ وہ آگے آگے اور لڑنے والے بہادر قطار باندھے اس کے پیچھے پیچھے۔ چکر لگاتے لگاتے ایک بڑی چٹان کے سامنے وہ ٹھہر گیا۔ جس پر دو شیر دل کے چہرے آمنے سامنے بنے ہوئے تھے۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کو گھور رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حملہ کرنے کی گھات میں ہیں۔ ان کے کندہ کرنے میں خاصی صنعت دکھائی گئی۔ چقماق کی چھینی نے اوپری تہ کے زردی مائل بھر بھرے پتھر کو کاٹ کر نیچے کے سفید پتھر میں گہرے نشان ڈال دئے تھے اور ان مورتیوں کی لکیریں کالی کالی دکھائی دیتی تھیں یہ سیاہی دراصل خون کی تھی۔ جو کبھی ایسے ہی کسی موقع پر چڑھاوے کے طور پر ان میں بھرا ہوگا۔

شیروں کی ان ڈراؤنی مورتیوں کے سامنے کھڑے ہو کر گرو نے اپنے

ساتھ والوں سے کہا: "بہادرو! سمجھے یہ کیا ہے؟ مہا مندر! سنگھ آسن آکنی جب مرگ آسنی قبیلے میں مہمان رہ کر آیا تھا تو اس نے مجھے ان شیروں کا قصہ سنایا جو ان کے جنگل میں کہیں سے آ گئے تھے۔ شیروں کا وہاں کیا کام؟ وہ بلائیں تھیں! بن باسی دیوی کی خاطر اس نے ان سے ٹالنے کی مجھ سے خواہش کی۔ میں اکیلا چپ چاپ یہاں آیا۔ ان مہا ناگوں کی پوجا کی۔ بھوگ چڑھایا۔ منتر جپے۔ شیر چلے گئے پھر نہیں آئے۔ میرے جادو سے روحوں نے انھیں دور دوسرے پہاڑوں میں دھکیل دیا۔" مرگ آسنی قبیلے والوں کو یاد آ گیا انھوں نے سوچا تو واقعی تُشکتی کے بعد دو چار دن تو شیروں کی دہاڑیں سنیں پھر یکایک وہ ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر پر سے سینگ۔ آپس میں انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور گرو کی طاقت کے قائل ہو گئے ان کے دلوں میں اس کی اور اس کے منتروں کی دھاک بیٹھ گئی۔

ان مہا بیروں کی پوجا کر کے گرو پہاڑ کی ایک دراڑ میں گھسا اور دیواروں سے رگڑ کھاتا ہوا ایک دوسرے غار میں داخل ہوا۔ پہلے غار سے اس کی لمبائی چوڑائی تو کم مگر اونچائی بہت زیادہ تھی۔ قبیلے والے بھی ساتھ ساتھ تھے یہاں اس زمانے سے بھی بہت پہلے کا ایک مندر سا تھا۔ چاروں طرف چٹانوں پر مورتیاں ہی مورتیاں۔ بعض اتنی پرانی کہ گرد ان کی کہانیاں سنایا کرتا۔ ادھر آنے والے مدتوں سے اس غار کو روحوں کا اکھاڑا سنتے چلے آتے اور دیو استھان کہا کرتے یہ مورتیاں۔ بچاروں، بارہ سنگوں اور بہت سے بڑے بڑے جانوروں کی تصویریں تھیں۔ کچھ اجاگو مین کے نقوش ہیں تازہ رنگ بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ گرد اپنی جادوگری کی رونق کے لئے ایسا کرتا رہتا ہوگا۔

چربی کے چراغ جلائے گئے۔ ایک طرف آگ بھی سلگائی۔ غار روشن ہوگیا۔ گرو نے ڈورو ہاتھ میں لیا اور اس کی آواز کے ساتھ رسم شروع ہوئی طرح طرح کے وحشی جانوروں کے چہرے لگا لگا کر قبیلے والوں نے گرو کے گرد ایک حلقہ سا باندھا اور لڑائی کے ناچ کی گتیں بھرنے لگے۔ ایسے زور زور سے اچھلتے اور زمین پر اپنے ننگے پاؤں مارتے تھے کہ سارے غار میں دھمال مچ گئی۔ کل لڑائی پر جانے سے پہلے سارے لڑو تیا میدان میں برچھیاں نچا نچا کر اپنے اوپر بے خودی کی سی ایک حالت طاری کریں گے اور دلوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے اپنے ہتھیار ڈھالوں پر مار مار کر طبل جنگ بجائیں گے اس لئے آج وہ روحوں سے اپنی حفاظت کی دعائیں مانگنے میں مصروف تھے۔ ناچ گا کر دیوتاؤں کو رجھا رہے تھے کہ وہ خود ہو کر ان کے ہاتھ مضبوط کر دیں۔ جیت ان کی ہو۔ اشو تیا والوں کی لاشوں سے میدان پٹ جائے۔ دشمنوں کا خون اتنا بہے کہ دریا کا پانی ڈوبتے ہوئے سورج جیسا لال دکھائی دے۔ تنکی تے نے قسم کھائی کہ "اگر میں بن باسی دیوی کے سامنے اس کے دکھ دینے والے کی گت نہ بناؤں اور اس کی لاش نہ ڈال دوں تو کتوں کی روحیں مجھ پر بھونکیں۔

اسی اثنا میں گرو کو کچھ خیال آیا۔ اس پیشے کے لوگوں کو بڑی دور کی سوجھتی ہے۔ طرح طرح کی کارستانیاں کر کے اپنے معتقدوں پر اثر ڈالتے جنانچہ وہ ایک چٹان پر چڑھ گیا۔ اور وہاں بیٹھ کر تیز چھینی سے اسکے بدن کے اوپر ایک عجیب ہیبت ناک تصویر بنانے لگا۔ نیچے قبیلے والے ڈورو بجا بجا کر زور زور سے منتر جپ رہے تھے اور اوپر اگیا بتیاں نقاشی میں مشغول تھا۔ تخیل نے ایک نئی مورت کا خاکہ تیار کیا

اس نے اپنی من مانی دیوی کا حلیہ آدمی کا سا بنایا۔ بدن پر جانور کی کھال بمنفر دیکھنے والوں کی طرف مڑا ہوا۔ چہرے پر لمبی ڈاڑھی۔ سر پر لمبے لمبے سینگ ہاتھوں کی جگہ شیر کے پنجے اور پیچھے گھوڑے کی دم لگی ہوئی۔ تصویر بن چکی تو گرو نے کالا کالا سفوف چربی میں ملایا اور تصویر کے نقوش میں بھر دیا۔ جس سے وہ اور بھی زیادہ ڈراؤنی نظر آنے لگی۔ اس کے گول گول بڑے بڑے دیدوں سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ دیوی کے بٹھانے میں بھی پوری استادی دکھائی تھی۔ جیسے کوئی بڑا عضیلا شکاری گھٹنے ٹیکے شکار پر تاک لگا رہا ہو۔

تصویر حسب منشا بن گئی تو گرو نے پہلے تو کوئی نیا منتر پڑھا اتنے پکار کر کہ سب قبیلے والوں نے سنا اور جب وہ گرو کو بولتے دیکھ کر چپ ہو گئے تو روح کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ "دیوی! شکار کی دیوی!! خون پینے والی دیوی!!! ہم تیرے چرنوں میں آئے ہیں۔ ہم کو پناہ دے تجھ میں بجار کی طاقت ہرن کی پھرتی۔ گھوڑے کی وحشت اور شیر کے تیور ہیں۔ تو بہا شکاری ہے۔ تجھ کو شکار کی کیا کمی۔ تو بڑے سے بڑے شکستان سے جب چاہے اپنا بھوگ لے لے۔ آدمی شکار کے لئے جھاڑیوں میں چھپتے پھرتے ہیں تو نظروں سے اوجھل رہ کر جھاڑیوں کی محتاج نہیں۔ تیری آنکھوں کے تیز تیرے ہاتھوں کے بھالے۔ تیری دم کا جال کبھی بیکار نہیں جاتا۔ تو ہمیشہ دوسروں پر پھندے ڈالے تو ہر پتھر کی اوٹ میں۔ گھاس کے ہر تنکے کے پیچھے شکار کے انتظار میں پڑی رہتی ہے اور کوئی آنکھ تجھے نہیں دیکھ سکتی تیرے گول گول دیدے اندھیرے میں ایسے چمکتے ہیں جیسے اگیا بیتال یا الو کی آنکھیں۔ اے روح! اے شکار کے پیچھے دوڑنے والی روح!! ہم پر دیا کر۔ ہمارے ہاتھ پاؤں کو جس دے ہم سب سے زیادہ طاقت والے

اور ڈرا ؤنے آدمیوں کے شکار کو جاتے ہیں اسے لڑائی کی ماتا۔ اپنے سپوتوں کے ساتھ رہ۔ ہماری دیکھ بھال رکھ۔ ہمیں اپنی طاقتوں میں سے حصہ دے اور ایسا کہ ہم دشمن کی آنکھوں میں خاک جھونک کر انھیں تیری بھینٹ چڑھا دیں یہ دعا مانگ کر گرو چٹان پر کھڑا ہوا۔ جہاں سے وہ سارے قبیلے والوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اور قبیلے والے اس کو۔ اب اس نے چاروں طرف بڑے فخر سے دیکھا اور پھر گلا پھاڑ پھاڑ کر منتر جپنے لگا۔ گویا وہ کسی دیو بانی بولی میں روحوں کی چھپی ہوئی فوج کو بلا رہا ہے۔ اور آواز جو گونجتی تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جواب دے رہی ہیں۔ جواب کیا دے رہی ہیں بلکہ غل مچاتی اودھڑتی چلی آ رہی ہیں سب قبیلے والے ڈر کے مارے منہ کے بل زمین پر گر پڑے اور تصویر کے آگے اتھار گڑنے اور گڑگڑانے لگے۔ جیسے سچ مچ اس تصویر میں روح ہے۔

بن باسی دیوی کا گیت

وہ دن بھولا نہیں، جب موت کی دیوی ٭ کھڑی تھی چپ سرہانے اس بہادر کے مگر اس کو نہ اپنوں کی خبر تھی اور نہ غیروں کی ٭ جیالے ایسے دیکھے ہیں کہیں کوئی بتا دے نہ تیور اس کے میلے تھے نہ ماتھے پر پسینا تھا ٭ بدن رنگین سر سے پاؤں تک کچھ اس طرح جیسے مقدس ناچ کی آیا ہو کر کے کوئی تیاری ٭ نہ تھا احسان لیکن ذرہ بھر بھی لال مٹی کا بدن پر خون کی سرخی تھی اسکے جس میں کچھ اپنا ٭ لہو تھا اور کچھ اس خون میں لت پت جو بوری ریچھنی کے دل سے نکلا تھا ٭ اکیلا ہو کے بھی بھاگا نہیں وہ ریچھ سے ڈر کر اور لڑ کے آخر قتل کر ڈالا ٭ بہادر ایسے ہوتے ہیں بہادر ایسے ہوتے ہیں

نہ ہاتھ اس کا ذرا بہکا نہ بازو میں آئی لغزش ۔ رہا سینہ پہاڑی کی طرح مضبوط اور وہ
گرا ہرگز نہ بے دشمن کو اپنے نیچا دکھلائے۔
بڑا سکتی ہے سچ مچ کا وہ شکتی ہے ۔ قبیلے کا وہ اپنے نوجوان، سردار کا بیٹا
بڑا جیوٹ، بڑا بلوان اور کیا ۔ بگھیرے کی لکیروں والی کھال میں پڑا اس
ریچھنی کے پاس آنکھیں بند ۔ کیا کہیے بھلا معلوم ہوتا تھا
قبیلے کی وہ اپنے ناک ہے وہ نام کا سکتی ۔ نہیں ہے سورما ان جنگلوں میں کوئی اس جیسا
وہ ٹھنڈا ہے مگر غصہ میں جب گرما دیا جائے ۔ تو پھر اس کی بھبھکا اور اسکے تیور شیر کے تیور
سمجھ لو بس یہی معلوم ہوگا اک اندھیر اغار ۔ کھلا ہے اور اس میں آگ کے شعلے
دھواں دیتے ہوئے ہر سو بھڑکتے ہیں لپکتے ہیں ۔ بھلا اس وقت کس کی تاب جو اسکے مقابل ہو
ملائے آنکھ اس سے یا اکڑ کر سامنے آئے۔
میں سانسی مار عورت جو کسی کے سامنے اب تک ۔ نہ جھجکی ہوں نہ ڈر سے کپکپائی ہوں
مجھے سب دیوی کہتے ہیں مجھے روحوں نے پالا ہے ۔ میں بن باسی ہوں اگنی میری ماتا ہے
مجھے مرگ آسنی والوں نے کچھ تو جان کر اپنا ۔ بہادر مردوں کے ہوتے ہوئے سردار مانا ہے
کوئی تو بات ہے جو گھاس پہ اس کے برابر میں ۔ جھکی گھٹنوں کے بل جیسی ہوئی نیچی نگاہوں سے
ٹوٹلا اس کا سینہ، زخم دھوئے۔ ہوش میں لائی ۔ اور مہمان رکھا اپنے تنبو میں
پھر اس کے بعد اچھا ہو گیا جب وہ ۔ تو ہتھیار اس کے دے کر میں نے رخصت کر دیا اسکو
بلا حجت، بلا شرط، اور بلا قیمت، گیا جانے کو وہ جانے دیا میں نے
چلا جاتا تھا وہ میری نگاہیں ساتھ تھیں اسکے ۔ تکا کی دور تک میدان میں جب تک
نہ تاریکی ہوئی اور آسماں پر روشنی چمکی ۔ اب اس کو پالیا میں نے اب اس کو پالیا میں
میں داسی بن گئی اس کی وہ میرے سر کا وارث ہے ۔
چلا ہے مارنے مرنے وہ میری لاج کی خاطر ۔ مجھے خوش کرنے کو وہ دشمنوں سے لڑنے جاتا ہے

وہ سرداری کرے گا دیکھنا دونوں قبیلوں کی ٭ اسے شکتی دے اے بھگوان شکتی دے
بگھیلے کو وہ مارے گا اور اس کے ہار اور مالا ٭ گلے میں ڈال کر میرے مری سوبھا بڑھائیگا
گر بھگوان تیلا دے کہ جب وہ جیت کر آیا ٭ تو کیا اپنی خوشی سے وہ مجھے پتنی بنائے گا
جیسے ہیں خوب منتر روحوں کو میں نے رجھایا ہے ٭ مجھے پورا بھروسہ ہے بڑی پکی یہ آسا ہے
کہ وہ سندر جواں وہ سورماں شکتی ٭ نہ آئے گا بنا جیتے نہ آئے گا بنا جیتے

بن باسی دیوی اپنی دھن میں شکتی کا ترکش سنوارتی جاتی اور دھیمے سروں میں ایک خاص لے کے ساتھ گیت کی طرح گاگا کر اپنے دل سے یہ باتیں کرتی جاتی۔ وہ گارہی تھی کہ اتفاق کی بات شکتی ادھر سے گزرا عجب طرح کا گیت سنا۔ ایک چٹان کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ بن باسی دیوی اپنے خیال میں بے خبر اس نے شکتی کو نہیں دیکھا۔ دو چار منٹ کے بعد وہ اس گیت کے دل میں مزے لیتا اور مسکراتا ہوا پچھلے قدموں ہٹ کر جس کام کو جارہا تھا دوسری راہ سے چلا گیا۔ اس نے سامنے آنا یا ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔

لڑائی کا ناچ

ہیتیا اور مرگ آسنی دونوں قبیلے والے اپنے اپنے ہاں کے طریق پر لڑائی کا رنگ ڈال کر میدان میں جمع ہونے لگے۔ برچھیوں کا رقص کرنا تھا۔ گر دھنتا اگیا بیتال اپنے جادو کا ڈھول لئے بیٹھے تھے۔ غار کے باہر ایک ٹیلے پر بن باسی دیوی جو اس وقت سپاہی بنی ہوئی نہیں تھی ہنس ہنس کر اپنی سہیلیوں سے باتیں ملکا رہی تھی۔ بہادر لڑنے والے اپنے اپنے ہتھیار لئے چلے آرہے تھے۔ کوئی ادھر سے کوئی ادھر سے شکتی بھی سامنے سے گزرا۔ بن باسی دیوی

پر نظر پڑی۔ بن باسی دیوی نے بھی دیکھا۔ ساتھ ہی دوسری عورتوں کی نگاہیں اٹھ گئیں۔ اس کی آن بان چال ڈھال دیکھنے کے قابل تھی۔ آنکھیں چپکے چپکے سے دیکھ رہی تھیں۔ مگر ان کے بشرے بتا رہے تھے کہ دل تعریف کر رہے ہیں اور ان کے اندر جذبات کا ایک طوفان موجزن ہے ایسے جذبات جو چھپائے نہیں چھپ سکتے۔

شکتی بھی آج ہر طرح سے بنا ٹھنا تھا۔ سب جوانوں میں انوکھا۔ ساری ادائیں نرالی۔ پوشاک بھی سب سے الگ جسم سفید سیاہ اور سرخ رنگوں سے رنگا ہوا۔ اس کے بال زرد مٹی اور پروں سے آراستہ گلے میں کئی کئی ہار بازوؤں پر تعویذ بندھے۔ کمر میں دو دو خنجر۔ بغل میں ترکش لٹکتا ہوا۔ کلائی پہ کمان۔ ایک ہاتھ میں برچھی۔ دوسرے میں موٹا سا ڈنڈا۔ پیٹھ پہ کسے ہوئے ڈھول جیسی تنی ہوئی ڈھال۔

جب اس نے عورتوں کو اپنی طرف للچائی ہوئی نظروں سے گھورتے دیکھا اور بن باسی دیوی کو اپنی تعریف کرتے سنا تو اس کا دماغ غرور سے آسمان پر پہنچ گیا۔ دل سینے کے اندر اچھلنے لگا۔ آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ اس نے اپنا جوش دبانے کے لئے لڑنے والوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر ناچ شروع کرنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ کی دیر تھی۔ نیزوں کے ٹکرانے اور گرجدار ڈھول بجانے کی آوازیں آنے لگیں۔ عورتیں بھی حلقہ باندھ کر آ کھڑی ہوئیں سہلکے اور بھاری سر ملے۔ سب نے مل کر لڑائی کا گیت گایا۔ عورتوں نے تالیاں بجائیں اور مرد برچھیاں ہوا میں اچھال اچھال کر خوب ناچے۔

لڑائی کے اس ناٹک میں شکتی سب سے آگے تھا۔ اس کی چستی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کی ڈراؤنی حرکتیں اور برچھی کے کرتب سارے ناچنے والوں

میں نمایاں تھے ہر ایک نے سمجھ لیا کہ شکتی جیسا بہادر من چلا دوسرا نہیں۔ اس کے سامنے مجال ہے کہ کڑے سے کڑا دشمن کھڑا رہ سکے۔

ہیتیا والوں کی عورتیں شکتی پر فدا ہو ہو گئیں۔ وہ اسے اپنا محسن سمجھتی تھیں اور اس لئے بن باسی دیوی کی طرف سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑکنے لگی۔ اکیلی ہیتیا والیاں ہی نہیں، بلکہ مرگ آسنی قبیلے کی دوسری آہو چشم لڑکیاں بھی اپنی سردار کو رشک کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ کیونکہ شکتی کی ساری سج دھج بن باسی دیوی کے لئے تھی اور وہ صرف تنہا اسی کے دکھانے کو ناچا تھا۔

مہاٹوپ پر لڑائی کے بادل

مہاٹوپ ان میدانوں کے ہر قبیلے کا جانا بوجھا تھا۔ پورب پچھم، دکن اتر، کہیں بھی کسی پہاڑ کے اندر اتنی بڑی پناہ کی جگہ نہیں تھی۔ خدا کی قدرت ہے دامن سے لے کر کمر تک سرنگیں لگی ہوئی تھیں۔ کئی میل کے پھیلاؤ میں اندر ہی اندر محرابیں، دالان، کمرے، صحن بنتے چلے گئے تھے۔ ایک قبیلہ کیا اگر آپس میں سلوک ہوتا شہر بس جاتا اور شہر نہیں تو کم از کم چھ سات قبیلے بڑی فراغت کے ساتھ رہ سکتے۔ لیکن ان دنوں میں دو قبیلوں کا ایک مقام پر رہنا آسان نہ تھا زندگی کٹھن اور اسباب زندگی کمیاب زیادہ آدمی اکٹھے کس طرح رہتے اور دنیا کی زندگی کے لئے ضرورت بھی تھی کہ جب کوئی قبیلہ بڑھ جائے تو کوئی ایسا سبب پیدا ہو کہ ٹکڑیاں بن کر کوئی کسی طرف جا بسے۔ کوئی کسی رخ اپنے خیمے جا گاڑے۔ چنانچہ اتنے بڑے ڈھنڈار غار میں صرف ایک اشوئیا قبیلے والے اکیلے دندناتے تھے۔

یہ غار پہاڑوں کے اس سلسلے میں واقعی بڑا عجیب تھا۔ اس کے باہر اس سرے سے اس سرے تک ندی بہتی تھی۔ جو عام پہاڑی نالوں کے برخلاف، جاڑے، گرمی، برسات، برابر یکساں جاری رہتی۔ اس میں قسم قسم کی مچھلیاں تھیں اور اتنی زیادہ کہ کوئی شکاری خالی نہ جاتا۔ جھیٹیا والوں کے پاس ایک شکار گاہ یہ بھی تھی۔ انھیں جب کبھی بڑا شکار نہ ملتا وہ اس کنارے پر آبیٹھتے اپنے تیروں سے مچھلیاں چھیدتے اور تھوڑی دیر میں جھولیاں بھر لیتے۔ عورتیں لے جاتیں الاؤ پر کباب ہوتے اور بے مشقت پیٹ بھر جاتے۔

آدمی کے ساتھ تہذیب و تمدن کے سارے جھگڑے ہیں۔ جہاں اس جوڑے کا گذر نہ ہو۔ جو دن بھر میں بیسویں جھول نکالے وہاں پیٹ بھرنے اور امن کی جگہ کے سوا اور چاہیئے کیا؟ جس کو یہ دونوں چیزیں ہاتھ آجائیں اس کے سوبسوے وہ اپنے کو بڑا اور خدائی فوجدار نہ سمجھے تو کون سمجھے۔ جھاٹوپ والوں کا قبیلہ اسی بنا پر بہت مغرور ہو گیا تھا۔ ان کے چالیس سے زیادہ مرد تھے۔ جنگل کا بڑا حصہ قبضہ میں۔ میدان، پہاڑیاں اور وادیاں ان کی جاگیر۔ خوب اہلے گہلے پھرتے۔ جتھا بڑا سینہ زور کوئی آنکھ نہ ملا سکتا اور ملاتا تو مار کھاتا۔ جس کا چاہتے شکار چھین لاتے۔ جس کی چاہتے عورت بھگا دیتے مقابلہ کرنے والا کوئی تھا نہیں۔ کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ ان کا سامنا کرتا۔ سب دبیل تھے۔ لیکن طاقت کا بے جا استعمال ادھر تو قوی کو ظلم و ستم پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ادھر کمزوروں میں نفرت و حقارت کے جذبات بڑھ جاتے ہیں اور آخر کار طاقت اور نفرت میں ایسا تصادم ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کا ہیچ مارے جانے میں کسر نہیں رہتی۔ کچھ دنوں سے

اشوئیا والوں نے اپنے جھگڑالو فسادی ہونے کی وجہ سے اپنی قوت کے گھمنڈ میں ایسی شہرت پائی تھی کہ آس پاس کے سارے قبیلے ان کے خون کے پیاسے ہوگئے تھے ۔ خاص کر ھینشیا والے ہر وقت ان کی تاک میں رہتے کہ کب موقع ملے اور کب ان پر ٹوٹ پڑیں ۔

سو دن سنار کے تو ایک دن لہار کا ۔ مثل مشہور ہے ۔ طاقت کا گھمنڈ کب تک ؟ آخر وقت آگیا ۔ دو مظلوم قبیلے مل گئے ۔ اللہ میاں کو تو بہانہ چاہیئے ۔ شکتی کا شکار کے پیچھے دور نکل جانا ۔ ریچھنی سے لڑائی ۔ زخمی ہوکر بے ہوش ہونا ۔ بن باسی دیوی سے ملاقات ۔ دونوں قبیلوں میں حلف وفاداری ۔ پھر مرگ آسنی والوں پہ بگھیلے کی زیادتی ۔ یہ سارے سامان تھے جو قدرت اشوئیوں کی سرکوبی کے لئے چپکے چپکے کر رہی تھی ۔ تحیر و تنفر کے جذبات نے رنگ بدلا ۔ مرنے مارنے کی ٹھان لی ۔ چنانچہ مرگ آسنی اور ھینشیا دونوں قبیلے والے ہتھیار اٹھا اٹھا ڈوپ پر چڑھ دوڑے ۔

پہاڑی ندیوں کی چال عجب متوالی ہوتی ہے ۔ ٹھوکریں کھاتی ہوتی چلتی ہے ۔ کہیں تیز، کہیں آہستہ، جیسا راستہ ویسی روانی ۔ پھر جیسی سطح ویسا پانی ۔ کسی جگہ اتنا گہرا کہ ہاتھی غوطے کھانے لگے ۔ کسی جگہ اس قدر کم کہ کنکر پتھر نظر آئیں ۔ جھاڈوپ کے بائیں پہلو میں ندی نے چکر کھا کر نہایت صاف شفاف پانی کا ایک تالاب سا بنا دیا تھا ۔ بہت گہرا کوئی دو آدمی ڈباؤ ۔ اشوئیا والے اسی کنڈ سے پانی بھرا کرتے اور مچھلی کا شکار بھی یہیں ہوتا ۔ اکثر عورتوں مردوں کی بھیڑ رہتی ۔

جس دن کا ہم ذکر کر رہے ہیں کنڈ بالکل سنسان تھا ۔ عورتیں پانی بھر چکی تھیں یا ابھی ان کے پانی بھرنے کا وقت نہیں آیا ہوگا ۔ مرد شاید کسی بڑے

شکار کی تلاش میں چلے گئے تھے۔ صرف ایک آدمی کنارے پر لیٹا مچھلی کے اچھلنے کا منتظر تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتلی سی لمبی برچھی تھی جس کے سرے پر ایک نوک دار کانٹا لگا ہوا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا ہتھیار جھڑ کھو یا برچھی پانی میں ڈالا اور ایک تڑپتی ہوئی مچھلی اس میں پھنسی ہوئی نکل آئی۔ اب جو دیکھا تو کئی مچھلیاں ایک کھال کے نیچے رکھی تھیں یہ بھی ان میں شامل کر دی اور پھر تاک لگا کر لیٹ گیا۔ کیا ہتھیار تھا اور کیسا مشاق ہاتھ۔ کیسا مجال تھی کہ مچھلی زد میں آکر نکل جاتی۔

اس شکاری سے کچھ فاصلہ پر کنڈ کے آگے چڑھاؤ کی طرف ایک اور صاحب بھی شکار کھیل رہے تھے۔ ان کے پاس دوسری قسم کا ہتھیار تھا ایک لکڑی کے سرے پر ہڈی کا محراب دار آنکڑا سا جس میں دانت لگے ہوئے تھے۔ ان کی استادی پہلے سے بھی بڑھ کر تھی۔ یہ اپنی بنسی پانی میں ڈالے رکھتے۔ مچھلیاں ہڈی اور دانتوں کی چمکتی ہوئی سفیدی پر نہ جانے کیا سمجھ کر دوڑتیں۔ حضرت ہاتھ کو ذراسی حرکت دیتے اور مچھلی پھنسی سمجھو۔ کہنے کو ان قبیلے والوں کو جنگلی کہہ لو۔ مگر اتنے ہوشیار تو آج کے مہذب بھی نہیں دیکھے۔ اپنی ضرورت کے ہر کام میں کمال حاصل تھا۔

وادی میں چین چان تھا۔ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ عورتیں غار کے اندر اپنے اپنے دھندوں میں مصروف۔ الاؤ میں آگ روشن۔ شکاری شکار کے پیچھے مچھیرے مچھلیوں کی تاک میں۔ انھیں کیا خبر دشمن گھات میں لگے ہوئے ہماری حرکات و سکنات دیکھ رہے ہیں اور کوئی گھڑی میں مرلیا بجنے والی ہے۔ یکایک سائیں سائیں کرتی ہوئی ایک آواز آئی جس کے بعد ایک ہلکا سا کھچاؤ ہوا۔ دونوں مچھیرے ہکا بکا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے ایک برچھی

والوں کے بیچ میں زمین پر سیدھی کھڑی تھرتھرا رہی تھی۔ دونوں کی ایک ساتھ
اس پر نظر پڑی۔ اس برچھی کے سرے پر سرخ مٹی میں رنگے ہوئے بالوں کا
گچھا بندھا تھا۔ اس سے پیغام جنگ مراد تھی۔ دونوں لپکے۔ ایک نے جھپٹ
کر برچھی زمین سے اکھاڑی دوڑتا ہوا چھپے ہوئے دشمن کی طرف گیا اور آواز
سے بولا: "لڑنے کو، بلاتے ہو؟ اچھا آتے ہیں۔ گیدڑ جب خود شیروں
کے بھٹ میں آجائیں تو سمجھ لو کہ روحیں ان سے خوش نہیں۔"

گویا لڑائی کی دعوت قبول کرکے اشوئیا قبیلے کے دونوں مچھلی پکڑنے
والے ہیشیا والوں کی برچھی کے پیغام کو لئے جنگ کا اعلان کرتے ہوئے
بھاگے۔ چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ ان کی چیخوں کا جواب غل و شور کی
صورت میں آنے لگا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے مختلف آوازوں کی
بارش ہو رہی ہے۔ اشوئیا والوں نے سمجھ لیا کہ وہ کسی بڑے خطرے میں
ہیں۔ ان کے آدھے جوان شکار پر تتر بتر تھے۔ آدھوں میں سے کوئی
غار میں پڑا اینڈتا تھا۔ کوئی کہیں کوئی کہیں۔ گھبرا کر خوف کی علامتیں ظاہر
کرتے سمٹے اور اپنے اپنے ہتھیار سنبھالتے ہوئے میدان کی طرف
جھپٹے۔ ادھر ہیشیا والوں نے ان کی غفلت سے یہ فائدہ اٹھایا کہ ٹھیک
پہاٹوپ کے اوپر پہاڑ کی چوٹی پر قبضہ جما لیا اور وہاں کے مقررہ چوکیدار
کو قتل کر ڈالا۔ وہ اوپر یہ نیچے۔ وہ کیل کانٹے سے درست۔ ان کے ہاتھ
پاؤں پھولے ہوئے۔ یہ ابھی گھاٹی میں تھے کہ بڑی برف کی سل ان پر گری
ایک اور چٹان لڑھکتی ہوئی آئی۔ راستہ بند۔ ادھر موت کے تیر ہوا میں سائیں
سائیں کرنے لگے۔ اشوئیا کے چار آدمی دب کر بری طرح زخمی ہوئے۔ دوسرے
کئی آدمی چوٹیں کھاتے گرتے پڑتے پیچھے کی طرف ہٹے۔ کچھ جان بچا کر

اسلئے غار میں جا گھسے۔ دو چار نے سر چھپانے کے لئے ندی کا رخ کیا۔ جس میں بڑے بڑے پتھروں کے گرنے سے تلاطم برپا تھا۔
ہیتیا والوں کا حملہ کہو یا چھاپا۔ رہا کامیاب۔ بیس بائیس آدمیوں کا گھیرا دینا کیا مشکل تھا۔ جو بچ بچا کر ندی کی طرف بھاگے وہ ایک چٹان کے نیچے پتھروں اور تیروں سے اپنے کو بچائے ہوئے جوش میں ہاتھ ہلا ہلا کر باتیں کر رہے تھے اور ان کا شورہ پشت سردار بگھیلا انھیں گالیاں دے رہا تھا۔ بڑی مصیبت یہ تھی کہ وہ آگ جلا کر دھواں نہیں کر سکتے تھے جس سے اپنے تتر بتر ہوئے ساتھیوں کو بلاتے۔ انھیں ڈر تھا کہ دھواں اٹھا اور اس سے پہلے کہ اشو یا والے آئیں۔ دشمن آ دھمکیں گے۔ پھر کیا کرنا؟ اپنے ساتھیوں کو اطلاع کرنی بھی ضروری تھی۔ آخر بگھیلے کے برا بھلا کہنے اور اکسانے پر ایک جواں مرد بن کر اٹھا۔ ادھر ادھر دیکھتا۔ رستہ کاٹتا، دبے پاؤں درختوں کی آڑ لیتا چلا تاکہ بکھرے ہوئے اشویوں کو سمیٹ کر لائے۔
ہیتیا والے بھی اپنے حلیفوں کے ساتھ اپنا مورچہ سنبھالے دشمنوں کی ساری نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ گرو اپنا جادو کا سامان لئے بھوت کی شکل بنائے ان کے ساتھ تھا۔ گرو کی پشتیبانی اور اس کے جنتر منتر کی تاثیر سے اتنی کامیابی جو ہوئی تو "تکی" والوں کے دل بڑھ گئے۔ کیوں نہ بڑھ جاتے پہلے ہی حملہ میں اشویوں کو ٹوک دم بھگا دیا اور اس لئے اب وہ چاہتے تھے سامنے سے دو دو ہاتھ بھی ہو جائیں پھر جب انھوں نے دیکھا کہ دشمن کا ایک آدمی سرپٹ دوڑا ہوا جنگل کی طرف جا رہا ہے۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ اس کا اس طرح جانا خالی از علت نہیں۔ یہ ضرور کمک لانے جاتا ہوگا۔ اور تھی بھی یہی بات تو وہ کیوں جیتی ہوئی لڑائی کو طول دیتے۔ سارے

اشونیوں کے ایک جگہ جمع ہو جانے کے بعد خدا جانے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا
اس مرحلہ پر غور کرکے نکتی نے پانچ آدمی تو مورچہ پر چھوڑ دیے جن کے
پاس چٹانوں کے ٹکڑوں اور پتھروں کا کافی ذخیرہ جمع تھا۔ تاکہ غار کے اندر
باہر آنے جانے والوں کے سروں پر پھینکتے رہیں۔ باقی دو ٹکڑوں میں تقسیم
ہو کر دو طرف سے چلے کہ نیچے اترتے ہی دشمن پر گھیرا ڈال دیں۔ اشوئیا کے
پندرہ آدمی اپنے سردار کے اردگرد ہونے والے حملہ کا انتظار کر رہے
تھے۔ کیونکہ انھوں نے بھی دشمنوں کو پہاڑی سے اترتے دیکھ لیا تھا۔ لیکن
سب سہمے ہوئے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگنا
چاہتے تھے تو بھاگ سکتے تھے۔ بھاگتے کس طرح؟ عورتوں اور بچوں کو
کس کے حوالے کرتے۔ غار اور اس میں جو برسوں کی کمائی تھی اسے کس
دل سے چھوڑتے۔

غل شور کی آوازیں قریب آتی جاتی تھیں۔ آخر بگھیلے نے غصہ میں
پھنکار مار کر اشوئیا کی طرف سے جنگ کا نعرہ لگایا۔ نعرہ لگانا تھا کہ جواب
میں ہادی، کائی ای کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ ہیٹیا والوں نے ہلّہ
بول دیا۔ تیر ہوا میں سن سن اور سائیں سائیں کرنے لگے۔ پتھروں کی بوچھاڑ
ہو گئی۔ بدقسمتی سے اشوئیا والے اپنے قبیلے کے لوگوں کو خبردار کرنے کی
جلدی میں پورے طیار ہو کر بھی نہ نکلے تھے۔ سب کے پاس ڈھالیں تک
نہ تھیں۔ دشمنوں کو ایسا موقع خدا دے۔ انھوں نے اپنے رقیبوں کی
بے لسمی سے خوب فائدہ اٹھایا اور انھیں اپنے تیروں کے آگے رکھ لیا۔
اشوئیا والوں کا سارا گھمنڈ دھرا رہ گیا۔ وہ ایسے ہرنوں کی طرح جو
شکاریوں کے نرغے میں آ جائیں۔ یا اس بجار کی مانند جو باڑے میں پھنس کر

نکلنے کی کشمکش کرتا ہے ہانپتے کانپتے بے تحاشہ بھاگ پڑے انھیں نہ اپنے کسی زخمی ساتھی کو سنبھالنے کا ہوش رہا نہ اپنی پیٹھ دکھانے کی شرم استنے میں اگیا بیتال بھی آ پہنچا۔ اس کے ڈھول کی آواز نے ہیشیا والوں کے جوش کو اور ابھار دیا اور وہ بڑھ بڑھ کر لڑنے لگے۔

اشوریا والے بھاگ رہے تھے مگر بگھیلا زخموں سے چور اپنی جگہ ڈٹا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں جھاگ بھرے ہوئے تھے اور برابر مردانہ وار جو سامنے آتا اس سے مقابلہ کرتا۔ اس کی طاقت اور جی داری سارے قبیلے والوں میں مانی ہوئی تھی۔

سردار کے گرے بغیر فتح کیسی؟ اور بگھیلے کا گرانا آسان نہ تھا۔ بہادر سے زیادہ بہادر کی دھاک ہوتی ہے۔ پھر اسے کون گرائے؟ سب مل کر ٹوٹ پڑیں۔ یہ اس زمانہ میں قانونِ جنگ کے خلاف۔ دست بدست لڑائی میں ایک سے ایک لڑتا۔ بڑی دیر ہوگئی۔ نہ بگھیلے کے قدموں میں لغزش ہوئی نہ کوئی حربہ ایسا کارگر بیٹھا کہ وہ لیٹ جاتا۔ یہ حالت دیکھ کر تُنکی سے نہ رہا گیا۔ وہ لڑنے والوں کو ہٹاتا ہوا بپھرے ہوئے شیر کی طرح بگھیلے کے مقابلہ کو آگے بڑھا اور للکارا "او عورتوں کے بھگانے والے بدمعاش! بہادر شکاریوں کا مارا ہوا شکار چرانے والے چور!! پرائی زمینوں پر ڈاکہ ڈالنے والے عادی ڈاکو!!! آج تیری خیر نہیں۔ روحوں نے ادھر دیکھا تیری موت بنا کر بھیجا ہے۔ ہمت ہے تو آ مجھ سے لڑ!!"

جس طرح دو بلے یا دو کتے گتھنے سے پہلے آنکھیں ملا کر غراتے اور عجیب عجیب آوازیں نکالتے ہیں اسی طرح کوئی چار منٹ بگھیلا تُنکی کو اور تُنکی بگھیلے کو دونوں ایک دوسرے کو تیز تیز نظروں سے دیکھتے رہے

شاید اپنا اپنا داؤں تاک رہے ہوں گے۔ پھر ایک دم سے بگھیلے نے اپنا ڈنڈا پھرا کر شکتی پہ وار کیا۔ روکنے کو تو اس نے ڈھال پر روک لیا۔ چوٹ نہ کھائی۔ لیکن ڈھال کے پرخچے اڑ گئے۔ بگھیلا غصے میں بھنّا اٹھا اور سنبھل کر دوسرا وار کرنے کے لئے ڈنڈا تول رہا تھا کہ شکتی نے پھرتی سے اچھل کر اپنے سونٹے کا ایسا جمتوّل ہاتھ دیا کہ بگھیلے کا کھنڈرا کھل گیا۔ کھوپڑی کے چار ٹکڑے ہو کر بھیجا نکل پڑا۔ اس نے ایک چکر کھایا اور ایک بھیانک چیخ کے ساتھ اڑاڑا دھم۔ موٹے لٹھے کی طرح گرا اور گرتے ہی بے جان تھا۔

شکتی نے جھپٹ کر بگھیلے کے ہتھیاروں' ہاروں' اور سارے سرداری کے تمغوں پر قبضہ جمایا۔ قبیلے کے دوسرے سپاہی غار کی طرف لپکے کہ اشوویا کے شکاریوں کے آنے سے پہلے پہلے لوٹ مار مچالی جائے۔ تہا ٹوپ کے اندر سے ڈھولے ڈھولنے اور چیخ پکار کی آوازیں آرہی تھیں۔ لوٹ مار کے لئے بھی عام شکاری بے چین ہوں گے۔ لیکن شکتی صرف مرگ آسنی والوں کی ان عورتوں کو جلد سے جلد چھڑانا چاہتا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ لڑائی لڑنی پڑی تھی۔ غار کا پورا حال کسے معلوم؟ اندر کیا ہے کیا نہیں؟ یہاں بھی شکتی ہی نے پہلے قدم رکھا' ہوشیاری یہ کی کہ اپنے والوں کی ہمت بڑھانے اور غار میں جو کوئی بھی ہوں ان کے ڈرانے کی غرض سے غار میں داخل ہوتے ہی ڈھول اور نرسنگھے بجا بجا کر قیامت برپا کر دی۔

غار کے اندر پہلے ہی موڑ پر مدھم سی روشنی میں ایک مقابلہ ہوا۔ تین چار آدمی زخمی ہو کر یا ڈر کے مارے یہاں آچھپے تھے۔ ان میں ایک مارا گیا۔ دوسرے چوہوں کی طرح نہ جانے کس بل میں سما گئے۔ آگے بڑھے ایک طرف صنوبر کی مشعلیں روشن دیکھیں وہ قبیلے کے سردار بگھیلے کی جگہ

تھی۔ وہاں سے جو کچھ لوٹ سکے لوٹا۔ عورتیں اپنے بچوں کو لئے اور کچھ مرد بھی اپنی جان بچاتے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کونے کھدروں میں بھاگ بھاگ کر چھپتے پھرتے تھے۔ اس بھاگا دوڑی میں ایک دوسرے اشوئیا کے ساتھ ان کا گرو بھی ٹھنڈا کر دیا گیا۔ اگیا بیتال نے ٹٹول کر اس کی ساری چیزیں ہتھیا لیں۔ ان کے لئے اس سے زیادہ قیمتی اور کونسی لوٹ ہوتی۔

مرگ آسنی والوں کی عورتیں اب تک نہیں دکھائی دیں۔ کہتے ہیں کہ عورت اور چھپکلی کی ایک ذات ہے۔ دونوں چھوٹے سے چھوٹی جگہ اسطرح چھپ سکتی ہیں کہ کسی کو سان وگمان بھی نہیں ہوتا۔ انھیں چپک کر بیٹھنے اور دبکے پڑے رہنے میں کمال ہے۔ وہ بھی پہاڑ کے شگافوں میں کہیں ایسی گھس بیٹھی تھیں کہ فوراً پتہ نہیں چلا۔ غار ٹھہرا غدار کہاں تک کونا کونا تلاش کرتے۔ دوسرے یہ بھی سانسا لگا ہوا تھا کہ اگر اشوئیا والے میدان سے سمٹ کر آگئے اور انھوں نے ہمارا ڈر نہ مانا تو گھونسوں کی طرح غار کے پنجرے میں ہمیں قید کر کے مار ڈالیں گے غار سے جلد نکلنے کی بھی گھبراہٹ تھی اور اپنی عورتوں کا خیال بھی آخر مرگ آسنیوں میں سے دو چار نے ان عورتوں کے نام لے لے کر پکارنا شروع کیا۔ جنھیں جھبیلا بھگا کر لایا تھا دور سے کچھ کھسر پھسر، کھٹ پٹ کی سی آوازیں آئیں۔ . . . .

. . . . جا کر دیکھا تو ایک کونے میں سردی سے سکڑی سکڑائی غریب گچھا بنی بیٹھی ہیں۔ برابر برابر کئی شگافوں میں دوسری عورتوں کا بھی پتہ لگا۔ مرگ آسنی والیوں کے ساتھ اشوئیا کی بھی جتنی عورتیں ہاتھ لگ سکیں انھیں بھی باہر نکال لائے۔ لڑائی کے قانون کی رو سے اشوئیا والیاں قیدی تھیں۔ کیا حجت کرتیں۔ بے عذر سر جھکائے اپنے طاقت ور

حملہ آوروں کے ساتھ ہولیں۔

شکتی کو یاد تھا کہ بن باسی دیوی اور اپنے قبیلے والوں سے اس نے کیا وعدہ کیا ہے۔ اسے بگھیلے کی لاش محبت اور غیرت کے دیوتاؤں پر ایک ساتھ چڑھانی تھی۔ چنانچہ اشو یا کے سردار کا مردہ ایک لکڑی کے ساتھ تسموں سے باندھا گیا اور لوگ اسے باری باری اٹھاتے کندھا بدلتے چلے۔ بھالو کھبٹ کچھ سامنے نہ تھا کئی میدان گھاٹیاں اور پہاڑی بیچ میں پڑتی تھیں۔ شکتی کی خواہش تھی کہ پر لگ جائیں اور اڑ کر بن باسی دیوی کے پاس پہنچے۔ دوسرے اشو یوں کے شکاریوں کا اندیشہ اگر وہ آگئے تو ہونا ہوا نا تو کچھ ہے نہیں مفت میں الجھنا پڑے گا اور دیر لگے گی لیکن وہ بھی مارا مار چلے آتے تھے۔ مٹھ بھیڑ ہونی ہی تھی۔ یکایک قریب کی پہاڑی میں سے غل کی آواز آئی۔ سمجھ لیا گیا کہ اشو یا والے ہیں۔ اتنے میں شور زیادہ بلند ہوا۔ مغلوبوں کی المناک صدائیں ہوا میں گونجیں جس کا جواب ہیشیا والوں نے فتح کے گیتوں سے دیا اور خوشی کے نعرے لگانے لگے گرونے ڈھول پیٹ پیٹ کر ان کے رہے سہے اوسان خطا کر دیئے۔

اشو یا والے چوتھائی کے قریب مارے گئے تھے۔ ان کا سردار اور گرو بھی ڈھیر ہو چکا تھا۔ ادھر ہیشیا اور مرگ آسنی والوں کو چوٹیں تو آئی تھیں مگر بہت معمولی ان کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ حملہ کی کامیابی سے خوش تھیں مقابلہ کا اب کیا خوف ہوتا۔ تعداد میں زیادہ بہمت بڑھی ہوئی وہ پراگندہ۔ ان کی طاقت مجتمع شکتی اگرچہ بن باسی دیوی کی صورت دیکھنے اور اپنی شکل اسے دکھانے کے لئے بے چین تھا تاہم اشو یا والوں کو دیکھ کر ایک چٹان کی آڑ میں چند آدمیوں کو لے کر کھڑا ہو گیا کہ اگر وہ راستہ روکیں

تو ان سے بھی شکست لے اور دوسروں سے کہہ دیا کہ عورتوں اور بجھیلے کی لاش کو لئے ہوئے سیدھے چلے جائیں۔

اشوئیا کے شکاریوں اور ان میں ابھی کچھ فاصلہ تھا۔ ان کے قدم ذرا سست پڑ گئے تھے۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ مقابلہ کریں یا نہ کریں۔ کہ شکتی نے کچھ جھاڑ جھنکاڑ اکٹھا کیا۔ پھر تھوڑی سی خشک گھاس اوپر رکھ کر چقماق سے آگ جھاڑی۔ دھواں اٹھا اور دو چار سوکھی شاخیں ڈالیں حیند منٹ الاؤ سا روشن ہو گیا۔ چنگاریاں اڑ اڑ کر چمکنے لگیں۔ لکڑیاں تیزی کے ساتھ جل رہی تھیں۔ ذرا ذرا سے وقفہ کے بعد شکتی اس میں ہری ہری ٹہنیاں ڈالتا جاتا تھا۔ دھواں گہرا ہو کر اٹھا اور اس کا بہت اونچا ستون سا بن گیا۔ یہ اپنے قبیلے والوں کو فتح کی خوش خبری سنانے کی ترکیب تھی تاکہ ان کے پہنچنے سے پہلے بھالو بھٹ میں لڑائی جیتنے کی اطلاع ہو جائے اور وہ خوشی کا نشان دیکھ کر خوشی منانے لگیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بن باسی دیوی شکتی کی بہادری کا گیت گانے لگے۔

مغلوب کی لاش کا حشر

اشوئیا کے شکاریوں سے تھوڑی سی جھڑپ ہوئی لیکن ان کے قدم نہ جمے ایک ہی ہلہ میں چیں بول کر بھاگے اور پھر نظر نہ آئے۔ شکتی اب بالکل مطمئن تھا۔ وادی کے نیچے اوپر آگ اور مشعلیں روشن تھیں۔ بھالو بھٹ کی عورتیں دو چار مردوں کو اپنے غار کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر فتح مند لشکر کی آمد کے انتظار میں باہر نکل آئیں۔ جب سے بن باسی دیوی اور دوسری

عورتوں نے پہاڑ پر سے شکتی کے دھوئیں کے اشارے کو دیکھا تھا۔ ہر ایک اپنے اپنے بہادروں کو سراہنے اور فتح کی خوشی منانے کی تیاری کر رہی تھی غار کے قریب زمین کھود کر گڑھے بنائے گئے تھے اور ان کے اندر چاروں طرف پتھروں کی منڈیریں سی بنا دی تھیں۔ انھیں اس زمانے کا بھاڑ یا تنور سمجھو۔ ان گڑھوں یا تنوروں میں خوب آگ دھکاتے اور جب پتھر دہک کر سرخ انگارا ہو جاتے تو آگ کو نکال پھینکتے اور جلتے ہوئے پتھروں پہ گوشت کے پارچے رکھ رکھ کر سینکتے۔ ان عورتوں نے بھی اسی طرح ہرن کا گوشت سینکنا شروع کر دیا تھا تاکہ لڑائی جیتنے والے بہادروں کی دعوت کا سامان تیار رہے۔

رات کا اندھیرا تھا اور فاصلہ بھی زیادہ، صورتیں تو ابھی کیا دکھائی دیتیں آوازیں آنے لگی تھیں وہ آ رہے تھے۔ باتیں سنائی دینے لگی تھیں۔ قدموں کی آہٹ نے بتایا کہ سامنے کا گھونگھٹ ہٹا اور بہادر دکھائی دیے۔ عورتیں ادھر سے خوشی کے گیت گاتی بڑھیں۔ دونوں قبیلوں والے شور مچاتے ہاتھ ہلاتے ادھر درے سے باہر نکلے مشعل کی روشنی میں ڈنڈے اور ہتھیار ہلتے نظر آئے۔ زخمی تندرستوں کا سہارا لئے نعرے لگاتے چلے آتے تھے۔ فتح کے نشہ میں کچھ خبر نہ تھی کہ کہاں چوٹ لگی ہے اور ہاتھ ٹوٹا ہے یا پاؤں۔ شکتی کی کچھ نہ پوچھو۔ اس کی اکڑ کا کیا ٹھکانا تھا۔ بگھیلے کے ہار گلے میں تھے اور اس کا مردہ بانس میں لٹکا ہوا دو آدمیوں کے کندھوں پر پیچھے پیچھے۔

آگئے ہیشیا والے بہادر بھی اور مرگ آسنی بھی۔ میدان جیت کر دشمن کی عورتیں بھی قیدی بن آئیں اور بگھیلے کی لاش بھی بن باسی دیوی کو دکھانے

کے لیے ساتھ ہے۔ اشو بُیا کی عورتیں چیخ چیخ کر کان کھائے جاتی تھیں
ان کا مطالبہ تھا کہ ہمارے سردار کی لاش ہمیں دیدو، ہم اپنے طور پر
کریا کرم کریں گے یہاں کون سنتا۔ مفتوح کی چیخ پکار آہ و نالہ اگر یہ
زاری بھی مفتوح ہی سمجھو۔ ساری مشعلیں ایک جگہ اکٹھی ہو گئی تھیں۔
عورت مرد، لڑکے لڑکیاں، پہلے پڑتے تھے زخموں نے مُردے کی صورت
مسخ کر دی تھی۔

شکتی (بن باسی دیوی سے مخاطب ہو کر) تم نے دیکھا، تمہارا بدلہ
لے لیا گیا تمہاری بکریوں کا شکار کرنے والا بھیڑیا خود شکار ہو گیا۔ اس
نے تمہارے قبیلے پر ظلم کیا تھا۔ میں اسے مار کر تمہارے پاس لایا ہوں
میں نے اسے دست بدست لڑ کر شکست دی۔ ایک ڈنڈے میں
اس کا سر پھاڑ ڈالا۔ اب میں تمہیں اس کے ہار دیتا ہوں جنھیں پہنکر
وہ اترایا کرتا تھا۔

ہپنیا والوں نے اپنے سردار کی فتح کے نعرے لگائے اور شکتی
نے بن باسی دیوی کے گلے میں بگھیلے سے چھینے ہوئے ہار پہنائے
مرگ آسنی والوں کا اب نمبر آیا۔ انھوں نے بھی خوب برچھیاں اچھالیں
شکتی اور بن باسی دیوی کی جے پکاری۔ عورتیں سمجھ گئیں کہ نوجوان شکتی
کا کیا مطلب ہے۔ وہ اپنے اپنے دل کی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی
تھیں۔ بن باسی دیوی پہلے شکتی کو دیکھ کر مسکرائی۔ پھر جب اپنی ہمجولیوں
پر نظر پڑی تو ہنسی۔ اسے سردار ہونے کا فخر تھا ہپنیا کے سب بڑے
بہادر نوجوان کی وہ منظور نظر تھی اور ایک عورت ہونے کی حیثیت سے
ہاروں کے ساتھ ساتھ اس کے جذبات بھی انگڑائیاں لے رہے تھے

بگھیلے کی لاش کو ننگا کر کے میدان کی گھاس پر ڈال دیا گیا۔ اس کے چاروں طرف سوختوں کی مشعلیں روشن تھیں۔ جب تنکتی گرو کو ساتھ لئے وہاں پہنچا تو لوگ مردے کے پاس سے ہٹ گئے۔ غل غپاڑا موقوف ہوا۔ خاموشی چھا گئی تنکتی آگے بڑھا اور لاش کو خطاب کر کے کہنے لگا "اے بگھیلے! اس جنگل کے خونخوار بھیڑیے۔ اشوئیا کے سردار! تو ہماری سن سکتا ہے مگر جواب نہیں دے سکتا۔ تو کبھی جتنا طاقت ور تھا اب اتنا ہی کمزور ہے۔ پہلے تیری دوڑ ہرن سے تیز اور تیرا حملہ چیتے کا حملہ تھا۔ آج تیرے پاؤں ٹوٹ گئے۔ روحوں نے تجھ کو مسوس ڈالا۔ ایسا بے حس و حرکت پڑا ہے جیسے ٹوٹی ہوئی چٹان۔ آندھی میں گرا ہوا صنوبر کا درخت اے مورکھ گھمنڈی! آخر تو نے ہم سے مقابلہ کر کے کیا پایا۔

لاش کو ایک لکڑی گاڑ کر اس کے سہارے کھڑا کیا۔ مردے کی ایک آنکھ کچلے ہوئے سر میں سے ابھر کر نکل آئی تھی۔ تنکتی نے پھر کہنا شروع کیا۔ "تو مغرور تھا۔ روحوں سے زیادہ مغرور! تو نے میدان کے قانون کی توہین کی۔ ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ۔ ان کے بنانے والوں کی ہنسی اڑائی تو سمجھا ہوگا وہ تجھ سے ڈر گئے؟۔ پھر دیکھا انھوں نے تجھ سے کیسا بدلا لیا۔ تیرے قبیلے والے دوسروں کے لئے ہوا بن گئے تھے۔ سارے میدان میں اودھم مچا رکھی تھی۔ فقط تیری شہ سے لوگ تیرے ظلم اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے اور تو خنجر چلاتے چلاتے نہ تھکا۔ اپنی زور ازوری کو امر نہ سمجھا۔ جتنا دوسرے تیرے آگے جھکے تو اور زیادہ اکڑا کیا۔

دونوں قبیلے والے خاموش تنکتی کا منہ دیکھ رہے تھے اور تنکتی برابر

بھیلے کی لاش کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر جو جو اس کی باتیں یاد آتی جاتیں کہے جاتا تھا۔ وہ ایک دفعہ پیچھے ہٹ کر پھر آگے بڑھا اور غضبناک لہجہ میں بولا۔ تو عورتوں سے لڑ کر بڑا بہادر بنتا تھا۔ مردوں کا مقابلہ نہ کیا گیا۔ ایک وار نہ سہ سکا۔ ارے تو عورتوں کا بھگانے والا ہی رہا نہ! ڈاکو۔ رستہ میں چھاپا مارا۔ عورتوں کو اڑا لیا۔ بن باسی دیوی کو زخمی کر دیا۔ بہادر ایسے ہی ہوتے ہیں؟۔ تھوک ہے تیرے مرد ہونے پر۔ بول، جواب دے! اٹھ! غیر دل کی زمین پر دھونس سے شکار کھیل بھیلے! تو وہی چور ہے نا جو میرے مارے ہوئے شکار کو چرا کر لے بھاگا تھا۔ تیری گزران اوروں کی محنت کی کمائی پر تھی۔ ان موذی جانوروں کی طرح جو اپنے ارد گرد کی فضا کو ڈراؤنا کر دیتے ہیں۔ تجھے بہادر کون کہے۔ زہریلے سانپ جنگلی کتے! تیرا گوشت گدھ اور کوے کھائیں گے۔ تیری ہڈیاں لگڑ بگڑ چبائیں گے۔ تیری روح بھوکے بھیڑیوں کے آگے اور پیچھے رات کے اندھیرے سے گھبرا گھبرا کر میدان میں ڈونڈاتی پھرے گی آخ تھو!!" یہ کہہ کر شکتی نے بھیلے کی لاش پر زور سے ایک لات رسید کی۔ وہ گر پڑی اور اس کے پھٹے ہوئے سر میں سے بھیجا ملا ہوا خون جھاگ جھاگ ہو کر نکلنے لگا۔ دوسرے مرد اور عورتوں نے بھی لاتوں اور برچھیوں سے اسکی خبر لی۔ غرضکہ مردے کی خوب کریا کرم ہوئی۔

اس کے بعد دعوت اڑی۔ گوشت کے پارچے سنکے ہوئے طباقوں میں ہاتھ مارے جانے لگے۔ بڑے بڑے لقمے لگاتے جاتے اور بھیلے کی لاش کی طرح اشارے کر کے طرح طرح کی پھبتیاں اڑاتے۔

ایک۔ "خوب دعوت کھلوائی۔"

دوسرا۔ "بھیلے کے صدقے میں آج مزا آگیا۔"

تیسرا:۔ سردار صاحب۔ آپ دعوت میں شریک نہیں۔ دیکھیے یہ ران کا ٹکڑا کیسا سوندھا ہے۔"
چوتھا:۔ "روحیں اسے کھا رہی ہیں یہ ہمارے ساتھ کیا کھائے گا۔"
پانچواں:۔ "اس کے سامنے یہ ہمارا آخری کھانا ہے۔ آج کے بعد یہ ہمارے پاس رہ سکتا ہے نہ ہم اس سے دل لگی کر سکتے ہیں۔"
چھٹا:۔ "ہمارے مارے ہوئے جانور پھر کب کھانے آؤ گے؟"
ساتواں:۔ "آ چکا! پہلے درندوں کی دعوت سے تو فرصت مل جائے گی۔"
آٹھواں:۔ "دیکھتے نہیں بھوکی روحیں منڈلا رہی ہیں۔"
وہ کبھی کبھی بچی ہوئی ہڈیاں بھی اس کی طرف پھینکتے اور باری باری سے ایک ایک اٹھتا اور مشعل لے جا کر اس کے زخموں کو دیکھتا۔ جی چاہتا تو ایک آدھ چرکا بھی لگا دیتا۔ بڑی دیر میں کھانا ختم ہوا اور لاش کھینچ کر دور جھاڑیوں کے پاس ڈال دی گئی تاکہ مردہ خور جانور اپنا پیٹ بھریں اور اس کی روح کو ثواب پہنچائیں۔ تیسرے روز فتح کا جشن مناتے مناتے شکتی جو اپنے شکست خوردہ دشمنوں کی سن گن لینے کو نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ جہاں بھیلے کا مردہ ڈالا تھا چند ٹوٹی پھوٹی ہڈیاں پڑی ہیں پورا پنجر بھی نہیں۔ اس نے بڑے اطمینان کا ایک سانس لیا۔ خوشی کی کلکاریاں ماریں۔ گویا بھرپور انتقام لے لیا گیا۔ اب بعد کریا کرم کے ہمیشہ اس کی روح بھوت بن کر بھٹکتی پھرے گی اور کبھی اپنے باپ دادا کی ہرداڑوں تک نہیں پہنچ سکے گی۔

عورتوں کی گھریلو زندگی

بگھیلا کیا مارا گیا تھا کہ شکار کی بندش کھل گئی۔ یا یوں کہو کہ بن باسی دیوی کے قدموں کی برکت تھی کہ جب شکاری جاتے لدے پھندے آتے۔ چیتل، بارہ سنگے، پہاڑی بکرے، ریچھ، بھیڑیے، گلِ ارگائیں بیل، کون سے درندے اور چرندے ایسے تھے جو غول کے غول نہ دکھائی دیں اور روزانہ شکار نہ ہو۔ دو چار ہی دن میں گوشت سے پیٹ اور کھال سے غار اٹا اٹ بھر گیا۔

ہیتھیا اور مرگ آسنی دونوں قبیلے ایک جا تھے۔ دونوں کے مرد شکار میں شریک اور دونوں کی عورتیں گھر کے کام کاج میں شامل۔ سب مل جل کر کھاتے پیتے رہتے سہتے۔ ایک دن دونوں قبیلوں کی عورتیں شکاریوں کے مارے ہوئے جانوروں کی کھالیں ٹھیک ٹھاک کرنے کے لئے اکٹھی ہوئیں۔ کھالوں کو تیز نوک دار کنکلوں اور ہڈیوں کی کرچوں سے کھرچنے لکڑی کے ڈنڈوں سے ہموار، نرم کرنے یا ان کی چربی چھڑانے کے لئے چبانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتی جاتی تھیں۔ باتیں کرنے کا موقعہ عموماً انھیں کم ملتا۔ عورتوں کی ان دنوں میں کوئی اپنی حیثیت نہ تھی۔ ان کا اثاث البیت میں شمار تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ خدمت کرنے والی لونڈیاں سمجھی جاتیں۔ اس لئے ان سے توقع کی جاتی کہ قبیلے کے مردوں کی موجودگی میں وہ خاموش رہیں اور آپس میں اس وقت بولتیں چالتیں جب کوئی مرد نہ ہو وہ نہ قبیلے کے کسی معاملہ میں رائے دے سکتیں۔ نہ انھیں دوسرے مردوں کے سامنے اپنے شوہر سے کچھ کہنے سننے کا حق تھا۔

آج اتفاق سے سارے مرد باہر تھے۔ انھیں چہل کا موقعہ ملا تھا

مذاق ہونے لگا۔ کھلکھلا کر ہنستیں اور زور سے بولنے میں ایک دوسری پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتیں۔

ایک :۔ "تم نے اس ہار کو دیکھا جو شکتی نے بن باسی دیوی کو دیا ہے؟"

دوسری :۔ "نہ جانے ایسی انمول سیپیاں وہ کہاں سے لایا تھا۔"

تیسری :۔ "بڑے دریا میں غوطے مارے ہوں گے۔"

پہلی :۔ "اور اس پر ابھی تک بگھیلے کا خون لگا ہوا ہے۔"

چوتھی :۔ "جب ہی تو اسے اتنی خوشی ہوئی۔"

پانچویں :۔ "لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ شکتی اس مردار عورت کو کیوں پسند کرتا ہے۔"

چھٹی :۔ "اس میں خوبی کونسی ہے۔ بال ہیں تو ایسے زرد جیسے سوکھی ہوئی گھاس یا خزاں کے مارے ہوئے پتے۔ اس کی آنکھیں دیکھو تو بالکل سردی کے بادلوں کی طرح بھوری بھوری۔"

مرگ آسنی :۔ قبیلے کی ایک عورت (ذرا تنک کر) "ذرا تم اپنی تو خبر لو۔ موٹی کو بھٹی کی جلی ہوئی لکڑیاں۔ بال بھی ایسے کالے ہیں جیسے کوّے کے پر۔ کوئی جانے کہ کوئلے تانت میں پرو کر لٹکا لئے۔ ہم مرگ آسینوں کے بال سورج بھگوان نے اپنی کرنوں سے بنائے ہیں، ان کی آنکھوں میں جنگلی پھولوں کی جھلک ہوتی ہے۔ اگر تم چاہتی ہو تو اپنے کالے بالوں کو تم بھی زردمٹی میں بارہ سنگھے کی چربی ملا کر رنگ لو۔ اور اپنی آنکھوں میں بھی روحوں کی دعوت کرو۔ لیکن بناوٹ سے کہیں اصلی روپ کا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ پھر بھی تمہاری چولی ایسی خوشنما نہیں ہوگی۔ جیسی ہماری سردار بن باسی دیوی کی۔"

ہیشیا والی (ہنس کر) "لے جاؤ۔ ہم کو چلاتی ہو۔ تمہاری بن باسی دیوی ایسی کیا دنیا کی عورتوں سے نرالی ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ یہ اس کے سنہری گھونگھر والے بال ہیں جنھوں نے شکتی کا دل موہ لیا ہے۔ اس کے پاس کوئی موہنی ہے، جادو کا جنتر۔ اس نے شکتی پر ضرور نہ ہو پڑھنت ضرور پڑھی ہے۔"

ایک بوڑھی۔ عورت (جو کھال کو دانتوں سے چبا رہی تھی اپنی جھرجھری آواز میں بولی) " ہٹو! کیسی باتیں کرتی ہو۔ اپنے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہو۔ تم میں سے کوئی بھی ایسی ہے جس کا دل شکتی کی بیوی بننے کو نہ چاہتا ہو۔ مگر وہ بن باسی دیوی کے سوا کسی کو پسند نہیں کرتا یہی تم کو جلاتا ہے۔ تم جلا کرو جس کو پیا چاہے وہی سہاگن اب چاہے بن باسی دیوی سے کھنساؤ۔ چاہے شکتی پر نام دھرو۔ پھر تمنے کبھی وہ کام کیا ہوتا۔

جو بن باسی دیوی نے کیا ہے تمہیں کس نے روکا تھا۔ بس اپنا کام کرو۔"

اتنا کہہ کر بڑھیا تو اپنی کھال چبانے لگی۔ نوجوان عورتیں کھسیانی ہنسی ہنسنے لگیں۔ جواب کیا دیتیں اپنے اپنے دھندے سے لگ گئیں اور بڑی دیر خاموشی رہی۔ پتھر اور ہڈیوں کے رگڑنے کی آوازوں کے سوا کوئی آواز نہ سنائی دی کھالوں کی تیاری میں کیا رکھا تھا۔ گھنٹوں میں جیسا بنانا چاہتی تھیں بنا ڈالا۔ بعض کو اپنے اصلی رنگ پر رہنے دیا۔ بہت سی زرد لال اور کالی مٹی، گھاس پودوں کے پانیوں میں ڈوب دے دے کر رنگ لیا۔ ہر ایک کھالوں کی نرمی اور چکنائی دیکھنے کے لئے ان پر کبھی

ہاتھ پھیرتی، کبھی ناک لگا کر سونگھتی۔ جب انھیں ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو لمبے لمبے سانس لئے۔ ایک نے دوسری کی طرف دیکھا گویا ان کی محنت سوارت ہوئی۔ سارے دن جو انھوں نے مشقت کی تھی کچی کھالوں کو چبایا تھا اس کا صلہ مل گیا۔

چمڑے کو نرم کرنے کیلئے دانتوں سے زیادہ کوئی اوزار اس زمانہ تک نہ ایجاد ہوا تھا اور نہ تھوک سے بڑھ کر اس کو کمانے والی دوسری رقیق چیز انھیں معلوم تھی۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا کہ کھالوں میں نرمی پیدا کرنے کی غرض سے انھیں پانی میں ڈال دیتے جو بعض پودوں کی چھالیں ڈال کر خاص طور پر بنایا جاتا۔ لیکن ایسی کھالیں کچھ اچھی نہیں سمجھی جاتیں اور وہ اپنے رنگ روپ کے لحاظ سے کم درجہ کی ہوتیں۔

شام ہو گئی تھی۔ کاموں سے بھی چھٹکارا مل گیا تھا۔ ساری عورتیں اٹھ اٹھ کر اپنے بھٹوں میں چلیں۔ اپنی اپنی کمائی ہوئی کھالوں کے گٹھر ان کی پشتوں پر تھے۔ ہیتیا والیاں تو بالکل نچنت تھیں۔ ان کی کاری گری ختم ہو گئی۔ مگر مرگ آسنیوں کو اب یہ سوچ تھا کہ ان رنگ برنگ کے ٹکڑوں کو جوڑ کر لباس میں کیا تراش خراش کریں اور اپنی اور اپنے مردوں کی پوشش کو کس طرح خوشنما بنائیں ؛

قبیلوں کا سنجوگ

غار کے سامنے ایک اونچی سی جگہ رات دن جلنے والی آگ کے ارد گرد ہیتیا اور مرگ آسنی دونوں قبیلوں کے آدمی کئی دن سے روزانہ اکٹھے

بیٹھتے اور گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ اپنی عادت کے مطابق خاموش نہیں تھے نہ کھانے پینے یا تسکار دکار کے سلسلہ میں کوئی تصفیہ طلب بات تھی۔ بلکہ اس غیر معمولی بہت پنچایت کا منشا ایک خاص مسئلہ پر رائے لینا تھا جسے کہنے کو جاہل تھے۔ مگر اپنے حالات سے خوب واقف بڑی بڑی لمبی بحثیں ہوتیں۔ ہر ایک اپنی سمجھ کے موافق دلیلوں کے ساتھ تقریر کرتا اور دوسروں کی سننے کے لئے خاموش ہو جاتا۔ مسئلہ جس پر یہ گفتگو تھی بڑا ٹیڑھا تھا یعنی جھیتیا کا تکتی مرگ آسنی والوں کی بیٹی بن باسی دیوی کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے یا نہیں؟ معمولی نگاہ سے دیکھو تو بات بالکل سیدھی سادی تھی۔ دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ ہاں پڑھے داغوں اور رسوم کی لکیروں کے فقروں میں آکر ٹیڑھا بن جائے تو کیا علاج؟ ان کا رواج تھا کہ اگر کسی ایک قبیلہ کا کوئی شخص دوسرے قبیلے کی عورت کو پسند کرتا تو اس کی قیمت ادا کر کے لے جاتا۔ سودے میں حجت ہوتی۔ لڑائی کی نوبت پہنچتی تو سب مل کر معاملہ سلجھا لیتے۔ پھر؟ پھر یہ کہ یہاں وہ عام صورت نہ تھی بن باسی دیوی کا درجہ خاص تھا۔ وہ اپنے قبیلے کی سردار اور تکتی سرداری کا امیدوار۔ بہتیرا سوچا دماغ لڑائے بیکار۔ اس قسم کی نظیر ہوتی تو معاملہ صاف ہو جاتا۔

دونوں قبیلے والے جمع ہوتے، بیٹھتے، سوچتے، بحثیں کرتے اور اٹھ کر چلے جاتے۔ فیصلے کی کوئی شکل نہیں بنتی تھی۔ بلکہ ہر دفعہ قسم قسم کے نئے اور پیچ در پیچ سوال پیدا ہوتے چلے جاتے تھے۔ مثلاً اگر بن باسی دیوی تکتی سے شادی کر لے تو کیا وہ اپنے قبیلے کو چھوڑ دے گی اور کیا مرگ آسنی والوں کو اپنے لئے دوسرا سردار چننا پڑے گا؟۔ کیا دونوں قبیلوں کا سمبندھ ہونا ممکن ہے؟ اور سمبندھ ہو گیا تو کیا حملہ کے وقت بلانے والے اشارات اور قبیلے

کے رنگوں کی نشانیاں بدستور قائم رہیں گی ؟ دونوں قبیلے مل کر اگر ایک ہو گئے تو ان کا سردار کون ہوگا ؟ ہماری بن باسی دیوی یا شکتی ؟ اس کے علاوہ شکار کے میدان اتنے کافی بڑے ہیں کہ دو قبیلوں کے لیے خوراک مہیّا کر سکیں گے ؟ اسی طرح مہینیا کے بعض قدامت پرستوں کا بڑا اہم سوال یہ تھا کہ شکتی کی پہلی بیوی ابھی زندہ ہے اس کا حشر کیا ہوگا ؟ وہ کس کی ہو کر رہے گی ؟ آج تک تو ہمارے قبیلے میں پہلی بیوی کے ہوتے ساتی کسی نے دوسری جورو کی نہیں ؟ ساتھ چند دور اندیش اس خیال کے بھی تھے کہ اب یہ سنجوگ ٹوٹنا نہیں چاہیے۔ اس بندھن کو جس قیمت پر ہو اور مضبوط کیا جائے کیونکہ ہماری دھاک دشمنوں پر اسی وقت تک بیٹھی ہوئی ہے کہ اکٹھے ہیں۔ جہاں الگ رہی دو ٹکڑیاں ہوئیں، ہماری تباہی آئی۔ اشوییا والے ایک سے ایک چن چن کر انتقام لے لیں گے۔

جب آپس میں یہ مرحلہ کسی صورت سے طے ہوتا نظر نہ آیا تو گرو نے اپنا پاکھنڈ پھیلایا وہ کہنے لگا کہ " یہ گرہ تمہارے کھولنے کی نہیں ہے۔ میں روحوں کو بلا کر پوچھتا ہوں۔ وہ اگلی پچھلی باتیں جانتی ہیں ان کی مرضی بغیر ہمیں کچھ نہ کرنا چاہیے۔ میں تمہاری خاطر اس غار میں جاؤں گا جہاں آج تک کوئی نہیں گیا جو بہت پرانی روحوں کا ٹھکانہ ہے۔ لیکن وہ روحیں ساری دنیا کی روحوں سے زیادہ حاسد اور شکی ہیں۔ ان کے کہنے پر سب کو چلنا پڑے گا۔ ذرا بھی کسی نے ناک بھوں چڑھائی تو ناس سمجھو" سب نے گرو کے آگے سر جھکا دیا اور گرو اکیلا روحوں سے مشورہ کرنے چلا۔

مدن پر سرخ مٹی مل کر آگیا بنیاں گھاٹیوں میں اِدھر اُدھر پھرتے پھرتے ایک بڑی چٹان کے پہلو میں پہنچا۔ زمین پر ابھرے ہوئے پتھروں کو اپنے

سونٹے سے بجاتا جاتا تھا۔ ایک جگہ کھوکھلی سی آواز آئی۔ سامنے کوئی پندرہ قدم پر گنجان جھاڑی تھی۔ پھیر کھا کر ادھر گیا۔ جھاڑی کے نیچے کئی پتھر الگ تھلگ تھے۔ انھیں سرکایا۔ جب نیچے سے ایک بھٹ کا دروازہ نکلا۔ جس نامعلوم اور پر اسرار روحوں کے مسکن کی تلاش تھی مل گیا۔ اگڑ بگڑ سوں سٹ چھل پل، چٹ پٹ اپنے اگلے گروگھنٹال کے نام لے کر پیٹ کے بل اس پہاڑ کے جوف میں جو لومڑی کے بھٹ کی طرح تنگ تھا گھسٹتا ہوا چلا۔ وہ ایسا سکڑا تھا کہ لیٹ کر گھسنے پر بھی بدن کی ساری مٹی دہانے پر ہی رگڑ کھا کر ہی رہ گئی۔ سانپ کی طرح گھسٹتے گھسٹتے آخر وہ ذرا کھلی ہوئی جگہ میں جا نکلا کمر سے چربی نکالی۔ چقماق سے آگ جھاڑی۔ چراغ جلایا۔ چاروں طرف دیکھا اور جادو ٹونا پوجا پاٹ روحوں کو بلانے کی ترکیبیں جو جو یاد تھیں کیں۔ غرضکہ جھوٹا سچا۔ اپنے دل کو سمجھانے یا قبیلے والوں کو بھگتانی دکھانے کے لئے کرنا تھا کیا اور رسمیات سے فراغت پاکر باہر نکل آیا۔ اس غار کا ذکر اگیا بتیال نے اپنے بڑوں سے سنا تھا۔ اس کے عقیدے میں یہ ایسی اچھوتی جگہ تھی جہاں مدتوں سے انسان کا گزر نہیں ہوا اور اس لئے اس میں رہنے والی روحیں بہت طاقت والی ہیں۔

لوگ آگ کے گرد بیٹھے خاموش گرو کے آنے کا انتظار کر رہے تھے کہ اگیا بتیال ہشاش بشاش سامنے آتا دکھائی دیا۔ قبیلے والے صورت سے پہچان گئے کہ روحوں نے کوئی اچھا فیصلہ کیا ہے۔ گرو جی کوئی اچھی خبر سنائیں گے۔ اگیا بتیال بڑے اطمینان کے ساتھ الاؤ کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ سب اس کی صورت دیکھنے لگے کہ گرو کیا کہتا ہے۔ ہر ایک کا دل روحوں کی مرضی سننے کے لئے بیتاب تھا۔ گرو چاروں طرف دیکھ کر

اپنے خاص انداز میں بولا "تنکتی کو بن باسی دیوی سے شادی کرنے دو۔ روحوں کی بھی یہی اچھا ہے۔ دونوں قبیلے آپس میں خون کی قسم کھائیں کہ خطروں کے وقت بلانے کی ایک ہی آواز ہوگی۔ اور ایک ہی سردار کے ماتحت رہیں گے رہی تنکتی کی پرانی بیوی اس کی بابت روحوں نے کہا ہے کہ اگر تنکتی چاہے تو اسے بھی رکھ سکتا ہے۔ نہیں تو کوئی دوسرا بے جورو والا اسے اپنے گھر میں ڈال لے۔"

گرو کے کہنے "روحوں کی ہم آگیا اور اچھتا کے بعد کون حجت کرتا۔ پھر جب آگیا بتیال نے نشانی کے طور پر ریچھوں کے مٹھی بھر دانت بھی دکھائے جو وہ غار میں سے لایا تھا۔ تو چوں وچرا کی کے گنجائش تھی۔ ان قبائل میں ریچھ روحوں کے خول سمجھے جاتے تھے۔ ان کے رہنے اور مرنے کی جگہ۔ روحوں کے آرام کرنے اور چولہ بدلنے کا استھان یقین کیا جاتا۔ یہ غار درحقیقت کسی وقت میں ریچھوں کا بھٹ ہوگا۔ جہاں ان کے دانت اور ہڈیاں پڑی تھیں۔ آگیا بتیال بھی اسی لیے بہت سے دانت سمیٹ لایا تھا کہ اگر کسی نے انیڈی بنیڈی بولی تو دانت دکھا دوں گا۔ چنانچہ اس نے یہ موٹھ بھی فوراً ماردی ریچھوں کے دانت دیکھتے ہی وہ ایمان لے آئے کہ واقعی گرو نے روحوں والے ریچھوں کا قدیم مسکن معلوم کرلیا ہے اور اب اپنی بات پر اڑنا روحوں سے لڑائی مول لینی ہے۔

دونوں قبیلوں کو اتفاق واتحاد کی طاقت کا اندازہ ہوچکا تھا۔ ویسے بھی عورتوں سے عورتیں اور مردوں سے مرد مانوس ہوگئے تھے اب جو گرو کی روحوں کی آواز سنی تو رہی سہی نسلی منافرت کا خیال بھی چھوڑ دیا دلوں سے نکال ڈالا۔ تن من دھن سے ایک ہونے کی

دل میں ٹھان لی۔ اشو ٹیا کی قیدی عورتیں جو اپنی تقدیر سے مجبور تھیں بڑی خوشی و خرمی کے ساتھ نوجوانوں میں بٹ گئیں۔ نہ ہتھیا والوں نے محبت کی نہ مرگ آسنی میں سے کسی نے اصرار کیا۔ جس نے جس کو مانگا وہ بے تکرار اسے مل گئی۔ اب باقی رہ گیا شکتی اور بن باسی دیوی کی شادی کا۔ سوال صرف رسموں کا تھا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ اپنے قبیلے کی سرداری تو وہ پہلے ہی سے شکتی کو دے چکی تھی۔ البتہ باقاعدہ اختیارات دینے کی رسمیں باقی تھیں۔ یہ بالکل نیا واقعہ تھا۔ ایک سردار عورت کی ایک سردار مرد سے شادی اور ساتھ ہی سرداری کے فرائض کا انتقال۔ اس لئے سب کی رائے تھی کہ ان مراسم کے ادا کرنے میں غیر معمولی دھوم دھام کی جائے۔

سرداری کا مسئلہ مذہبی مسئلہ تھا۔ اس موقع پر قبیلے والے دل کھول کر خوشی مناتے۔ ان کے یہی بڑا تہوار سمجھا جاتا۔ دوسرے سردار کی نرالی شادی ایسے اطمینان اور طرفین کی دلجمعی کے ساتھ کب کوئی شادی ہوئی ہوگی۔ اس قسم کی تقریبوں میں عموماً ایک دو وقت کی دعوتیں اڑتیں۔ یہ تو دو دو تقریبیں ساتھ ہوتی تھیں۔ کئی دن کی دعوتوں کا سامان کرنا تھا۔ قسم قسم کے گوشتوں اور چربیوں کی بہت زیادہ مقدار میں ضرورت تھی۔ دونوں قبیلے والے اپنے اپنے ہتھیار لے شکار کے لئے روانہ ہوئے۔

شکاریوں میں، دونوں قبیلوں کے شکاریوں میں شکتی سے زیادہ کوئی سرگرم نہ تھا۔ نہ اس کے برابر شکار کی کسی دوسرے کو مشق تھی۔ بال باندھا نشانہ لگاتا۔ ہرن کے پیچھے ایسا دوڑتا جیسے چیتا۔ اس تیروں اور برچھیوں کی نوکیں سوئی کی طرح باریک تھیں۔ کھوج لگانے میں بھی یہ استاد۔ گروکی نوازشیں الگ۔ روحوں کا سایہ جدا اور اب سب سے بڑھ کر یہ بات تھی کہ

بن باسی دیوی کا بھی ساتھ تھا۔ اس کے زخم اچھے ہوگئے تھے۔ ہر وقت شکتی کا پہلو دبائے رہتی۔ جہاں یہ تیر لگاتا وہ بھالا پھینکتی۔ ایک سے دوسرے کا دل بڑھتا رہتا۔ شام کو واپس لوٹتے تو سب سے زیادہ شکار لاتے۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ پو پھٹتے پھٹتے یہ دونوں گائے بیلوں کے ایک چھوٹے سے گلے پر پہنچ گئے۔ جو چٹانوں سے گھرے ہوئے ایک گھاس کے تختے میں چر رہا تھا۔ اخاہ! اس گلے میں بجار بھی ہے۔ کس قدر موٹا تازہ یہ سانڈ تو اجنبی نہیں! اوہ! اب پہچانا! آیئے آیئے آپ نے بہت حیران کیا تھا۔ ہمارے دو آدمی بھی آپ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ بہت اچھا! شکتی نے جب خوب پہچان لیا کہ یہ وہی سانڈ ہے جس کا موسم بہار سے آج تک تعاقب کرتے رہے اور پتہ ہی نہ ملا تو خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ دونوں مشاق شکاری تھے اور بجار پرانا خرانٹ انسان کی پرچھائیں پر دوڑنے والا صورت میں دیو۔ طاقت میں بلا۔ بغیر گھات لگائے کیونکر حملہ کر دیتے فوراً دونوں زمین پر لیٹ گئے اور رینگتے ہوئے سانڈ کی پشت پر جا نکلے جب وہ تیروں کی زد پر آگیا تو پہلے شکتی نے تیر چلایا۔ پھر بن باسی دیوی نے دونوں کے تیروں کا صحیح نشانہ پر بیٹھا تھا۔ کہ مینہ برسا دیا۔ شکتی کے تیر بارہ سنگھے کے تھے اور بن باسی دیوی کے ہاتھی دانت کے چار پانچ پٹھے پر لگے۔ تین چار گردن پر آویزاں ہوگئے۔ دو نے پیٹ کو چھیدا۔ بجار اس ناگہانی آفت سے گھبرا کر مع اپنے گلے کے بھاگا۔ مگر تیر کارگر بیٹھے تھے۔ اس کے نتھنوں سے خون جاری ہوگیا۔ رفتار میں تیزی نہ رہی۔ شکاری دوڑے اور دو تیر اور لگائے سانڈ ڈکرایا اور شکتی پر حملہ کیا۔ شکتی نے خالی دی۔ سانڈ نے اپنے زور میں گھٹنے ٹیک دیئے۔ پھر سنبھل کر اٹھا اور بن باسی دیوی کی طرف لپکا۔ وہ بھی

پنیرا کاٹ کر ہٹ گئی ۔ سانڈ کی قوت گھٹتی جاتی تھی ۔ اب کے جو گرا تو اٹھ نہ سکا سر اٹھاتا اور ٹپک دیتا ۔ دم ہلاتا اور رہ جاتا ۔ سینگ کو اس طرح جھنجوڑتا جیسے ان میں دشمن کو پرو رکھا ہے ۔ اس کے بعد اس کا جبڑا ہلا ۔ زبان نکل پڑی بمشکل ہانپ ہانپ کر سانس لینے لگا ۔ منہ سے خون جاری تھا ۔ ہاتھ پاؤں کپکپا رہے تھے ۔ ایک دفعہ آخری زور لگا کر اٹھا اور گر پڑا ایسے طرح چلایا ۔ کئی لڑکنیا کھا ہیں آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں ۔ ہاتھ پاؤں کھنچے اور ڈھیلے پڑ گئے ۔ مر گیا ۔ ہیٹ یا والوں کے دو شکاری جو پچھلے موسم بہار میں مارے گئے تھے آخر کار آج ان کی روح نے اس لعنت سے نجات پائی ۔

شکتی اور بن باسی دیوی نے ایسا ہیبتناک اور جگادری بجار آج تک نہیں دیکھا تھا ۔ شکتی نے بھی اس کی صورت دور ہی دور سے دیکھی تھی ۔ وہ اس کے لمبے لمبے بھالے کی طرح سیدھے سینگ ، وہ ڈراؤنے دیدے ، وہ چھوٹی پہاڑی جیسا کوہان ، اتنا بڑا خونی بجار مار لینا اور ایسی آسانی کے ساتھ روحوں کی مہربانی کے سوا کیا ہو سکتا ہے ۔ دونوں اپنی بہادری اور قسمت پہ نازاں ہو کر اپنے شکار کے گرد خوب ناچے ۔ دونوں نے مل کر چھری سے اس کی گردن کی رگیں کاٹ ڈالیں اور گرم گرم خون پینے کے لئے منہ لگا دئے گویا سانڈ کی طاقت ، اس کا نڈرپنا ، اس کی جھپٹ اپنے اندر داخل کی ۔ ان کے اعتقاد میں کسی جانور کا خون پینا اس کے تمام خواص کا حاصل کرنا تھا ۔

اس عمل کے بعد وہ تیر سانڈ کے بدن میں سے کھینچ کھینچ کر نکالے جن کی نوکیں زخموں میں گھس کر ٹوٹ نہیں گئیں ۔ اب اس ہاتھی جیسی لاش کو اٹھا کر غار تک لے جائیں کس طرح ؟ اتنا بوجھ دو آدمی کیونکر اٹھا سکتے ۔ قبیلے والوں کو اطلاع دینے کے لئے آگ کا دھواں اٹھائیں یا دونوں میں سے ایک جا کر

انھیں بلائے۔ بن باسی دیوی شکتی کی پریشانی تاڑ گئی۔ اس کے پاس ہرن کی نلی کی سیٹی تھی۔ اس نے نکال کر زور سے اس کو بجایا۔ شکتی حیران تھا کہ یہ کیا چیز ہڈی میں سے یہ کیسی آواز نکلی؟۔
شکتی:۔ (تعجب سے) بن باسی دیوی! کیا اس میں کوئی چیخنے والی روح بندہے
بن باسی دیوی:۔ (مسکرا کر) دیکھ لو خالی ہرن کی پنڈلی کی ہڈی ہے۔"
شکتی:۔ "پھر یہ آواز کس نے دی؟"
بن باسی دیوی:۔ "میں نے۔"
شکتی:۔ "تم نے!
بن باسی دیوی:۔ "ہاں۔ ہمیں اس کی ترکیب آتی ہے۔ تمہیں بھی سکھادوں گی
شکتی:۔ "تمہارے قبیلے والے یہ آواز پہچانتے ہیں؟"
بن باسی دیوی:۔ "کیوں نہیں۔ دیکھو ابھی آجائیں گے۔"

اتنے میں سیٹی کے جواب میں مرگ آسنی قبیلے کے شکاری اور ان کے ساتھ ہتھیار والے بھی چاروں طرف سے غل مچاتے دوڑتے آتے دکھائی دیئے آتے ہی انھوں نے شکتی کے اشارہ سے پہلے تو بجار کے سینگ کاٹے۔ ان میں کا خون بھرا تاکہ جادو ٹونے کے وقت کام آئے پھر کھال اتارنے کا کام شروع کیا ان کے ہاتھ اور چہرے خون کی چھینٹوں سے لال ہو گئے۔ چقماق کی دھاردار کنلیں جھپا جھپ چل رہی تھیں۔ منٹوں میں بجار کی سالم کھال کھینچ ڈالی۔ سرخ گوشت ایک ٹیلا سا جس پر زرد زرد چربی کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ برہنہ پڑا دکھائی دینے لگا۔ اس کے بعد پیٹ چیرا۔ انتڑیاں۔ اوجھڑی نکال کر پھینک دی اور گوشت صاف کر کے پارچے کر ڈالے شکتی نے اپنے سونٹے سے اس کا سر پھاڑ دیا جو کاٹ کر الگ رکھ دیا گیا تھا اور انگلیاں ڈال ڈال کر بھیجا

کھانے لگا۔ بن باسی دیوی بھی شریک تھی۔ یہ بھی ان جنگلیوں کے ہاں کا ایک ٹوٹکا تھا۔ یعنی ایسے موذی کا جس نے بہت ستایا ہو اس کا بھیجا ضرور کھانا چاہیے تاکہ اس کے دماغ کی ساری قوت ان میں آجائے۔ اس اثنا میں دوسرے شکاریوں نے حصہ رسد گوشت کے پچے منگوائے۔ گودے سے بھری ہوئی ہڈیاں لادیں۔ کھال اٹھائی اور ناچتے گاتے غار کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب کے درختوں پہ کوے بیٹھے کائیں کر رہے تھے۔ چیلیں منڈلا رہی تھیں انتظار تھا کہ کب یہ بلا نوش انسان ٹلیں اور کب وہ اپنی چونچیں اور پنجے آزمائیں۔ میدان میں دور دور تک گوشت اور خون کی بو پھیلتی جاتی تھی بھیڑیے گیدڑ۔ لومڑیاں۔ جنگلی کتے۔ ناکیں سکیڑتے۔ خرخر کرتے تاک لگاتے چلے آتے تھے۔

تنکی، بن باسی دیوی اور ان کے ساتھی خوشی میں مگن۔ کودتے اچھلتے کوئی چربی کی پوٹ باندھے کوئی ہڈیاں اٹھائے کسی کی پیٹھ پہ گوشت کے بڑے بڑے لوتھڑے۔ دو کے کندھوں پہ کھال بھالو جھٹ پہنچے وہاں جاکر دیکھا تو دوبارہ سکتے۔ چار پہاڑی بکریاں اور کئی ہرن دوسرے شکاری بھی مار لائے ہیں۔ کیا کہنا ہے۔ روحوں کی مہربانی ہونی چاہیے۔ گھر گھیر تو بار بھی کبھیر۔ دعوت کا بھرپور سامان ایک ہی دن میں مہیا ہو گیا تھا۔ دو وقت نہیں چار وقت بلکہ چار روز برابر ناکوں ناک کھائے جائیں جب بھی کم نہ ہو۔

اگلے دن رسومات ادا کی گئیں۔ سارے شکاریوں نے مہیشیا والے تھے۔ یا مرگ آسنی والے، لال، سفید، کالے اور پیلے رنگوں کو سانڈ کی ہڈیوں کے گودے میں ملا ملا کر خوب اچھی طرح الگ الگ پتھروں پر متھا۔ جب وہ ایک جان ہو گئے تو پہلے ان میں سے زرد رنگ کا غازہ اپنے چہروں پہ ملا۔ پھر

تمام بدن پر رنگ برنگ کی دھاریاں ڈالیں اور اپنے اپنے قبیلے کی نشانیاں بنائیں۔ غار کے آس پاس کی چٹانوں پر بھی رنگین مٹی پھیری۔ درختوں اور جھاڑیوں کو بھی مختلف رنگوں سے آراستہ کیا۔ گویا یہ ان کی آرائش تھی مہذب تقریبوں میں کوٹھیاں سجائی جاتی ہیں۔ دروازے بنتے۔ جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ وہ غیر مہذب تھے۔ انھوں نے اپنے احوال کے مطابق اپنا اور اپنے پاس پڑوس کا بناؤ سنگار کیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ کسی طرح خوشی کے جذبات ظاہر ہوں۔

گروہ نے مرگ آسنی اور ہینیا دونوں قبیلے والوں سے ایک جان دو قالب ہوکر رہنے کے عہد کو پکا کرنے کے لیے خون کی قسم کھانے کو کہا تاکہ یہ میل ملاپ اٹل ہو جائے اور وہ سرداری کی ڈونڈی پیٹ دے۔ اگیا بیتال کا حکم سنتے ہی ہر شخص نے اپنا بایاں بازو پھیلا اور چقماق کی نوک سے خون کے چند قطرے نکال کر کچی مٹی کے ایک دیوے میں ٹپکا دے۔ دیولا اسی وقت گروہ نے تازہ مٹی کا بنا لیا تھا۔ قبیلوں میں اتحاد و اتفاق کی اس سے بڑھ کر کوئی قسم نہ تھی۔ اس طرح ان کے نزدیک خون مل جاتے تھے۔ آج بھی آپ نے سنا ہوگا جب دو شخصوں یا دو خاندانوں کا حد سے بڑھا ہوا سنجوگ دیکھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ان کا خون ملا ہوا ہے۔ تعجب نہیں یہ کہاوت انہی دنوں کی یادگار ہو۔

خون جب اکٹھا ہوگیا تو گروہ نے کئی جانوروں کے دو دو چار چار بال لے کر کوچی سی بنائی اور اسے خون میں ڈبو ڈبو کر سب پر چھینٹیں دیں چھینٹے دینے کے بعد جو خون بچ رہا اسے سکوری ہی میں اچھی طرح جذب ہونے دیا اس کے بعد سکوری کو ہاتھوں سے مسل کر سنئے الاؤ کے پتھر پر لیپ دیا۔ نیا

الاؤ کیسا ؟ نرسنگھا بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ قبیلہ کی سرداری اس کے بس کی نہیں رہی تھی۔ اس نے اس موقع کو بہت متبرک سمجھا اور اپنی چودھراہٹ کا ہار بھی اپنے نوجوان بیٹے شکتی کے گلے میں ڈال دیا۔ قاعدہ تھا کہ جب کوئی نیا سردار بنتا تو اس کا الاؤ بھی نیا ہوتا۔ چنانچہ شکتی کے لئے بھی الگ الاؤ تیار کیا گیا اور اس رسم سے سارے قبیلے والوں کو اطلاع بھی ہو گئی کہ آج سے نرسنگھے کی جگہ شکتی ان کا سردار ہے ؀

اتحاد اور سرداری کا فیصلہ ہونے کے بعد پھیروں کی رسم شروع ہوئی شکتی نے جھپٹ کر بن باسی دیوی کی کولی بھرلی ، جیسے بھوکا باز خرگوش پر جھپٹا مارتا ہے اور اسے گود میں اٹھا کر نئے الاؤ کے کئی چکر لگائے عورتیں تالیاں بجا رہی ہیں۔ بچے خوش ہو ہو کر اچھلتے تھے۔ گانا بجانا بھی ہوتا جاتا بن باسی دیوی کو لئے شکتی جس عورت کے سامنے سے گزرتا وہ عجب طرح کی صورت بناتی۔ ہاتھ مٹکاتی اور منہ سے بھی کچھ کہتی ؟ واقعی دیکھنے کے قابل تماشا ہو گا۔ لیکن کیا اس بیسویں صدی میں ایسا کہیں نہیں ہوتا ؟ انسان اپنے باپ دادا کی چال اور چھوڑ دے ، مرنے ، جینے ، کھانے پینے کی ساری ادائیں وہی ہیں ۔ صرف اندھیرے اجالے کا فرق ہے۔ دلہن کو گود میں اٹھانا سے بھاگنا بدستور موجود ہے۔ تہذیب اور بد تہذیبی کا ذرا سا فرق سمجھ لو۔

پھیروں کی رسم ختم کرنے کے لئے گرو نے اس نئے جوڑے کی نئی بھٹی میں آگ سلگائی جادو کی ایک لکڑی نکالی جسکے ایک سرے پر چھید تھا۔ اس چھید میں رودے کا کوئی ہاتھ بھر کا ٹکڑا پرو دیا۔ رودے کا ایک سرا چھید میں باندھ دیا اور دوسرے سرے میں ایک اور لکڑی کا ٹکڑا کسا اس میں ایک طرف نوک نکلی ہوئی تھی پھر کسی درخت کی سوکھی ہوئی شاخ

لی اور اس نوک سے اس میں سوراخ کرکے اس کو بھی پھنسا دیا۔ جادو کا گورکھ دھندا ایسا ہی ہوتا ہے سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد لکڑی کو آگے اور پیچھے زور زور سے ہلا کر شائیں شائیں کی آواز پیدا کی۔ الاؤ میں سے دھواں لہراتا ہوا اٹھا۔ لکڑیاں سلگتے سلگتے شعلے دینے لگیں نئے سردار کی نئی بھٹی گرم ہوگئی تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ آج سے بن باسی دیوی معمولی گھرستی عورت ہوگئی اس کا کام آگ کی دیکھ بھال اور شوہر کی سیوا ہے۔ قبیلے پر حکومت ختم۔

سرداری اور شادی دونوں تقریبوں کی رسمیں خیر و خوبی کے ساتھ تمام ہوئیں۔ دعوت باقی رہی۔ اس کا انتظام کھلے میدان میں تھا۔ بہت بڑی بھٹی سلگ رہی تھی۔ گوشت کے پارچے آگ میں تپتے ہوئے پتھروں پر سک رہے تھے۔ شکاری چاروں طرف پنجوں کے بل بیٹھے۔ ہرنی بارہ سنگھے پہاڑی بکریوں اور سانڈ کے گوشت کے ٹکڑے منہ بھر بھر کر اڑتے جاتے اور شور مچاتے جاتے تازہ گوشت تھا۔ خوشی اور بھوک کی بیتابی کون حتنک ہونے دیتا ادھ کچرا ہی پیٹوں میں دھرے لیتے۔ اس میں سے بسانده پانی ٹپکتا جاتا اور ان کا ہاتھ نہ رکتا۔ پینے کے لئے جھیٹیا والے تو پانی کے سوا کوئی دوسری چیز جانتے ہی نہ تھے۔ لیکن مرگ آسنی قبیلے میں ایک خاص عرق کا ایسے موقعوں پر استعمال ہوتا تھا۔ جسے وہ مدھو رہا کہتے تھے۔ عورتیں اسے پانی میں بعض درختوں کی چھالیں اور پتیاں ڈال کر بنایا کرتی تھیں اور وہ اس کو بجائے اوک لگا کر پینے کے لکڑی کے مجوف ٹکڑوں میں بھر بھر کر پیتے۔ چنانچہ مرگ آسنی والوں نے اپنا مدھو را نکالا اور پیالہ نما برتنوں میں بھر بھر کر پانی کے بدلے پلانا شروع کیا۔ کچھ جھیٹیا والوں نے اس کے پینے میں ناک بھوں بھی کی کہ نہ جانے یہ کیا چیز ہے۔ مگر جس نے ایک دفعہ پی لیا وہ لٹو ہو گیا۔ اس کے

پینے سے کچھ ایسا سرور سا آیا کہ ایک ایک آدمی نے کئی کئی پیالے چڑھائے اور خوب دھما چوکڑی مچائی۔

اسی غل شور اور خرمستیوں میں سورج چھپنے لگا۔ رات آئی۔ گرتے پڑتے ہو ہا کرتے بمشکل میدان سے اپنے غار میں آئے۔ پیٹوں میں کچے پکے گوشت کی لڑائی۔ مدھورا کا رنگ چڑھا ہوا۔ ناچنے، گانے، اچھلنے کودنے کی تھکن۔ آتے ہی عورت، مرد، جوان، بوڑھے ایسے غیں ہوئے کہ ہوش نہ رہا۔ بے خبر ہوکر سو رہے۔ صرف اگیا بیتال اکیلا رات بھر غار کی حفاظت کرتا رہا اور اسی نے الاؤ کی دیکھ بھال بھی رکھی۔ گرو نے واقعی اپنا گروپن دکھا دیا۔ اس نے گوشت بھی کم کھایا تھا اور مدھورا کو تو سونگھا تک نہیں۔ ادھر غار میں سونے والوں کے خراٹوں کی آوازیں آرہی ہیں اور ادھر دعوت کی جگہ جنگلی درندے ہڈیوں اور بچے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں کو بھنبھوڑتے جاتے اور غرفش کرتے جاتے تھے۔

مٹی کا بجار

کئی مہینے تک دونوں قبیلوں کے شکاری لگا تار دوڑ دھوپ کے باوجود بھی کسی سانڈ کو نہ مار سکے جس کے پیچھے گئے وہ اچھوتا نکل گیا۔ روحوں کی یہ مہربانی خاص تکتی اور بن باسی کے ساتھ تھی کہ انھوں نے ایک بوڑھے سانڈ کو مارا تھا۔ وہ بھی دونوں نے مل کر جسے اس سنجوگ کی برکت کہنا چاہئے کیونکہ پھر نہ تو وہ دونوں ساتھ شکار کو نکلے نہ تکتی ہی بڑے شکار میں کامیاب ہوا۔ قبیلے والوں نے اس عرصہ میں شکار تو کئے لیکن بچھڑوں کے جن کا مار

آسان تھا۔ اب بچھڑے رہے نہیں تھے صرف خرانٹ بجار دکھائی دیتے تھے جن تک پہنچنا دشوار اور پہنچ بھی گئے تو ان کا سامنا کرنا جان کو جوکھوں میں ڈالنا تھا۔

دونوں قبیلے والے پریشان تھے۔ اچھے موسم میں یہ حال ہے تو آگے برے موسم میں کیا ہوگا۔ ان کی زندگی کا سہارا گائے بیل اور سانڈوں پر تھا۔ ان کے سوا دوسرے جانوروں کا گوشت انھیں زیادہ اَنگ نہ لگتا بچھڑوں کا قحط۔ سانڈوں سے مقابلہ مشکل۔ مجبوراً گھوڑوں اور پہاڑی بکروں پر گزارہ کرنا شروع کیا۔ لیکن وقت کی بات یہ بھی کم ہونے لگے۔ کئی کئی دن کی تگ و دو میں ایک آدھ ہاتھ آجاتا۔ جانور کھیتی تو تھے نہیں کہ جہاں کھڑی ہر کھڑی ہے۔ کاٹتے جاؤ اور کھاتے جاؤ۔ کچھ مر گئے۔ کچھ ڈر کے مارے دوسرے جنگلوں میں نکل گئے۔ بہر حال شکار کا توڑا ہو گیا اور قبیلے کے عورت و مرد دونوں پر بدحواسی سی چھانے لگی۔

ایک شام کو جب سارے شکاری ہاتھ ہلاتے ڈنڈے بجاتے خالی واپس آئے اور آگ کے گرد بیٹھے جو ان کے انتظار میں دیر سے جلتے جلتے کچلا گئی تھی تو آپس میں بڑی بحث ہوئی۔ آج صبح سے ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ایک بارہ سنگھا جو کئی رات کہیں سے مار لائے تھے۔ اس کی ہڈی ہڈی چبا ڈالی تھی۔ چند مچھلیاں جو پتھروں پر بھونی اور کچھ درختوں کی جڑیں جو آگ میں بھلبلا لی تھیں ساٹھ ستر پیٹ کے تغاروں کو بھرتیں۔ بچوں کی بھی تسلی نہ ہوئی بھوک کی جھونجل میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگا۔ برا بھلا کہنے کو تو دو چار نے روک دیا۔ لیکن آخر بھوک کے مسئلہ کا حل بھی تو ہونا چاہیئے قبیلے کا ایک شخص بولا" قبیلے میں اب دگنے آدمی ہو گئے ہیں۔ سب گوشت

کھانے والے ہیں۔ مٹی چاٹ کر جینے والا کوئی نہیں اور بچھڑوں کی کمی ہے
ایک بچھڑے کیا سارے جانور آنکھوں سے اوجھل ہوتے چلے جاتے ہیں
ایک گلہ جو ہماری شکارگاہ میں اس سال دکھائی دیا اس کی حفاظت کوئی فوج
کرتی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ سانڈ کہاں چلے جاتے ہیں۔ روحوں نے ہم سے
بیر باندھ لیا ہے۔ اگر تھوڑے دن یہی رہا اور وہ اپنے بچھڑے لے کر
ادھر نہ آئے تو کیا ہوگا؟ ٹھنڈے دل سے سوچو اس میں جھگڑنے اور تیز
ہونے کا کام نہیں"

گھگو" (بڑھ کر) نئی سرداری میں ہم اس طرح بھوکوں نہیں مریں گے۔
کیا ہم کو اپنے متعلق کچھ کہنے سننے کا حق نہیں۔ ہم جو ہمارے دل میں
آئے گا کھلے خزانے کہیں گے۔ کوئی برا مانے یا بھلا"

شکتی پہلے ہی متفکر تھا اب جو اس نے گھگو کو اپنے اوپر بے لاگ حملہ
کرتے ہوئے دیکھا تو سوچ میں پڑ گیا۔ دل میں کہنے لگا۔ کہ واقعی گھگو کا کہنا بیجا
نہیں۔ پیٹ کا راستہ بند ہو جائے تو زبانیں بھی کیا نہ کھلیں۔ بھوک بھی بد
روحوں میں سے ایک بڑی لڑاکا روح ہے۔ وہ اگر قبیلہ والوں کو بہکانے لگی
تو سارا کھیل بگڑ جائیگا حقیقت میں یہ ساری ذمہ داریاں سرداری میں جب کھانے کو نہ رہے تو سردار
کے اقتدار میں کسطرح فرق نہ آئے گیا دونوں قبیلے جو اتفاق سے متحد ہوئے ہیں پھر متفرق ہو جائینگے
پیٹ کی خاطر بندھی ہوئی مٹھی کھل کر جلد ٹوٹ جائیگا اس انتشار کا انجام۔ . . . .
تو اچھا نہیں جماعت کی کرامت جاتی رہے گی۔ اشوکیا والوں کے دانت
ابھی کند نہیں ہوئے۔ سمبند ٹوٹا اور وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح آئے!" ان
خیالات میں شکتی بن باسی دیوی کے دل کو بھی ٹٹولنا چاہتا تھا۔ اس نے اس
کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ وہ اس وقت آگ کے گرد

بیٹھنے والی عورتوں میں نہیں تھی۔ جو ہرن کی سوکھی ہڈیاں چبا چبا کر اپنے پیتروں کی پوجا کر رہی تھیں۔ اس نے بن باسی دیوی! بن باسی دیوی!! کہہ کر دو مرتبہ آواز دی۔ ایک بچے نے بھی اپنی تیز آواز میں بن باسی دیوی کو پکارا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ نہ کسی نے بتایا کہ وہ کہاں ہے۔

شکتی بن باسی دیوی کی تلاش میں جانے کے لئے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر کر دیکھا تو بن باسی دیوی تھی۔ یہ سایہ میں سے آہستہ آہستہ نکل کر آئی اور شکتی کے شانے کو چھوتے ہوئے بہت ہی دھیمی آواز سے کہا "پران پتی! ڈھارس رکھو۔ ان سب کو بکنے دو۔ میں گرو سے سب کچھ پوچھ آئی ہوں"۔

شکتی:۔ (جلدی سے) سانڈوں کے متعلق تم نے اس سے پوچھا؟"

بن باسی دیوی:۔" ہاں ہاں وہ سارے بھید جانتا ہے"۔

شکتی:۔" اگر گرو ان بھیدوں سے واقف ہے تو بیڑا پار ہے۔ مشکلات کی پھر کیا کمی"۔

بن باسی دیوی:۔" روحیں ذرا روٹھ گئیں۔ گرو انھیں منانے گا۔ وہ ان کی بھینٹ پوجا کے لئے بڑی بھاری تیاری کر رہا ہے۔ اگیا بتیال ہیں بھولا نہیں۔ لیکن اس نے کہا ہے کہ یہ بھید کی بات بالکل چھپی رہے۔ ہونٹوں سے باہر نہ نکلے۔ اگر چوک ہوگئی اور روحوں کو جو جنتر منتر ہم کرنے والے ہیں ان کا پتہ لگ گیا تو بڑی گڑبڑی ہوگی گرو نے تاکید کر دی ہے کہ جب تک ہم رسم نہ پوری کرلیں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اس رسم میں گرو کے ساتھ میرے اور تمہارے علاوہ قبیلہ کی صرف کنواری لڑکیاں اور کنوارے لڑکے شریک ہونگے

وہ بھی چھوٹے بچے نہیں بلکہ جوان۔ شادی کے قابل۔"

اتنے میں گرو بھی آگیا۔ اس نے دونوں قبیلوں کے بپھرے ہوئے شکاریوں کو ٹھنڈا کیا اور نہایت مقدس صورت بنا کر کچھ رازکی باتیں کہیں مرگ آسنیوں کو حکم دیا کہ مدھورا خوب پیئیں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو پلائیں جو غار میں ایک طرف درختوں کے موٹے تنوں کے اندر جن کا گودا نکال کر مشکوں کی طرح بنا لیا گیا تھا۔ بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ بولا کہ میں روحوں کو منانے جاتا ہوں۔ میرے واپس آنے تک تم برت رکھو اور منہ سے کوئی بات نہ کرو۔ دیکھو سورج بھگوان کیا دکھاتے ہیں۔

عام قبیلے والوں سے چھپا کر گرو نے پوجا پاٹ کی تیاری کی اور دوسرے دن جب شام ہو گئی تو جن جن کو گرو نے بلایا تھا سب ایک بجلی کے جھلسے ہوئے درخت کے پاس جمع ہوئے۔ آسمان پر رات کی تاریکی چھائی چلی آتی تھی۔ پہلی تاریخ کا چاند گھاس کے پھٹے کی طرح آسمان کے ایک گوشے میں ترچھا نظر آرہا تھا۔ سبھ گھڑی اور سبھ لگن کے حساب پہلے ہی گرو نے لگا لیے تھے تو چندی رات تھی۔ آکاش ودیا کے بموجب چاند جو دنیا کی نہ دکھائی دینے والی قوتوں کی روح ہے جو اپنے چڑھتے سمے اور بڑھتی جوت میں بڑا... بھاگوان سمجھا گیا ہے جتنے اچھائی کے جنتر منتر بنتے ہیں پورن ماشی کے اندر۔

چھ لڑکیاں پانچ لڑکے نکتی، بن باسی دیوی اور خود گرو سب مل کر چودہ جانیں تھیں۔ گرو نے چاند کی طرف منہ کر کے کئی منتر جپے۔ چاند چھپ گیا تو وہ ایک گھاٹی میں اترے۔ آگے آگے گرو اور پیچھے سردار، سردارن اور لڑکے لڑکیوں کا غول۔ پہاڑ کی ڈھلان پر ایسی خاموشی سے چلے جا رہے تھے جیسے سایا۔ قدموں کے نیچے درخت کی گری ہوئی کوئی شاخ آکر چٹخی

ٹھوکر سے پتھر لڑھکتے یا سوکھی ہوئی گھاس میں سرسراہٹ ہوتی تو سب اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے۔"

بھیڑئیے غل مچا رہے تھے۔ لومڑیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ الوؤں نے اپنی ہوک سے چٹانوں کو گویا نچا دیا تھا۔ کبھی کبھی دور سے کسی شیر کے دہاڑنے کی گرج بھی سننے میں آجاتی تھی۔ گرو کی تو گرو جانے نہ معلوم کس دھن میں ہو گا لیکن اس کے چیلے ضرور یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ہم انسانوں سے تو یہ پشو اور پنچھی اچھے جو بہرحال اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ انھیں اگر کوئی شکار نہ ملے تو ہمیں ہی بھنبھوڑ کھائیں۔ وہم عموماً متعدی ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں یہ بات آتے ہی گرو بھی غالباً سٹ پٹا سا گیا۔ آوازیں خوفناک تھیں۔ اس نے ایک جھرجھری سی لی اور باوجود اندھیرے کے بے تحاشا بھاگا۔ ہمراہی بھی سرپٹ دوڑے۔ کوئی پچاس قدم پہ جا کر دفعتاً رکا۔ ساتھی بھی ٹھہر گئے۔ منزل مقصود آ پہنچی تھی۔ ایک چٹان میں جوف سا دکھائی دیا۔ قدِ آدم دروازہ تھا۔ گرو بے تکلف اندر داخل ہوا۔ تکتی وغیرہ ساتھ ساتھ چلے۔ تھوڑی دور راستہ خاصہ فراخ رہا پھر تنگ ہونا شروع ہوا اور کئی سرنگیں نظر آئیں۔

کونسی سرنگ میں جانا چاہیئے؟ اگیا بیتال سوچنے لگا۔ تکتی لکڑی کے ایک ظرف میں آگ لایا تھا جو کجلا رہی تھی۔ پھونکیں مار کر اسے چمکایا۔ لکڑی اور چربی کی مشعلیں روشن کیں۔ اجالا ہوا تو گرو دیو نے راستہ پہچانا۔ داہنے ہاتھ والی سرنگ میں گھس کر جس غار میں جانا تھا آخر جا نکلے۔

یہ غار دراصل کسی وقت میں بڑے ریچھوں کا بھٹ تھا۔ مدتیں گزرنے کے بعد یہاں کی نرم اور چکنی مٹی پہ ان کے پنجوں کے نشان اب بھی نظر آتے تھے۔ جہاں وہ حلقہ بنا کر سوتے ہوں گے اس جگہ بالوں کی لکیریں پڑی تھیں

تھیں۔ گرو خاموش کھڑا ہو کر کوئی منتر پڑھنے کی فکر میں ہو گا۔ اس کے ساتھی وقت گزاری کے طور پر یا توہمات سے متاثر ہو کر۔ یا ممکن ہے یہ بھی کوئی جادو ٹونا ہو۔ زمین پر لکڑی کے ٹکڑوں اور ہڈیوں سے ریچھوں کے پنجوں کی نقلیں بنانے لگے۔ کوئی اٹھ کر ادھر ادھر بھی جھانک لیتا۔ ان کے عقیدے میں یقینی تھا کہ بڑے ریچھ یہاں گم ہو گئے ہیں اور انھوں نے روحوں کی قید سے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ دیواروں پر بھی چڑھے ہیں کیونکہ جہاں مٹی تھی ان کے پنجوں کے نشان موجود تھے۔ لیکن روحوں نے انھیں باہر نکلنے نہیں دیا اور وہ اندر ہی اندر مر کے رہ گئے۔ اس خیال کی تائید میں جابجا ان کے سوکھے ہوئے پنجر بھی پڑے دیکھے۔

ریچھوں کے بالوں اور دانتوں میں ان لوگوں کے نزدیک بڑا طلسمی اثر تھا۔ برسوں کی مری ہوئی لاشوں کے بال تو کہاں ملتے۔ دانت البتہ پنجروں کے ساتھ ہونے چاہئے تھے۔ چنانچہ گرو کے ساتھی لڑکے لڑکیاں ریچھوں کے پنجروں میں دانت ٹٹولنے لگے۔ زندہ کے مقابلہ مردہ کے دانت اکھاڑ لینے کو بنا مشکل کام تھا۔ مگر انھیں بڑا تعجب ہوا کہ ایک سرے سے سارے کے سارے پنجر دانتوں سے خالی تھے۔ دانت انھیں کہاں سے ملتے۔ گرو نے پہلے پنجروں کی کھوپڑیاں توڑ توڑ کر ایک ایک دانت اپنی مالا بنانے کے لیے اکھاڑ لیا تھا۔ پھر بھی ان نوعمروں نے دانت حاصل کرنے کی پوری جدوجہد کی سارا کا سارا ملبہ کرید ڈالا اور جب بالکل مایوس ہو گئے تو گرو کے پیچھے لپکے جو اس پر اسرار بھٹ میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

پہاڑوں کا خلا یکساں نہیں ہوتا نہ اس کی کوئی حد ہوتی ہے کہیں سکڑا اور کہیں فراخ۔ کبھی دس بیس سو پچاس قدم پر ختم۔ کبھی شیطان کی آنت۔ پیچ

درپیچ۔ بل میں بل۔ جوف میں جوف چلے جاؤ اور تھاہ نہ ملے۔ چلتے چلتے پھر ایک مدوّر جگہ گروجی ٹھہرے۔ قرینے سے معلوم ہوا کہ جس جگہ کی تلاش تھی وہ یہی ہے اور اب رسومات شروع ہوئیں۔ اگیا بیتال نے منتر پڑھ کر کچھ لکیریں سی زمین پر کھینچیں۔ چند ہاتھ چٹان کے نیچے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی سرنگ بند کرنے کے لئے مٹی بھر دی گئی ہے۔ گرو نے لال رنگ کا ایک سانپ اپنی جھولی میں سے نکالا۔ پہلے اس سے نظریں لڑائیں۔ پھر اس کی دم پکڑ کر زور کا جھٹکا دے کر بیچارے کی کمر توڑ دی۔ بند سرنگ کے منہ پر پھینک دیا۔ وہ بل کھانے لگا۔ اس کے بعد چقماق سے اس کا پھن کاٹ لیا۔ سانپ لہراتا رہا۔

قدیم روایات کے مطابق یہ بڑا کارگر عمل تھا۔ سانپ جوان کے خیال میں مکر اور موت کی روح تھی۔ اس کا عام نگاہوں سے چھپے ہوئے غار میں ضرور کوئی دخل ہونا چاہیئے۔ سانپ اور انسان میں ازل سے دشمنی ہے اور یہ اپنے کو چھپانے کے لئے چھوٹے سے چھوٹے بل میں گھس جاتا ہے۔ اس کے بھینٹ چڑھانے کا مقصد تھا۔ کہ ہمیں بھی دشمنوں سے بچنے کی اس جیسی ترکیبیں آجائیں۔

اگیا بیتال کچھ دیر منتر جپتا رہا۔ پھر جو اٹھا تو بایاں ہاتھ زمین پر اس طرح ٹکا کر کہ اس کی پانچوں انگلیوں کا نشان چکنی مٹی پر ابھر آیا۔ گویا آئندہ آنے والوں کے لئے اپنی نشانی بنا دی کہ یادگار رہے اور دوسری چیزوں کے ساتھ اس کی بھی پوجا ہو۔ اب گرو نے اپنا لباس بدلا۔ اور منہ پر کسی عجیب جانور کا چہرہ لگایا اپنے ساتھیوں کو بھی اشارہ کیا کہ نقابیں ڈال لیں۔ جن کی نسبت اس نے پہلے ہی اپنے ساتھ لانے کی ہدایت کر دی تھی اور آگے بڑھا۔ یہ سب کھوہ کے

سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ روحیں غول کے غول غار میں گشت لگا رہی ہیں۔ اگیا بیتال نے قبیلے کے لڑکے لڑکیوں کو سمجھایا کہ وہ ابھی پاک صاف ہیں۔ نہ لڑکوں نے عورتوں کو اپنا بنایا ہے نہ لڑکوں نے کسی مرد پر نظر ڈالی ہے۔ ایسے بن بیاہے روحوں کو بہت پسند ہیں۔ ہوشیاری سے رسمیں ادا کرنی چاہئیں۔ لڑکے لڑکیاں گرو کا مطلب نہیں سمجھیں۔ کیا انھیں روحوں کو بھینٹ تو نہیں چڑھایا جائے گا۔ انھوں نے شکتی اور بن باسی دیوی کی طرف بڑی حسرت سے دیکھا اور ڈر کے مارے ان کے جسم کانپنے لگے وہ بھاگ نہیں سکتے تھے بھاگ کر کہاں جاتے؟ بولنے کا حکم نہیں تھا۔ انھیں پوری دہشت تھی کہ اگر منہ سے بھاپ بھی نکالی تو روحیں مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔

لیکن جب رسومات میں ناچ اور گانے کے سوا کوئی خطرناک بات نہ ہوئی تو سب کی جان میں جان آئی۔ اس عرصہ میں گرو ایک طرف الگ کھڑا رہا۔ ناچ گانا ختم ہوا تو وہ آگے بڑھا اور بولا شاباش روحوں کو خوب رجھایا۔ اب تم سب یہیں ٹھہرو۔ میں ایک اور جگہ جاتا ہوں، شکتی اور بن باسی دیوی میرے ساتھ آئیں۔ ہمیں مہامنتر پڑھنا ہے۔ کئی بڑی روحیں ابھی ہمارے خلاف ہیں۔ ڈرو نہیں جہاں ہو چپ کھڑے دل میں جپے جاؤ دیکھو آواز نہ نکلے۔ نہ آپس میں کوئی بات کرنا۔

لڑکے لڑکیوں کو چھوڑ کر شکتی اور بن باسی دیوی کے ساتھ گرو ایک طرف چلا۔ کوئی بیس قدم پر راستے کے ایک طرف پانچ چھ ہاتھ نیچے ایک تالاب سا تھا۔ پانی بوند نہیں۔ دلدل ہی دلدل۔ مشعل کی روشنی میں چکنی مٹی کی جمی ہوئی پپڑی چمک رہی تھی۔ گرو، شکتی اور بن باسی دیوی کو لے کر اس میں اترا۔ جاپ شروع ہوئی اور بیچ بیچ میں مابھا، بھاما، جھٹکوں کے ساتھ کہتا جاتا۔ مابھابھا

ایک دگا نا روح تھی۔ جس کا کام تخلیق تھا۔ محض انسانوں کی تخلیق اور انکی حفاظت
اسی تخیل کے ماتحت گرو قبیلے کے کنوار یے اور کنوار یاں ساتھ لایا تھا
اور رام کنڈ' پر ' ما بھا بھا ما ' کو متوجہ کرنے میں بھی شکتی اور بن باسی دیوی۔ کے
جوڑے کو سامنے رکھا۔ جنتر منتر کیا ہیں؟ وہم و خیال کے کھیتوں کی مولیاں
تصور کا تماشا دیکھئے کہ منتر پڑھنے سے پہلے شکتی ھیشیا کے قبیلے کا شکتی اور بن
باسی دیوی مرگ آسینوں میں کی ایک عورت تھی۔ لیکن منتر پڑھتے پڑھتے ما بھا
بھا ما بھا ما ' کا ایسا روحانی تصرف ہوا کہ ان کی انسانی شکلیں غائب ہو گئیں۔
اور ایک نئی قسم کے ہیولے تیار ہونے لگے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے
تھے کہ آدمی سے دیو، دیو سے مہا دیو بنتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ غار
پہاڑ، جنگل، میدان، کچھ نہیں۔ زمین سے آسمان تک صرف ایک شکتی ہے
اور دوسرا بن باسی دیوی۔ شکتی نے اس روح کا درجہ حاصل کر لیا جو آبائے
علوی کی طرف سے ٹھیکہ دار ہے اور بن باسی دیوی ان ماتاؤں کا پہلو دبا رہی
تھی جو امہات سفلی کی جانب سے ایجنٹ ہیں۔
گرو نے اپنے خیال کی طاقت سے شکتی اور بن باسی دیوی کے تصورات
میں یہ رنگ آمیزیاں کی تھیں۔ وہ ایک عجب مہا نمائی انداز میں کچھ ایسی حرکتیں
بھی کرتا جاتا تھا کہ اس کے جادو کی جوت بڑھتی ہی رہے۔ آخر کار اس نے
اپنا ڈنڈا ہلایا۔ تصورات کی فضا میں حرکت ہوئی۔ شکتی اور بن باسی اپنی شکلوں
پر آ گئے۔ جادو کے طلسم کی سیر گویا ختم ہو گئی۔ اب گرو نے ' ما بھا بھا ما ' اور دوسری
دیوتا روحوں کا نام لے کر اپنے دونوں چیلوں کے سامنے حکم دیا کہ فوراً اپنی
داسی چھوٹی ماتاؤں کو میدانوں میں بھیج دو۔ تاکہ گودیں بچھڑے جنیں۔ بچھڑے
جلد سے جلد سانڈ بنیں اور ہمارے شکاریوں کا کوئی پھیرا خالی نہ جائے۔ ہر دم

من مانا شکار ملے۔

شکتی اور بن باسی دیوی گرو کے کرشموں کے قائل ہو گئے تھے ان کا دل مطمئن تھا کہ اب شکار ملنے میں کوئی روح حائل نہیں ہو سکتی۔ لیکن گرد کی استادی کا کیا کہنا۔ اس نے ان خیالات کو اور مضبوط کرنے کے لئے ایک نئی ترکیب نکالی مٹی پر بجار کی شکل بنائی اور منتر پڑھتے ہوئے ایک بہ دار تیر کو اس میں گھستے ہوئے دکھایا۔ پھر ایک سخت مٹی کا بڑا سا ڈھیما لیا۔ اس کے گول گول ٹکڑے کاٹے۔ ان کا بجار کی تصویر کے گرد گھیرا سا بنایا۔ گویا شکاری سانڈ کو حلقے میں لئے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں اسی طرح کے اور کئی جنتر بنائے۔ مٹی کی کچھ بتیاں سی بٹیں اور کہا "شکتی! میں اپنے نئے ساتھیوں کو بھولا نہیں۔ گرو کو نئے پرانے سب چیلے یاد رہتے ہیں یہ جادو کی بتیاں انھیں دوں گا اور وہ بھی تمہارے شکار میں مدد دیں گے"۔

اگیا بیال نے ایک جگہ گیلی مٹی جمع کر کے بڑے بجار کا مجسمہ تیار کیا خاصہ بڑا۔ چھوٹے ہرن کے برابر اور اس کے اٹھانے کی کوشش کی۔ بن باسی دیوی نے بھی ہاتھ لگایا۔ لیکن مٹی بودی تھی۔ ہاتھوں میں بکھر گئی۔ گرو نے ہوا میں دو چار گالیاں اڑائیں۔ مضبوط چکنی مٹی تلاش کر کے لایا اور نئے سرے سے بجار کا بت گھڑا۔ بن گیا تو شکتی کی مدد سے اٹھا کر ایک چٹان پر رکھ دیا اور اس کے پاس بیٹھ کر اپنی مشاق انگلیوں سے ایسا درست کیا کہ وہ چھوٹے پیمانہ پر بالکل جیتا جاگتا بجار معلوم ہوتا تھا۔ پیٹ کی گولائی مضبوط ٹانگیں۔ گردن کے لمبے لمبے بال۔ مڑے ہوئے سینگ۔ سیدھے کان۔ گول آنکھیں۔ کوئی آن نہیں چھوڑی تھی۔ اس مورتی کے دوسری طرف گائے کی تصویر بھی ایسی ہی ہنرمندی سے تیار کی۔ کوئی دیکھتا تو یہ معلوم ہوتا کہ کوئی نامند

گائے میدان کی ٹھنڈی ہوا میں کھڑی کسی چیز کو سونگھ رہی ہے اور وہ چیز بجار کی مستانہ بو ہے۔

گرو نے ان مورتیوں کے بنانے اور آمنے سامنے کھڑا کرنے میں انتہائی کاریگری دکھائی تھی۔ بیلوں کے گلے زیادتی اور سانڈوں کی بہتات صرف نر سے نہیں ہو سکتی۔ گائے کے بغیر یہ مطلب کس طرح حاصل ہو سکتا۔ چنانچہ اس نے سانڈ کے بالمقابل گائے کا بنانا ضروری سمجھا اور اسے نر کی بو سونگھتے ہوئے دکھانا واقعی کمال تھا اور بھی کئی تصویریں پتھر پر کھودیں۔ کسی گائے کے ساتھ لوار سے لگا دئے۔ کسی کو گابھن بنا دیا۔ ایک نقشہ ایسا بنایا کہ گائے آگے آگے بھاگ رہی تھی اور سانڈ اس کے پیچھے منہ چڑھاتا ہوا دوڑا جاتا تھا۔

بت سازی اور نقاشی سے فرصت پاکر اس نے قبیلہ کی نوآموز لڑکیوں اور لڑکوں کو بھی اسی جگہ بلا لیا۔ وہ چپ چاپ دور سے مشعلوں کی روشنی میں گرو کی چلتی پھرتی پر چھائیاں دیکھ رہے تھے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے انھوں نے آکر بجاروں اور گؤں کی مورتیاں اور تصویریں دیکھیں۔ گرو کو ڈنڈوت کی۔ کیونکہ اس وقت گرو بہت زیادہ مہیب نظر آتا تھا۔ ان کے آتے ہی اگیا بیتال نے ڈورو ہاتھ میں لیا۔ دھپڑ دھپڑ کی آواز نکلتے ہی مقدس ناچ شروع ہوا۔ بدن لمبے بالوں والی کھالوں سے ڈھکے ہوئے۔ چہرے رنگین۔ سروں پر مختلف جانوروں کے کلّے۔ پھر ناچنے کا ڈھنگ وحشیانہ۔ سچ مچ کے ریچھ اچھلتے معلوم ہوتے تھے۔

ان جنگلیوں کو اپنے گرو پر بڑا اعتقاد ہوتا تھا۔ در اصل ان کا مذہب بنانے والے گرو ہی تھے۔ وہی مر کر دیوتا بن جاتے۔ وہی آگ، پانی، ہوا، مٹی،

جس کو چاہتے پجوا دیتے۔ ہر بات گرو کی کرامات سمجھی جاتی۔ وہ روحوں سے بات چیت کر سکتا۔ اگیا بتیال نے جو سانڈ اور گئوؤں کے بت وغیرہ بنائے تھے قبیلے والوں کو یقین تھا کہ اگر گرو چاہے تو ان میں جان پڑ سکتی ہے اور اس لئے وہ باوجود فاقہ کشی میں دھمال کرتے کرتے تھک کر چور ہو جانے کے برابر ان مورتیوں کے آگے تھک کے چلے جاتے تھے۔ وہ تو اتفاق سے چربی کم تھی دیئے ٹمٹانے لگے۔ مشعلوں کی لکڑیاں بھی ختم ہونے پر آ چلیں۔ غار سے نکلنا چاہیئے تھا۔ اندھیرے میں گندی رہیں اگر شیر بن کر گھس آئیں تو اس کے مقابلہ کا سامان بھی نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ گرو نے آخری منتر پڑھ کر دوڑ وزور سے بجایا۔ رسم ختم ہوئی۔ مسجد ہو یا مندر۔ عبادت گاہ۔ یا تماشا گاہ۔ نہ جانے یہ کیا انسان کا خاصہ ہے کہ آئیں گے خاصی متانت کے ساتھ۔ مگر باہر نکلنے میں کوئی وحشت دیکھے غیر مہذب ملکوں پر منحصر نہیں۔ اس معاملہ میں مہذب سے مہذب قوم بھی مجبور ہے۔ چلے تو انتہائی گھبراہٹ میں۔ تو مجھ پر تو میں تجھ پر۔ راستہ کا واک۔ بیسیوں موڑ۔ کہیں نشیب کہیں فراز۔ روشنی ناکافی۔ وہ بھی آدھی دور چل کر بجھ گئی تھی۔ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر چلنے میں بڑی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ بمشکل باہر آئے تو کسی کا گھٹنا چھل گیا تھا کسی کے سر میں پہاڑ کی ٹکر چبھ گئی تھی۔ ایک لڑکی نے اپنے باپ کا ہار کھو دیا۔ دوسرے لڑکے کی چقماق گر پڑی اور تو اور گرو جی کے سمیٹے ہوئے دانت اور جادو کا ڈنڈا کسی تنگ سرنگ میں گھستے نکلتے کہیں رہ گیا۔

غار سے نکل کر کھلی ہوا میں آتے ہی ہار والی کو ہار کے جانے، چقماق والے کو چقماق کے گرنے کا افسوس ہوا۔ گرو کو بھی اندھیرے کی روحوں نے لوٹ لیا تھا۔ لیکن اس نے نہ اپنے نقصان پر دوسروں کی طرح منہ بنایا۔ نہ کسی سے ذکر

گیا۔ بلکہ جب سب باہر نکل آئے تو بڑی پھرتی کے ساتھ غار کے منہ کو فوراً
مٹی اور پتھروں سے بھر دیا تھا کہ باہر سے کوئی فسادی روح اندر جا کر طلسم کو نہ
توڑ ڈالے اور اندر جن روحوں کو جادو سے بند کیا ہے وہ چھٹ کر باہر نہ آ جائیں
شکتی بن باسی دیوی اور دوسرے ساتھیوں نے بھی غار کو تیغا کرنے میں
گروکی مدد کی۔ ملبہ منہ تک آ گیا تو چکنی مٹی اور کائی بچھا کر غار کا نشان تک
چھپا دیا۔ اس غار میں جس کو اس زمانہ کی عبادت گاہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ غالباً
یہ آخری پوجا پاٹ تھی۔ پھر کوئی اس میں داخل نہ ہو سکا۔

تخلیق کی دیوی ہمیشہ کے لئے پہاڑ کی کھوہ میں بند کر دی گئی تاکہ اس
کے کام میں دوسری دیویاں حارج نہ ہوں اور خاموش بیٹھی پیدائش کا چرخا
کاتے جائیں۔ پھر اسے بند بھی کیا تو سانڈ اور گائے کے ساتھ۔ دونوں کو آمنے
سامنے گھیر کر لانے کی ضرورت نہیں۔ انھیں یقین کا بھی سوا یقین ہو گیا تھا
کہ آج کے بعد بچھڑوں کی کمی نہیں رہے گی۔ بلکہ اس وقت تک نہ جانے کتنی
گائیں گابھن ہو چکی ہوں گی۔ زیروں ہی سے نشر ہوتے ہیں۔ یہی بچھڑے
کوئی دن میں سانڈ بن جائیں گے۔

گروکا گرو سے بھینٹا

خزاں کے موسم کی بارشوں نے سارے میدانوں کو تر کر دیا تھا۔ ندی
نالے گیت گاتے ہوئے گھاٹیوں میں لہراتے پھرتے تھے۔ جنگل اور چراگاہوں
میں ہوا۔ ریچھوں کی طرح غل مچاتی چل رہی تھی۔ طوفان کی دیویاں درختوں
کی جھلیاں اٹھا کر جھانکتیں اور زرد زرد پتوں کے جھڑنے۔ ہوائیں تھرکتے

پھرنے کے ساتھ ساتھ ناچنے لگتیں۔

آسمان صاف۔ دھویا دھایا۔ ابر کا ٹکڑا بھی کہیں دیکھنے کو نظر نہ آتا تھا پہاڑوں کی گھاٹیوں میں مالن بنی پھرتی تھی۔ کہیں پھول بکھیر دئے۔ کہیں نئے نئے شگوفے چھوڑنے لگی۔ کسی کے گلے میں ہار ڈالا، کسی کو بدھی پہنائی زمین سے نئی نئی وضع کی سبزیاں پھوٹ رہی تھیں۔

شگوفے کیا گلابی چمپئی دھانی نکل آئے
زمین کے لاڈلے گویا نئے کپڑے بدل آئے

پہاڑوں کی دراڑوں میں سے کھمبیاں پھوٹ نکلی تھیں۔ جہاں تہاں لجونتی کے چھتے کے چھتے دکھائی دیتے تھے۔ عورتیں کھمبیاں توڑنے جاتیں اور لجونتی کو چھو کر اس کے شرمانے کا تماشا دیکھتی پھرتیں۔ قبیلے میں اگلے موسم کے لئے جنگلی پھلوں اور جڑوں کا ذخیرہ جمع کیا جا رہا تھا۔

جانور درندے چرندے۔ پرندے کوئی ہوں موسم بدلتے ہی یہ اپنے رمنے بدل دیتے ہیں۔ کوئی میدان سے پہاڑوں پر۔ کوئی پہاڑ سے میدان میں آجاتا ہے۔ ٹھنڈ میں رہنے والے جوں جوں گرمی پڑتی ہے اوپر چڑھتے چلے جاتے ہیں اور اسی طرح جب زیادہ برف پڑنے لگتی ہے تو اوپر سے نیچے اتر آتے ہیں۔ بارشیں اب کے اچھی ہوئی تھیں۔ موسم ٹھیک وقت پر بدل رہا تھا۔ جانور اپنی اپنی عادت کے مطابق گلے بنا بنا کر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آنے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ تیاری کرنا کیا آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ جل وادی کے شکاریوں نے قریب کی پہاڑیوں پر جنگلی بکریوں کا ریوڑ دیکھا تھا۔ گنگو دو دن ہوئے ادھر گھاٹی میں راج ہنسوں کے کئی جوڑے دلدلی زمین پر آتے دیکھ آیا تھا

مختصر یہ کہ اب شکار کی کمی نہیں رہی تھی۔ آسانی سے مل بھی جاتا اور ہو بھی جاتا۔ گروکا تخلیق کی دیوی والا عمل بہت کارگر ثابت ہوا تھا۔ اس روز سے برابر شکار ہوتا رہا۔ اناڑی سے اناڑی بھی کچھ نہ کچھ ضرور مار لاتا بلکہ تعجب تو یہ ہے گھسیٹے کی نال بھی ٹوٹ گئی۔ اس نے اس عرصہ میں کئی خرگوش بیتر تو الٹ رہا ہاتھوں سے پکڑ لئے۔ ایسی صورت میں قبیلے والوں کو دکھ کس بات کا ہوتا۔ مزے کے ساتھ شکار کرتے، کھاتے پیتے اور دندناتے

ایک دن سارے شکاری بیٹھے ہوئے انند کے تار بجا رہے تھے کہ دو آدمی چہرے فق حواس باختہ بھاگے ہوئے آئے اور خبر دی کہ "جنگل میں بھوت آگئے"

"بھوت کیسے؟"

"بھوت نہیں۔ بلائیں ہوں گی"

"بلائیں! کیا کہتے ہو؟"

"ہم نے ابھی ادھر اس پہاڑ کے اس طرف ندی کے دو بڑے جگادری جانور دیکھے ہیں جن کو جانور کس طرح کہیں۔ لمبے لمبے بال ہیں۔ ناک پر موٹا سا سینگ۔ چلتی ہوئی کالی کالی پہاڑیاں۔ ایسا کوئی جانور ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ وہ سر نیچا کئے نوک دار سینگ اوپر کو اٹھائے راستہ کی ہر چیز کو روندتے اس طرح بھاگے چلے جا رہے تھے جیسے آندھی۔ بڑے بڑے درخت ان کی جھپٹ میں آکر گر پڑتے۔ جب وہ زمین پر چھلانگ مارتے زمین ہل جاتی۔ ان کے پاؤں کے نشان بجار کے کھروں سے دگنے تھے۔

سب شکاری سوچنے لگے۔ حیران تھے کہ یہ نئی قسم کے جانور کیا ہیں۔ سچ مچ بھوت یا بلائیں تو نہیں۔ آخر ایک سب سے پرانے کھوسٹ شکاری نے

غور کر کے کہا کہ " میں سمجھ گیا، وہ گینڈے ہوں گے! واقعی یہ بلا ہوتے ہیں۔ بڑے مضبوط، بہت ظالم۔ تیر، برچھی کوئی حربہ ان کارگر نہیں ہوتا۔ کوسوں سے اپنے دشمن کی بو سونگھ لیتا ہے۔ ان کی آوازیں اس کے کان میں پہنچ جائیں اور پھر وہ بے جان لئے نہیں چھوڑتا۔ یہاں کہاں سے آگئے؟ روحوں نے بڑی کرپا کی۔ تم بچ آئے۔ اگر وہ حملہ کرتے تو خیر نہ تھی "

ششکتی: " مجھے بھی یاد آگیا۔ کوئی دس موسم گزرے ہوں گے ایک بہت پرانے غار میں گرد مجھے لے گیا تھا۔ وہاں اور کئی نئی وضع کے جانوروں کے ساتھ ایسے پنجر بھی دیکھے تھے جنھیں گرو نے گینڈا بتایا تھا۔ وہیں گرو نے اس کی ایک ہڈی پر برچھی کی تصویر بنا کر مجھے دی تھی۔ تاکہ میں اسے اپنے بازو پر باندھوں اور اس کی طاقت مجھ میں سما جائے۔ لیکن جیتا جاگتا گینڈا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہاتھی کے بڑے بھائی تو ایک دفعہ نظر آبھی گئے ہیں۔ ان سے سورج بھگوان ہی نے بچایا۔"

بن باسی دیوی: " نہ جانے یہ اس جنگل میں کب تک رہیں۔ شکاریوں کو ہوشیار ہو جانا چاہیئے۔"

گرو: " کوئی چنتا نہ کرو۔ آئے تھے گئے۔ مجھے پہلے ہی روحوں نے خبر دے دی تھی اور میں نے انھیں اندھا کر دیا تھا۔ نہیں تو ان کے آگے سے کوئی بچ کر نکل سکتا۔ ذرا بھی اپنے منوں میں دسواس نہ کرو۔ وہ ادھر نہیں آئیں گے "

قبیلے والے موسموں کے لحاظ سے غاروں کے باہر بھی نکل آیا کرتے تھے دس دس۔ بیس بیس دن کے راستہ پر بھی اکثر نکل جاتے اور سیر و شکار کر کے واپس چلے آتے۔ لیکن ان غاروں والے قبیلوں کے علاوہ خانہ بدوش قبیلے

بھی ہوتے تھے۔ جو موسموں کے ساتھ ساتھ جانوروں کی طرح سفر کرتے رہتے ایسے قبیلوں کے قبضے میں دراصل ایسے محفوظ غار نہ تھے جن میں ہر موسم امن سے گزار سکتے۔

سردی بڑھتی جاتی تھی۔ کھال تنبوؤں یا شاخوں کی جھونپڑیوں میں رہنے والے غار تلاش کر رہے تھے۔ یا ایسے مقامات کی طرف سفر کرنے لگے جہاں موسم انھیں تکلیف نہ دے اور وہ جاڑا شانتی سے گزار دیں۔ بجالو بھٹ میں دو قبیلوں کی پوری سمائی نہ تھی۔ اس لئے ٹنکی تے نے آس پاس کے اور کئی غاروں پر بھی قبضہ جمالیا تھا اور اس طرح وہ چاہتے تھے کہ آنے والا موسم ندی کے کنارے مل جل کر بسر کریں برف اور پالے سے بچنے کے لئے پورے انتظام کی ضرورت تھی۔ کھانے کا ذخیرہ اکٹھا کرنے کے علاوہ انھوں نے ہر غار میں خشک لکڑیوں کے ڈھیر لگا دئے۔ صنوبر کی تپلی تپلی شاخیں جن سے مشعل کا کام لیا جاتا تھا بہت سی جمع کر لیں تاکہ الاؤ بجھنے نہ پائیں اور اندھیرے کو اجالا کر سکیں۔

جوں جوں سردی زیادہ پڑتی خانہ بدوش جرگے پہاڑی علاقوں سے نکل نکل کر کھلے میدانوں کی طرف جاتے دکھائی دیتے۔ جب کوئی اس طرح کا قبیلہ جل وادی کے پاس سے گزرتا۔ جھلیشیا والے ان سے ملتے۔ غرض یہ ہوتی کہ ان مسافروں سے کارآمد چیزوں کا تبادلہ کریں۔ ان کے پاس عموماً چقماق اور مختلف قسم کی عمدہ عمدہ ہڈیاں ہوتیں جن سے تیر و کے پیکان برچھیوں کے پھل خوب بنتے۔ لین دین کبھی تو آسانی کے ساتھ ہو جاتا کبھی بیچ میں تکرار بھی ہو جاتی۔ وحشی ہی جو ٹھیرے۔ ہر ایک اپنے مال کو انمول سمجھتا اور اپنی چیزوں کو زیادہ بکارآمد سمجھنے میں دونوں حق بجانب ہوتے۔

ایک شام کو سورج ڈوب رہا تھا کہ کسی خانہ بدوش قبیلے نے ہیتھیا والوں کے بہت قریب ڈیرے ڈالے۔ انجان یا جان بوجھ کر' اللہ ہی جانے۔ لیکن بھالو بھٹ میں اس کا چرچا ہوا۔ لوگوں نے ان مسافروں کی آمد اچھی نظر سے نہیں دیکھی۔ نو وارد تعداد میں زیادہ اور ہاتھ پیروں کے بھی تگڑے ہیتھیا اور مرگ آسنی دونوں قبیلوں میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ انھیں ڈر ہوا کہ انھیں غار کی تلاش ہے۔ کہیں ان کی نیت ہمیں ستانے کی تو نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کو غاروں میں سے نکال باہر کریں اور آپ گھس بیٹھیں۔ اس زمانہ میں اس قسم کی چھینا جھپٹی عام تھی۔ اس زمانے پر کیا دنیا میں ہمیشہ قوت کا کمزوری پر لو ہا تیز رہا ہے اور تیز رہے گا۔ کمزوروں کو جینے کا حق ہی نہیں۔ وہ جینا چاہیں تو غلام بن کر

ان دونوں قبیلوں سے ان خانہ بدوشوں کی طاقت زیادہ تھی۔ ان کا اندیشہ سچا تھا۔ صلاحیں ہوئیں۔ آخر یہ ٹھہرا کہ ان سے مل کر اندازہ تو کرنا چاہیئے کہ ہمارے برابر میں ڈیرے ڈالنے کا ان کا کیا مقصد ہے۔ چنانچہ چند شکاری منتخب ہو کر ایک وفد کی صورت میں اس خانہ بدوش قبیلے کے ڈیروں میں گئے۔ شکتی اس وفد کا سردار تھا۔ نو واردوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑے تپاک سے آگ کے پاس بٹھایا۔ باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

شکتی: "کہیئے شکار کیسا ہوا؟"

نو واردوں میں سے ایک: "شکار! شکار کی کیا کمی!!"

دوسرا: "(کسی قدر ترش کر) ہمارا گروہ سارے قبیلوں کے گروہوں سے زیادہ طاقت والا ہے۔"

مطلب یہ تھا کہ انھیں کبھی شکار نہ ملنے کی شکایت نہیں ہوتی اور جب قبیلہ میں گروہ موجود ہو اسے شکار میں ناکامی سے کیا واسطہ!

ان کا گرو سامنے الگ تھلگ خاموش بیٹھا ہے۔ دھوئیں اور شعلوں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ گرو کے پاس بلا ضرورت جانا۔ اس سے بات کرنا اور اس کے دھیان میں خلل ڈالنا بڑی مصیبت سمجھی جاتی تھی۔ اگر وہ بگڑ جائے تو خاک سیاہ کر دے۔ شکتی سے یہ بھید چھپے ہوئے نہیں تھے لیکن اس وقت اس نے گرو سے ملنا ضروری سمجھا اور بالکل انجان بنا ہوا اس کے قریب جا پہنچا۔ اس نے بھی اپنے گرو اگیا بیتال کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ جادو منتر کے بہت سے لٹکے یاد تھے دو چار ایسے اشارے کئے کہ گرو کو اپنی طرف متوجہ کر ہی لیا۔ آنکھیں اٹھیں مسکرائی ہوئی مہربانی آمیز اشاروں ہی اشاروں میں سوال وجواب ہوئے اور دونوں ایک دوسرے کا مطلب سمجھ گئے گرو غیر معمولی انسان تو کیا غیر معمولی قابلیت کے ضرور ہوتے تھے۔ جن کا ان سے زیادہ سابقہ ہوتا وہ ان کے بھیدوں سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی ان کی اکثر ادائیں پہچان جاتے۔ شکتی ان اشاروں کے سمجھنے میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔

گرو :۔ "تمہارے گرو کا کیا نام ہے ؟"

شکتی :۔ "اگیا بیتال ۔"

گرو :۔ "سنا ہوا نام ہے ۔"

شکتی :۔ "ضرور سنا ہوگا۔ ہمارے مہیشیا قبیلہ کا نام بھی دور دور لوگ جانتے ہیں ۔"

گرو :۔ "کیا تم لوگ اس جاڑے میں اپنا غار چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے ؟"

شکتی :۔ "نہیں جناب ہمارے پاس کافی خوراک ہے ۔"

گرو :۔ "(گردن ہلا کر) اگیا بیتال نے آکاش پر روحوں کا چکر بھی دیکھا؟"

شکتی :۔ "مہاراج ! یہ ہم کیا جانیں ۔"

گردو" شاید چندرماں پر اس کی نظر نہیں پڑی۔ اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

گردو اٹھا اور تستی کے ساتھ چلا۔ خانہ بدوش قبیلے کے مرد و عورت سب نے ادب سے اس کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ اس کی وضع اس کے بار دیکھکر ہیٹیا والوں نے اندازہ لگایا کہ وہ ضرور کوئی بڑا جادوگر ہے۔ اگیا بتیال اپنے کھٹ کے سرے پر بیٹھا کچھ جڑی بوٹیوں کا رس نکال نکال کر ملا رہا تھا نئے گردو کے سامنے جاتے ہی اس نے گردن اٹھائی۔ آنکھیں چار ہوئیں یہ لوگ آپس میں ضرور ایک دوسرے سے واقف ہوتے تھے اور واقف نہ بھی ہوتے تو اس طرح ملتے کہ دیکھنے والوں پر رعب پڑے اور وہ یہ سمجھ لیں کہ جادو کے زور سے دونوں ایک دوسرے کو پہچان گئے ہیں۔ اس مطلب کے لئے ان کے ہاں کچھ مقررہ علامتیں تھیں۔ جہاں کہیں سامنا ہوجاتا فوراً "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" ہونے لگتا۔

اگیا بتیال تاڑ گیا کہ یہ کسی تازہ وارد قبیلے کا گرو ہے۔ اس نے دیوزادوں کی زبان میں کچھ بکا۔ دوسرے نے بھی ویسے ہی پتھر سے لڑکا کر جواب دیا۔ پھر کھال کے چھوٹے سے تھیلے میں سے زرد زرد شیشے جیسا ایک ٹکڑا نکالا اور اس میں سے دو چار ریزے توڑ کر نئے گرد کو دئے نئے گردو نے بھی اپنی جھولی میں ہاتھ ڈال کر ایک کالا سا چمک دار ڈھیما نکالا دونوں نے ایک دوسرے کی پیش کش قبول کی اور منہ میں ڈال کر گھلانے لگا۔

آپ سمجھے یہ ڈلے کیسے تھے؟ نمک تھا نمک ایک سفید دوسرا سیاہ نمک کے پتھر اس وقت تک بہت کمیاب تھے۔ اکثر قبیلے تو نمک سے واحد شاید ہی سنے تھے اور جن کو علم ہوگیا تھا وہ بھی عام طور پر استعمال نہیں کرتے

تھے البتہ گرو ایسی چیز ضرور اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب کسی چیلے کے پیٹ
میں کوئی گندی روح گھس جاتی تو گرو جادو کا یہ پتھر ذرا سا کھلا دیتا۔ فوراً
ستانے والی روح کبھی چپ چپاتی۔ کبھی چیختی ہوئی نکل کر بھاگ جاتی۔ ایسی
ایسی اور بھی بہت سی کرامتی چیزیں ان گروؤں کے پاس ہوتی تھیں درختوں
کے پتے زہریلی جڑیں پھلوں اور پھولوں کے عرق اور وہ ان سے جادو کا
کام لیتے۔

نمک کی دانہ بدتوں ہونے ... کے بعد آگیا بتیال جان گیا کہ اس کا
کالا پتھر میرے سفید پتھر سے زیادہ تیز ہے اور وہ چاہتا تھا کہ کچھ اور بھی بھید
کی باتیں کر دں۔ اس نے اوپر کی طرف منہ اٹھا کر زین توٹ، زیں زٹ
کیا۔ ساتھ ہی دوسرے نے بھی ہانک لگائی۔ ٹا فٹ۔ ٹا فٹ، دونوں کچھ
اس طرح آنکھیں مٹکا کر چلائے کہ تنکتی اور اس کے ساتھی ڈر گئے۔ انھیں
یقین ہو گیا کہ یہ کسی بہت بڑی روح کو بلا رہے ہیں وہ سب ان دونوں
کو اکیلا چھوڑ کر کھسک گئے۔ دونوں گروؤں میں کیا صلاحیں ہوئیں۔ کب
تک ہوتی رہیں؟ روحیں جانیں۔ ہاں ہیتیا اور مرگ آسنی والوں نے دوسرے
دن صبح کو دیکھا کہ رات میں بسیرا لینے والا خانہ بدوش قبیلہ اپنا ٹنڈیرا لاد
قطار باندھے چلا جا رہا ہے۔

نرسنگھا اور اس کا انت کال

نرسنگھا کافی بوڑھا تھا۔ وہ ہر روز اپنی طاقت میں کمی محسوس کرتا اس
کے اعضا میں جو نقص پیدا ہو جاتا وہ بڑھتا ہی رہتا پچھلی سردیوں میں اس

کے نیچے کا دھڑ رہ سا گیا تھا۔ بمشکل چلا پھرا جاتا۔ دوا درمن وہ وحشی کیا جانیں کوئی جڑی کھالی کسی درخت کے پتے چبا لئے۔ یا گرو نے جھاڑ پھونک کر دی یہی اس زمانے کے علاج تھے۔ اکثر تو موسم کی تبدیلی خود بخود اچھا کر دیتی نرنگھا سمجھا تھا کہ گرمی کے دنوں میں اس کی اکڑی ہوئی ٹانگیں آپ ہی آپ کھل جائیں گی اور وہ بے سہارے جنگلوں میدانوں میں بھاگ دوڑ سکے گا۔ مگر بڑھاپے کا روگ کہیں جایا کرتا ہے۔ گرمی آئی اور چلی بھی گئی۔ نرنگھا اتنا بھی سا نوٹا نہیں ہوا کہ شکار کے پیچھے چھلانگیں مارتا در کنار لگائے ہوئے جالوں اور پھندوں کو تو دیکھ بھال آیا کرے۔ پرانے زخم اور کبھی کی چوٹیں بھی چرانے اور کسکنے لگی تھیں۔ ذرا سی دور چلتا رانیں پنڈلیاں سب اکڑ جاتیں ہاتھوں میں البتہ ابھی اس کے خاصہ دم تھا۔ غار کے اندر باہر بیٹھا ہوا تمام دن کچھ نہ کچھ کام کئے ہی جاتا۔ وہ مجبور تھا کہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا۔ روٹی کا مسئلہ آدمی کو ہمیشہ کہ بیکار کو محتاج اور از کار رفتہ انسان ان کے نزدیک زندگی کا وبال تھے اور اسی لئے نرنگھا بیٹھے بیٹھے اور کچھ نہیں تو لکڑیاں لے کر چقماق کی گھسائی ہی کرتا رہتا۔ تیر، برچھے برچھیاں، خنجر بناتا۔ ان میں ... ایسا نہ ہوا لے اور دستے لگاتا۔ پھر بھی بعض قبیلے والے اسے کچھ زیادہ بیکار آدمی نہ سمجھے۔ اسے کھانا دینے سے کتراتے ہی رہتے۔

نرنگھا بوڑھا تو تھا ہی۔ موسموں کی تاثیریں بھی کمزوری میں زیادہ ہوتی ہیں۔ ایک دن گرماؤ کے وقت ہوا بالکل بند تھی اور سورج پوری تیزی پر۔ کام کرتے کرتے یکایک بے حال ہو کر گر پڑا۔ بن ماسی دیوی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ بوڑھے سردار کو اس طرح گرتے ہوئے دیکھ کر چلائی۔ عورتیں اور مرد جمع ہو گئے۔ عام طور پر قبیلے والے نرنگھے کو اچھا

سمجھتے تھے وہ اپنے وقت میں بڑا بہادر دلعزیز سردار تھا۔ ایک نوجوان شکاری اسے بے حس و حرکت دیکھ کر گرد کی تلاش میں لپکا کہ وہ آ کر شاید اپنے منتر سے اچھا کر دے۔ بن باسی دیوی نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے بوڑھے نرسنگھے کو پھر بھی ہوش نہ آئی۔ اتنے میں گرد آ پہنچا۔ سب بہوش سردار کے آس پاس سے ہٹ گئے۔ گرد کے آنے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ نرسنگھا جو قرب و جوار کے قبیلوں میں سب سے بڑا منصف مزاج سردار تھا اس کی بہادری اور شکار میں ہنرمندی دور دور مشہور تھی جس نے اپنی جوانی میں سیلوں بڑے بڑے بھورے ریچھ اور شیر مارے۔ دشمنوں کو ہمیشہ نیچا دکھایا۔ آج بڑھاپے نے اس کو ایک اشارہ میں چت کر دیا تھا۔ ہاتھ پاؤں پھیلائے۔ آنکھیں بند بے ہوش ایسا پڑا تھا جیسے مردہ۔

اگیا بیتال جلدی جلدی بیمار سردار کے پاس پہنچا۔ اپنی آنکھیں اس پر گاڑ دیں اور تحکمانہ لہجہ میں بولا " نرسنگھے! ہیلیشیا کے سردار! میری بات سن۔ بدروح کو اپنے قالب سے نکل جانے دے کیوں؟ اچھا ادھر دیکھ! مجھ سے آنکھ ملا!" گرد کی گرم آواز بھی بن باسی دیوی کے ٹھنڈے پانی کی طرح ہوا میں اڑ کر رہ گئی۔ نرسنگھے نے نہ کوئی حرکت کی نہ آنکھیں کھولیں۔ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ گرد کو ذرا طیش آ گیا۔ اس نے دوبارہ پہلے سے زیادہ کرخت آواز میں کہا " نرسنگھے! نہیں سنتا۔ نہیں دیکھتا۔ نہیں بولتا۔ میری سن، مجھے دیکھ بول۔ میں کہتا ہوں بول" اس مرتبہ بوڑھے سردار نے آنکھ کھولی۔ گرد کی طرف دیکھا۔ اپنے بیٹے تنکی اور بہو بن باسی دیوی کو پہچان کر مسکرایا۔

اس کا چاروں طرف دیکھنا اور مسکرانا قبیلے والوں کے لئے کوئی نشانی

کی بات نہ تھی۔ بوڑھے نرسنگھا کا مرتے مرتے جی اٹھنا اور بہو کے سوا سب کو ناگوار تھا۔ گرو نے جو یہ رنگ دیکھا تو سر ہلانے لگا اور بڑبڑا کر بولا "کوئی بڑا بھوت اس میں سما گیا ہے وہ اس کی روح کو لپٹا ہوا کھا رہا ہے یہ جلد مر جائے گا۔ اگر کسی بد روح نے بوڑھے نرسنگھے کے جسم میں اپنا گھر بنا یا ہے تو اسے مردہ سمجھو۔" گرو کا یہ کہنا تھا کہ قبیلے والوں میں کہرام مچ گیا اس لئے نہیں کہ ان کا بوڑھا سردار مر رہا تھا۔ بلکہ بد روح کے تصرف سے وہ ہراساں ہو گئے تھے۔ ان کے چہروں سے وحشت معلوم ہوتی تھی۔ نرسنگھے نے گرو کی باتیں سنیں۔ لوگوں کی پریشانی دیکھی اور اس کے تصورات بہت ہی بھیانک ہو گئے۔ اس نے سمجھ لیا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے وہ کسمسایا اٹھنے کی کوشش کی۔ اس کا دایاں بازو اور ٹانگ بے حس تھی۔ بن باسی دیوی نے اسے سہارا دیا اور وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھا۔ سب دور دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔

نرسنگھا گرو سے کہنے لگا" اگیا بیتال! تم کہ تمہارے جادو نے بہکا دیا ہے۔ میرے دل کو کوئی بد روح نہیں کاٹ سکتی۔ میں اپنے قبیلہ کا مدتوں سردار رہا ہوں۔ مجھ پر دیوتاؤں کی مہربانی ہے۔ دراصل میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ سورج بھگوان مجھ پر اب اپنی جوت ڈالنی نہیں چاہتے میری کمزوری اس کی کرنوں کا شکار نہیں کر سکتی۔ اس نے اپنا آگ کا گرز میرے سر پہ مارا۔ میں گر پڑا۔ لیکن میں...... میں...... نرسنگھا اس کے غصہ کو سہہ گیا اور اس نے بھی دیکھ لیا۔ سنو۔ میں مروں گا نہیں"

گرو نے نرسنگھے کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا وہ وہاں سے ہٹ کر تسکی کو ایک طرف لے گیا اور کہنے لگا" تسکی! تم بوڑھے سردار کی بہکی بہکی

باتوں پر نہ جاؤ۔ یہ ساری موت کی علامتیں ہیں۔ اس کی آخری وقت کی تکلیف شروع ہو گئی ہے۔ جب تک اس کے بدن میں خون کا ایک قطرہ بھی ہے روح اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور یہ اسی طرح بکے جائیگا؛ شگون ایسا ہی ظاہر کرتے ہیں۔ تم نہ دیکھو قبیلہ کا دوسرا کوئی آدمی نہ دیکھے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے گرنے سے دو چار ہی لمحے پہلے وادی میں سفید الو اڑتا ہوا گیا تھا اور اڑتے اڑتے بوڑھے سردار کے سر پہ اس نے ہوک بھی لگائی تھی۔ بھلا اس بڑے شگون کے ہوتے سردار کے مرنے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ موت کا الو بولے اور کوئی جیتا رہے کریا کرم کی رسمیں فوراً شروع کر دینی چاہئیں۔"

گرد کا کہنا اور اس رازداری کے ساتھ۔ پھر بوڑھے سردار کی مردنی چھائی ہوئی صورت کس کو یقین نہ آتا۔ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ تھا۔ آج کا کام کل پہ کیوں اٹھا رکھتے اور ایک مرنے والے کے سانس گنتے۔ چنانچہ سب کے سب اٹھاؤں کی تیاری کرنے پر آمادہ ہو گئے صرف بن باسی دیوی نرسنگھے کے پاس بیٹھی رہی۔

نرسنگھا :۔ "بن باسی دیوی! تم بھی جاؤ۔"

بن باسی دیوی :۔ "کہاں ؟"

نرسنگھا :۔ "اپنے بوڑھے سردار کی جیتے جی کریا کرم کرنے۔"

بن باسی دیوی :۔ "کیا تم مر رہے ہو ؟"

نرسنگھا :۔ "تمہارا گرد اگیا بتیال نے کیا نہیں کہا کہ میں مر رہا ہوں۔ اس نے تو موت کا الو بھی اڑتا ہوا دیکھ لیا۔"

بن باسی دیوی :۔ "یہ گرد محض شگونوں پر چلتے ہیں اور میں سورج بھگوان

کی مرضی پر سارے شگون سچے نہیں ہوتے۔ گرو نے جو شگون لیا ہے غلط بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے تو کوئی ایسی علامت نظر نہیں آتی کہ تمہارے دادا پردادا کی روحیں تمہاری روح کو ملنے کے لیے بلا رہی ہیں۔ بلائیں گی اور تم ایک نہ ایک دن ضرور ان کے پاس جاؤ گے۔ لیکن ابھی نہیں۔"

نرسنگھے کے چہرے پر بن باسی دیوی کی باتوں سے رونق سی آگئی اور اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا۔

بن باسی دیوی۔" میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے اعضا طاقت کے پیاسے ہیں"

نرسنگھا۔" گوشت میں نہیں کھا سکتا"

بن باسی دیوی۔" میں تمہارے لیے ایک نئی قسم کی غذا تیار کروں گی۔ تمہارے قبیلے والے نہیں جانتے کہ نا طاقت بیماری کو کیسا کھانا دینا چاہئیے۔"

نرسنگھے نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بن باسی دیوی کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہ اس کے لیے اپنی غذا تیار کرنے لگی جو دوا کی دوا اور غذا کی غذا تھی۔ پہلے اس نے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو الاؤ میں ڈال کر خوب سرخ کیا۔ جب وہ خوب لال ہو گئے تو انھیں لکڑی کے ایک دیگچے نما ظرف میں ڈال دیا اس میں گوشت کی بوٹیاں، خوشبودار پتے اور کچھ بوٹیاں بھیگی ہوئی تھیں۔ سن سن۔ چھن چھن آواز آنی شروع ہوئی۔ بھاپ نکل کر نرسنگھے کی ناک میں پہنچی عجیب فرحت دینے والی خوشبو تھی۔ وہ مسکرایا۔

نرسنگھا۔" یہ میرے لیے ہے"

بن باسی دیوی۔" ہاں"

نرسنگھا۔" (ہونٹ چاٹتے ہوئے) لاؤ"

بن باسی دیوی۔" (لکڑی کے پیالے میں تھوڑا شوربہ دے کر) لو اسے
پی لو۔"
نرسنگھا۔" (پی کر) گوشت نہیں دو گی؟"
بن باسی دیوی۔" تھوڑی دیر کے بعد۔ ذرا معدے کو گوشت کے لئے
تیار ہو جانے دو۔"

بن باسی دیوی کی مہربانی سے نرسنگھا خاصہ چونچال ہو گیا۔ گو قبیلے والے اس سے دور ہی دور رہے، اتنا ہوا کہ کریا کرم سے نجات مل گئی دن گزرتے گئے اور وہ مرنے کے بجائے سا ونٹا ہو گیا۔ درخت کے سہارے کمر لگائے گھنٹوں بیٹھا رہتا اور بن باسی دیوی کو اپنی جوانی کے قصے سنایا کرتا۔ باوجود مفلوج ہونے کے اس کے چہرے پر رونق تھی۔ وہ خاصہ مضبوط معلوم ہوتا تھا۔

بوڑھا سردار مرتے مرتے جی اٹھا۔ صرف جی نہیں اٹھا بلکہ پہلے سے زیادہ ٹانٹھا ہو گیا لیکن قبیلے والے اسے مردہ ہی سمجھے ہوئے تھے گرو کا کہنا معمولی بات نہ تھی تا وقتیکہ شگون جھوٹے ثابت نہ ہوں اس کی زندگی کے متعلق سب کو دبدھا ہی تھی۔ ان کے اعتقاد کے مو جب شگونوں سے انحراف بہت مشکل تھا۔ اب کیا کریں؟ شگون غلط نہیں ہو سکتے اور نرسنگھا جیتا ہے اس سے بڑھ کر نازک حالات اور کیا ہونگے شگونوں پر ان لوگوں کی زندگی ٹھہری۔ یہ جھوٹے ہو گئے تو آئندہ کیا ہو گا آخر گرو کو قبیلے کی جنگ جو جماعت کے سامنے بلایا گیا اور ان کی طرف سے تقریر کرنے والے نے کہا۔" اگرچہ نرسنگھے میں اب بھی جان ہے۔ وہ موت کی روحوں سے لڑے جاتا ہے۔ لیکن کب تک لڑے گا۔ روحیں اسے ہرائے

بغیر نہیں رہیں گی"

دوسرا: "بات کاٹ کر، مرے یا جئے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کھانا تو ایک آدمی کا کھاتا ہے اور کام آدھے آدمی کا بھی نہیں کرتا۔ ہم کیوں اس پہ اپنا کھانا ضائع کریں۔ سردی آرہی ہے ہم ایسے آدمی کو گوشت دے سکتے ہیں جو مرنے والا ہو"

اگیا بیتال کی شہرت اور اس کا علم خطرہ میں تھا۔ اس نے سوچ کر کہا: "میرے شگون کبھی جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ بعض روحیں بڑی اڑیل ہوتی ہیں۔ خیر اب تم یہ کرو کہ اسے قبیلے سے الگ کر کے دور کسی درختوں کے جھنڈ میں چھوڑ دو۔ تین دن صرف تین دن تک پھر ہم اس کا کریا کرم کرنے کے قابل ہو جائیں گے روحوں کو تنہائی کی ضرورت ہے"

سنگ دل شکاری فالج کے مارے بوڑھے سردار کو ڈنڈا ڈولی کر کے دور دراز جنگل میں لے گئے اور درختوں کی شاخوں کے سائے میں لٹا دیا سارا قبیلہ اسے الوداع کہنے آیا اور نرسنگھا بے آب ودانہ وہاں چھوڑ دیا گیا بن باسی دیوی کے سوا کسی کو اس کے ساتھ ہمدردی نہ تھی مگر وہ کیا کرتی۔ دل ہی دل میں افسوس کرتی رہ گئی اس کے بعد ہنڈیا والوں نے اعلان کیا کہ بوڑھا سردار بستر مرگ پر ہے اور جلد اس کی روح اپنے بزرگوں کی روحوں سے ملنے چلی جائے گی۔

گرو نے اپنے قیاس سے نرسنگھا کے مرجانے کا جو دن مقرر کیا تھا آگیا قبیلے والے ماتمی جلوس بنا کر اس جگہ گئے جہاں بوڑھے قریب المرگ سردار کو چھوڑ کر آئے تھے۔ انھیں خیال کیا یقین تھا کہ وہ مر چکا ہوگا۔ بیمار، نیم جان، بے دوا درمن اکیلا درندوں گزندوں میں بے پناہ مرنے

میں کسر ہی کیا تھی۔ لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے وہ حیران ہو گئے جب انھوں نے بوڑھے کو جیتا جاگتا پایا اور اس نے اپنی گودیوں کے پالے بیٹے اور اپنے نامہربان قبیلے والوں کا آنکھوں سے استقبال کیا قبیلے والے بڑی بڑی نگاہوں سے گردی کی طرف دیکھنے لگے۔ جس کی پیشین گوئیاں غلط اور شگون جھوٹے ثابت ہو چکے تھے۔ اگیا بنیال پر یہ بڑا نازک وقت تھا۔

ایک نوجوان شکاری۔ "اگیا بیتال اب تمہارا شگون کیا کہتا ہے؟"

دوسرا۔ "(غضبناک ہو کر) تم بھی بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہارے سگون بھی گرو۔" (کھسیانا ہو کر) اس پر ایک بڑی سرکش قسم کی روح مسلط ہے۔"

تیسرا۔ "پھر تم کس مصرف کے ہو؟"

چوتھا۔ "بس بہت باتیں نہ بناؤ۔"

پانچواں۔ "گردی چھوڑو۔ سوچنا یہ ہے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔"

سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ نئی بات تھی۔ بغیر مشورہ کے کوئی قدم اٹھانا مشکل تھا۔ پہلے بن باسی دیوی بولی کسی نے اس کے بولنے پر اعتراض نہیں کیا۔ عورت کا قبیلہ کے اہم معاملات میں دخل دینا دستور کے خلاف تھا۔ تاہم وہ ایک اچھے قبیلہ کی سردار رہ چکی تھی۔ اس کی سمجھداری کے سب قائل تھے اسے بولنے دیا۔ اس نے کہا "چونکہ نرسنگھا ابھی زندہ ہے اور وہ بھی بغیر کھائے پیئے۔ بے دیکھ بھال۔ اس لئے ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے آباد اجداد کی روحوں نے اس کی حفاظت کی ہوگی وہ اس کا زندہ رہنا چاہتی ہیں۔ کیا ہم روحوں کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ کریں تم اس کا جواب اپنے دل سے پوچھو۔ میں صرف اتنا کہوں گی کہ کیا اس نے

کبھی اپنی روزی نہیں پیدا کی ؟ - اس کی جوانی کے دن بھول گئے ؟ اس نے تمہاری رکھوالی کے کیسے کیسے کام کئے ہیں۔ تم کو پالا شکار کھیلنا سکھا تمہارے دشمنوں سے لڑا - کیا یہ وہی نرسنگھا نہیں ہے جس نے میدان کو تمہارے لئے خطرات سے پاک کر دیا۔ آج تم کو گوشت کے دو ٹکڑے اسے دینے دوبھر ہیں تم اس کے تھکے ہوئے وقت میں اگر اتنا بھی اس کے ساتھ سلوک کرنا نہیں چاہتے - اس کا اپنے اوپر کوئی حق نہیں سمجھتے تو مجھے اس کی خدمت کرنے دو۔ میں عورت ہو کر تم مردوں کا حق اپنے ذمہ لیتی ہوں ''۔

بن باسی دیوی کی اس بہادرانہ تقریر سے گرو کی تیوریوں میں بل پڑ گئے وہ بہت بھنایا اور نہایت کرخت آواز میں چلا کر کہنے لگا جس کا جو جی چاہے لکھے علامات بتا رہی ہیں کہ نرسنگھا موت کی روح کے قبضہ میں ہے کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت - پرانی روایات موجود ہیں جو ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں وہی ہمیں بھی کرنا چاہیئے۔ کون نہیں جانتا کہ سورج اور ستاروں کے نیچے آدمی کا وقت بہت کم ہے اور وہ اسی وقت تک قبیلہ کا فرد سمجھا جائے گا جب تک اس کی زندگی کارآمد ہے۔ جو کام نہیں کر سکتا۔ شکار نہیں کھیل سکتا۔ دشمن سے لڑ نہیں سکتا وہ دوسروں پر عذاب نہیں تو کیا ہے۔ کیا تم جلی ہوئی راکھ، ٹوٹے ہوئے ہتھیار اٹھانا پسند کرو گے ؟ نرسنگھا جب کام کا تھا، کام کا تھا۔ وہ قبیلہ کا سردار رہا - اب وہ قبیلہ والوں کے لئے مصیبت ہے اس کی جوانی لوٹ کر نہیں آ سکتی - وہ دوبارہ تمہارے کام کا نہیں بن سکتا۔ روحوں کا یہی دستورالعمل ہے۔ طاقت وروں کو طاقت دینی اور

کمزوروں کو فنا کرنا سفید الو آباؤ اجداد کے احکام لایا تھا۔ ہم پر اس کی تعمیل لازمی ہے"۔

اگیا بیتال نے یہ تقریر کچھ ایسے ساحرانہ انداز سے کی کہ سارے شکاری اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگے یہاں تک کہ شکتی بھی اس کے رعب میں آگیا اور گرو کی تائید میں بولا "بیماری کی روح جس نے بوڑھے سردار کو مفلوج کر دیا ہے ایسا نہ ہو کہیں قبیلے کے دوسرے لوگوں پر چڑھ دوڑے۔ اس کی خوشی کے لئے ہمیں وہی کرنا چاہیئے جو قدیم سے کرتے آئے ہیں"۔

بن باسی دیوی نے نہ گرو کی پروا کی نہ شکتی اور دوسرے قبیلے والوں کے ناراض ہونے کا خیال کیا برابر اپنی بات پر اڑی رہی۔ اور صاف انکار کر دیا کہ میں اس معاملہ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی"۔

مجمع میں ہہنیشا اور مرگ آسنی دونوں ہی قبیلوں کے لوگ تھے۔ قدرتی طور پر بعض مرگ آسنی والوں کو بن باسی دیوی کی طرفداری میں جوش آجانا چاہیئے تھا۔ اندیشہ ہوا کہ کہیں بات نہ بڑھ جائے۔ ہہنیشا کا ایک پرانا تجربہ کار معاملہ کو سمجھ گیا۔ فوراً نہایت احترام کے ساتھ بوڑھے سردار کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا "بڑے سردار نہا سورما نرسنگھے۔ تم نے سدا اپنے بچوں کو پالا، دشمنوں سے انھیں بچایا۔ ایسا ہی کیا ہے، جانتے ہو تو چلے جاؤ۔ گھٹنوں چل کر بہادر نہیں جایا کرتے۔ یہ تو تم خود جانتے ہو کہ جب تمہارے باپ اور ان کے باپ نہیں رہتے تو تم کس طرح ہمیشہ رہ سکتے ہو۔ تم کو زیادہ دن میدان کی ہوا کھانی نصیب نہیں ہوگی۔ سب جانتے ہیں کہ تم اپنے وقت

میں بہت جوان مرد۔ بڑے شکاری تھے۔ مگر اب بڑھاپے کی روح نے تمہاری ٹانگیں اور بازو باندھ دیئے ہیں۔ وہ تمہاری طاقت کھا رہی ہے۔ تمہارے بال سفید ہو گئے۔ دانت جھڑنے لگے۔ آنکھیں دھندلی پڑ گئیں۔ تمہاری جوانی تمہارے ان قبیلے والوں کے پاس جو روحوں کی بستی میں ہیں تمہارا انتظار کر رہی ہے جاؤ۔ خوش خوش ہنستے کھیلتے چلے جاؤ۔ وہاں تم پھر جوان ہو جاؤ گے اور سدا بہار میدانوں میں روز بجاروں کا شکار کرو گے یہاں تم ناخوش ہو۔ دوسروں کے مارے ہوئے شکار میں تم جیسے شیر کو کیا مزہ آتا ہوگا۔ قبیلے والے بھی تمہیں آپاہج دیکھ دیکھ کر کڑھتے ہیں ارواح کہتی ہیں کہ تمہارا وقت ختم ہو چکا۔ تم کو موت سے مقابلہ کرنا نہیں چاہیئے "

اس لسان نے گرم دلوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ لوگ اپنی اپنی جگہ کچھ سوچتے سے رہ گئے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد ایک آواز کہتی ہوئی سنائی دی " اچھا تو اے بزرگ سردار! کیا تمہاری یہ خوشی ہے کہ ہم ٹھیک پورن ماشی کے دن جنازہ کی رسمیں ادا کریں " سب اپنے رد کئے ہوئے سردار کی صورت دیکھ رہے تھے کہ دیکھیں وہ کیا جواب دیتا ہے۔ نکتی چپ تھا۔ بن باسی دیوی غم و غصہ میں کبھی زمین کو دیکھتی کبھی آسمان کو۔ نرسنگھے نے جواب دینے سے پہلے ذرا سوچا۔ اپنی حالت اور قبیلے والوں کے جذبات پر غور کیا۔ وہ جانتا تھا کہ آبائی روایات میں اسے اور کیا کہنا چاہیئے ؟ لیکن مرنے کو کس کا جی چاہتا ہے جب وہ اپنی پچھلی زندگی۔ اپنے کارناموں۔ اپنی لڑائیوں۔ اپنے شکاروں کو خیال کرتا تو اپنی موجودہ بے کسی، کس مپرسی اور ذلتوں کو دیکھ کر دل ہی دل

میں روتا۔ مجبور تھا۔ اس نے اپنے قبیلے والوں پر ایک بڑی حسرت ناک نظر ڈالی ہے۔ اسے تمنا تھی کہ ان میں کوئی تو میرا نکلے گا۔ شاید کسی کو ترس آ جائے۔ سب اس کے اپنے تھے وہ ان کا مائی باپ تھا۔ ہینیا قبیلہ اسی کے سامنے بنا۔ پھیلا۔ پھولا۔ اس نے ان کی حفاظت کی۔ شکار کرنا سکھایا۔ لڑنے کے داؤں پیچ سکھائے۔ مدتوں شکار کر کے انھیں کھلائے۔

بوڑھے سردار کی مایوسی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی ساری زندگی کے واقعات آ کر مٹ رہے ہوں گے اس نے ہر ایک کی جانب یکے بعد دیگرے دیکھا اور ایک آہ سرد بھری سر نیچا کر کے بولا "تو تم پورن ماشی کے دن میرا کریا کرم کرنا چاہتے ہو چندر ماں کی پوری جوت ہیں"۔ کمزور اور منزدک الدنیا کی نہ کہیں داد ہے نہ فریاد۔ دھرتی ماتا کے سوا اس کا کوئی چاہنے والا نہیں۔ سب اس کی بات سنی ان سنی کر کے اٹھ گئے۔ بیچارہ بوڑھا سردار دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ ایک بن باسی دیوی کا نہ جانے خدا نے کیسا دل بنایا تھا کہ وہ اس کے پاس بیٹھی رہی نرسنگھے کے ماتم کرنے والوں میں کہو یا غمگساروں میں یہی ایک اکیلی عورت تھی۔

اب اس بیکس بوڑھے سردار کو کھلم کھلا تو دانہ پانی کون دیتا قبیلے والے اس کی اٹھاؤنی کے مراسم کی تیاری میں لگ گئے۔ چوری چھپے کھلانے پلانے کا موقعہ نہیں رہا۔ بن باسی دیوی کو ڈر تھا کہ دوسرے شکاری نہ بگڑ جائیں۔ جب سگا بیٹا باپ کا مرنا چاہتا ہے تو اوروں کی کیا شکایت۔ وہ بھی ناچار ہو کر بیٹھ گئی اور رات گئے اپنے غار میں چلی

آئی۔ لیکن اسے نیند نہ آئی۔ صبح ہی نرسنگھے کے پاس پہنچی۔ وہ چپ بیٹھا تھا۔ اس نے بن باسی دیوی کو دیکھ کر کہا "بن باسی دیوی صبر کر، ہمارے بڑوں کا یہی قانون ہے۔ میں ایک ہارا ہوا سپاہی ہوں میرے ہتھیار ٹوٹ گئے ہیں۔ میری گڑھی کھنڈر ہوگئی۔ میں ضرور مرجاؤں گا اور مجھے مرجانا چاہیئے۔ روحوں نے مجھ کو وہ بہت بڑا میدان دکھادیا ہے۔ جہاں بجاروں کے ریوڑ کے ریوڑ اور بارہ سنگھوں کی ڈاریں میری راہ دیکھ رہی ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتیں کہ میں وہاں چین سے شکار کھیلوں۔ اور بھوک کی تڑپ، سردی کی شدت برداشت نہ کرنی پڑے۔" بن باسی دیوی نرسنگھے کی باتیں سن سن کر برابر روبا کی۔ اس کے ہر سانس سے قبیلے والوں کی تذلیل اور ہر آنسو سے بزرگوں کے بیرحمانہ قانون کی مذمت کے جذبات ٹپک رہے تھے۔

مرنے والا اس حالت میں کب تک جیتا۔ مقررہ وقت سے پہلے ہی وہ مرچکا تھا۔ دونوں قبیلے والوں نے جنازہ کی رسمیں ادا کرنے کے لیے ماتمی لباس پہنے اور جلوس بناکر میت کے پاس پہنچے۔ یہ دیکھنے کی انھیں ضرورت نہ تھی کہ وہ واقعی مرگیا ہے یا کچھ دم باقی ہے رسمیات کا تقضا تھا کہ وہ مرے نہ مرے تو بھی مرا ہوا سمجھ لیں اور دستور کے مطابق جو کرنا ہے کریں۔ نرسنگھا ہاتھ پاؤں پھیلائے لمبا لمبا پڑا تھا۔ جسم میں زندگی کی کوئی علامت تھی نہ تھی انھوں نے اپنی کارروائی شروع کی۔ بدن پر لال مٹی ملی۔ ہتھیار، پتھروں کے ہار، ہڈیوں کی مالائیں اس کے پہلو میں رکھیں۔ جن کو اپنے ساتھ ایک سردار کی

نشانی کے طور پر لے جانا چاہیئے۔ پھر اس کو کھالوں میں لپیٹا اور بانس میں لٹکا کر منہ بسورتے اور آہستہ آہستہ کوئی منتر پڑھتے یا موت کے گیت گاتے ایک ایسے مقام پر لے گئے جو دامن کوہ میں سب سے الگ تھلگ تھا اور جہاں انھوں نے پہلے سے اس کے لئے قبر کھود رکھی تھی۔

نرنگھے جیسے سخت جان اور روحوں سے لڑنے والے پرانے سپاہی کے دفن میں دیر لگانے کا کیا کام تھا؟ اگر اصل میں وہ مرا نہیں صرف کسی بد روح نے اس کا دل بھینچ رکھا ہو۔ یا کوئی قبیلہ کا دشمن بھوت اس میں سما جائے تو کیا کریں۔ اس لئے انھوں نے فوراً اسے قبر میں اتار دیا۔ ماتم کرنے کے لئے بھی دم نہ لیا۔ گریہ وزاری کرتے جاتے اور میت کو دباتے جاتے۔ پہلے کچھ مٹی ڈالی۔ پھر چوڑے چوڑے پتھر رکھے سر ابھی کھلا ہوا تھا۔ یہ ان کی رسم تھی شاید دیکھتے رہتے ہوں گے کہ کوئی روح تو مردے میں حلول نہیں کر رہی۔ جب قبر سب طرف سے بھر دی گئی اور غالباً انھیں یقین ہوگیا کہ اب اگر مردہ جی بھی اٹھا تو ہل کر کہیں جا نہیں سکتا تو انھوں نے قبر کے گرد ایک چکر لگایا۔ چکر لگاتے ہی گروکھا سنا یہ اشارہ تھا کہ ٹھوپ دو۔ گرو کے کھانستے ہی اس سوراخ کو بھی بند کر دیا۔ جس میں سے نرنگھے کا منہ دکھائی دیتا تھا۔ خوب ٹھونک ٹھونک کر مٹی بھری۔ قبر کو بڑی احتیاط کے ساتھ ہموار کیا اور سرہانے کی طرف ایک بڑا پتھر کھڑا کر کے جگہ کا نشان بنا دیا۔

دفن سے فراغت پا کر ہنسیا اور مرگ آسنی دونوں قبیلوں کے بہادر اپنے غار پر آئے۔ وہاں عورتوں نے الاؤ لگا رکھے تھے۔ گوشت بھن رہا تھا۔ گویا حاضری کی تیاری تھی۔ سب آگ کے گرد ہو بیٹھے اور اپنی پیٹوں

کو جانوروں کا قبرستان بنانے لگے۔ سب نرسنگھے کو بھلا دینا چاہیئے تھے
شکتی بھی دوسروں کے ساتھ باپ کو بھلا دیتے ہیں جو برابر کا شریک تھا۔
مفید اور بکار آمد آدمی کو یاد کیا جاتا ہے نہ کہ ہارے ہوئے جسم کو کسی نے
خوب کہا ہے۔

سینگ ہلے، گھر گھسے، کندھا بوجھ نہ لے
ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھس دے

ہاں بن باسی دیوی ایک عورت غیر قبیلے کی جس کا نرسنگھے کے قبیلہ سے
ابھی پیوند لگا تھا ضرور اداس تھی۔

دھندلا چاند پہاڑوں کی چوٹیوں کے پیچھے سے جھانکا۔ دونوں قبیلے
والے سو رہے تھے بن باسی دیوی غار کے باہر ایک ٹیلے پر کھڑی تھی۔
اس نے خیال کیا کہ وہ ایک نئی قسم کی لہر زمین سے آسمان کی طرف اٹھتی
دیکھ رہی ہے۔ کیا یہ نرسنگھے کی روح ہے؟ جہاں ہمارے آباؤ اجداد رہتے
ہیں وہاں جائے گی۔ وہ ملک ہمیشہ آباد۔ اس کے جنگل سدا بہار۔ اچھا
بہادر نرسنگھے سدھارو۔ یہاں تم بوڑھے ہو گئے تھے۔ وہاں پھر جوان ہو
جاؤ گے اور پھر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔

بھیڑیے

ٹھیٹ برف پڑنے کا زمانہ تھا۔ پہاڑ سفید دکھائی دیتے تھے اوپر
سے نیچے تک چوٹیاں، گھاٹیاں، میدان یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے
چاندی کے ورق چڑھا دئے ہیں۔ اب کے سردی کچھ اس شدت کی پڑی

تھی کہ دھنکی ہوئی روئی کے پہل جم گئے تھے۔ قدموں کی گرمی سے پگھلنا کیسا جہاں ذرا پتلی تہ ہوتی پیروں کے نیچے آکر شیشے کی طرح چٹختی۔ کہرے سے ڈھکے ہوئے میدانوں پر آسمان ایسا صاف شفاف جیسے سیپ خلا اس قدر خاموش کہ ذرا سا شور ہوتا اور گونج اٹھتا۔ کووں کی کائیں کائیں اور چڑیوں کے چہچہے بھی دور دور تک سنائی دیتے تھے۔

پہاڑی باشندوں کے لئے دن نہایت خوشگوار تھا۔ ایسی سردی ہو نی نہیں ہوتی۔ شکاری بالوں والی موٹی موٹی کھالوں میں لپٹے جانوروں کے پھانسنے کے لئے اپنے لگائے ہوئے جالوں اور پھندوں کو دیکھنے جارہے تھے۔ شکتی پیروں میں کھال کے موزے چڑھائے۔ برچھا ہاتھ میں ادھر ادھر نظروں کی کمند پھینکتا چلا جاتا تھا۔ مرگ آسنی قبیلے والوں سے ہیٹیا والوں نے بھی موزے بنانے سیکھ لئے تھے جب وہ دو جھاڑیوں کے درمیان اپنے پھیلائے ہوئے جال پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک گلا کٹا ہوا خرگوش پاس ہی درخت کی شاخ میں لٹک رہا ہے جو جال کے پھندے میں پھانسی لگ کر مرگیا تھا۔ اس نے شاخ کو جھکا کر خرگوش کو نکالا اور پھندہ دوبارہ لگا دیا۔ جال کے پھندے کو درخت کی شاخ سے کیا واسطہ؟ سچ ہے جاہل ہوں یا سمجھدار اپنے اپنے کاموں میں سب ہوشیار ہوتے ہیں۔ پھندا ہوتا تو دراصل زمین پر تھا۔ لیکن اس کی ایک ڈوری کسی اونچی شاخ سے باندھ دیا کرتے تھے۔ تاکہ اگر کوئی خرگوش جیسا چھوٹا جانور اس میں پھنس جائے تو سارا جال خراب نہ ہو۔ جہاں وہ تڑپا شاخ اوپر کو اٹھ گئی اور جانور لٹک گیا۔

ایک اسی قسم کا جال لگانا وہ نہیں جانتے تھے۔ بلکہ جہاں جیسے پھندے

مناسب ہوتے لگاتے۔ خاص خاص جانوروں کے لیے اور قسم کے جال ہوتے خصوصاً بجاروں، بارہ سنگھوں اور ہرنوں کے پھانسنے کو جو قبیلہ... والوں کی سب سے زیادہ مرغوب غذا تھی اور طرح کے پھندے لگاتے بڑے جانوروں کے پھندوں میں لکڑی کے بڑے بڑے سڈول ٹکڑے باندھتے جن کو بلیاں کہنا چاہیئے۔ بھاری بھاری پتھر تانت میں جکڑے ہوئے لٹکتے رہتے یہ بلی دو درختوں کے بیچ میں آویزاں ہوتی اسے شاخوں میں کچھ اس ترکیب سے پھنساتے کہ ادھر جانور نیچے والے پھندے میں پھنس کر نکلنے کی کوشش میں تڑپا۔ ادھر اوپر سے بلی گری بلی سیدھی شکار پر گرتی اور اس کی کمر توڑ دیتی۔ کبھی ایک بھالا بھی بلی میں لگا دیا جاتا جس سے وہ چھد کر رہ جاتا۔

ان کے علاوہ گڑھوں کے اوپر بھی پھندے لگائے جاتے جن کے اندر نوک دار چھید ڈالنے والے ہتھیار کھڑے کر دیتے موٹے تازے درندے یا گزندے جو آتے شاخوں کی ہلکی تہ پر ٹھوکر کھاتے وہ لچک کر نیچے کو ہوتیں یہ اندر جا پڑتے اور زخمی ہو کر مر جاتے۔ الغرض شکار کی نوعیت اور جانوروں کے لحاظ سے قسم قسم کے پھندے ایجاد کرتے تھے۔ ان کی باقاعدہ نگرانی کی جاتی تھی کیونکہ بھیڑیوں وغیرہ کے شکار ہضم کر جانے کا اندیشہ لگا رہتا۔ چنانچہ آج بھی ایسا ہی کچھ ہوا تھا۔ جس پھندے کو دیکھا خالی۔ جال اجڑے ہوئے کہیں کچھ تھا بھی تو پس خوردہ۔ دوسروں کا کھایا ہوا۔

اسی اثنا میں نکستی کو ایک دوسرا شکاری ملا۔ وہ بھی اسی کی طرح پریشان اور مایوس تھا۔

شکتی "شکار کی کچھ خبر سناؤ۔"
شکاری "بری خبر ہے۔ ایسا اچھا موسم اور شکار ندارد۔"
شکتی "کوئی مرا ہوا خرگوش بھی نہیں ملا؟"
شکاری "نہ مرا نہ جیتا۔ تم اپنی کہو۔ پھندے لگانے میں استاد ہو۔"
شکتی "استادی کیا کرے۔ وقت ہی موافق نہیں۔ جال خالی پڑے ہیں۔
ایک پھندے میں چھوٹا سا خرگوش تو مرا ہوا ملا۔ باقی جہاں دیکھے
ہرنوں کے اترے ہوئے سینگ ہی پڑے دیکھے۔"
شکاری "یہ کیا بات ہے؟ کوئی دشمن نہ لگ گیا ہو؟"
شکتی سوچ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ اتنے میں بغل کی جھاڑی کے
پیچھے سے آواز آئی "نوجوانو! تم سمجھتے نہیں میں بتاتا ہوں۔"
شکتی "(مڑکر) کون؟ تیندوے تم ہو؟"
تیندوا بن باسی (ہوی) کے قبیلے کا ایک بوڑھا شکاری تھا۔"
شکاری "کیا تمہارے لگائے ہوئے پھندے بھی خالی رہے؟"
تیندوا "میں نے کوئی پھندا نہیں لگایا تھا۔"
شکتی "پھر جنگل میں کیا کرتے پھرتے ہو؟"
تیندوا "یہ موسم ہرنوں کے سینگ جھاڑنے کا ہوتا ہے اور سینگ کیا تم
نہیں جانتے کہ کتنے کارآمد ہوتے ہیں؟ میں انھیں کو اکٹھا کرتا پھر
ہوں۔"
شکتی "اس صورت میں تو تم ہم سب سے ہوشیار رہے۔"
اس کے بعد تینوں باتیں کرتے ہوئے اپنے غار کی طرف چلے۔
تیندوے کی کمر پر سینگوں کی گٹھری تھی۔ شکتی کے ہاتھ میں مرا ہوا خرگوش

خالی ہاتھ ہونے سے بہرحال بہتر تھا۔ تیسرے صاحب البتہ ڈنڈے ہلاتے جا رہے تھے اور دل میں بہت خفا کہ میں ہینار رہا۔ کوئی پہاڑی چوہا بھی نہ ملا۔"

چند روز یہی کیفیت رہی۔ جال بچھاتے، پھندے لگاتے گرہمکار بغیر کسی ظاہری سبب کے شکار ہاتھ نہ آیا۔ ساری دوڑ دھوپ خالی گئی۔ ہاں موسم بڑا اچھا رہا۔ شکار اگر نہیں ہوا تو کوئی ناگوار واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔ پہاڑوں میں جو عموماً برف، سرد ہواؤں اور بارش کے طوفان آجایا کرتے ہیں اس دفعہ بالکل نہیں آئے۔ البتہ آسمان پر کبھی کبھی بادلوں کے غیر متحرک ٹکڑے ضرور دکھائی دیتے اور یہ موسم کی تبدیلی کا اشارہ ہوتا۔ شکاری بالکل خاموش غاروں کے باہر بیٹھے ان کو تکا کرتے وہ ان جانوروں کا خیال کرتے رہتے۔ جن کے پکڑنے کی امید تھی اور ہاتھ نہیں آتے تھے۔ جاڑے میں ہر شکاری کو اپنی محنت کا صلہ مل جایا کرتا تھا۔ کیونکہ برف باری کے دنوں میں سمور والے جانور بارہ سنگھے بھورے بھیڑئیے بڑے ریچھ اور پہاڑی چھوٹے جانوروں کو بھی قدرت بڑے بڑے بالوں کی پوشاکیں عنایت کر دیتی ہے۔ ایسے موسم کی کھالیں نہایت خوشنما۔ گرم اور چمکیلی ہوتی ہیں۔ گویا سردیوں کے پکڑے ہوئے جانور خوراک کے ساتھ ساتھ پوشش کا سامان بھی مہیا کر دیتے تھے۔

بدقسمتی سے شکار کے معاملہ میں ارواح ناراض معلوم ہوتی تھیں ورنہ سارا جاڑا نکل جائے۔ موسم بھی اچھا رہے اور کوئی شکار نہ ملے۔ مہیتیا والا کو روحوں کی خوشنودی کے لئے کوئی تدبیر کرنی چاہیئے۔ منتر پڑھیں بھینٹ

چڑھائیں۔ مگر وہ بیٹھا ہوا کیا کرتا ہے؟ اس کے ہونے کا کیا فائدہ؟ ہمارے قبیلے والے اسی فکر میں تھے کہ ایک نئی بات اور ہوئی۔ کوئی چیز درختوں میں سے سائے کی طرح گزرتی ہوئی نظر آئی۔ پھر ایک دوسری پرچھائیں سی دکھائی دی۔ اس کے بعد تیسری اور چوتھی۔ ان ڈراؤنی علامتوں نے دلوں کو حواس باختہ کر دیا۔ بھیڑئیے بھی بھوکے تھے اور بھوک کے وقت وہ حد سے زیادہ غضبناک ہو جاتے ہیں۔ برفانی موسم ان کی بادشاہت کا زمانہ ہوتا ہے۔ ٹھٹھرانے والی سردی میں ان کا کون مقابلہ کرے۔ غول کے غول اِدھر اُدھر پھرتے۔ جہاں گھوڑوں کے گلّے بارہ سنگھوں اور ہرنوں کی ڈاریں دکھائی دیتیں۔ جا پڑتے اور تکا بوٹی کر ڈالتے۔ ان میں سے جب کوئی شکار کی بو پا لیتا ایک عجیب آواز سے چیختا اور جھانبا کر شکار کھیلتے۔

یہ بھی ان دنوں میں زمین کے گوشہ گوشہ سے نکل نکل کر جمع ہو جاتے اور چھپ چھپ کر شکار کرتے۔ ایک مرتبہ ان کی ناک میں کسی جانور کی بو پہنچ جانی شرط تھی۔ پھر ان سے بچ جانا کیا معنی۔ سرخ بھیڑئیے بھورے بھیڑئیے بھی کہیں زیادہ خونخوار ہوتے تھے۔ وہ ریچھ تو ایک طرف شیروں پر بھی حملہ کر دینے میں نہیں جھجکتے۔ لیکن خدا کی قدرت یہ سرخ بھیڑئیے اول تو کمیاب تھے اور تھے بھی تو ان کے بچپن غول کبھی جگہ ٹک کر نہیں ٹھہرتے تھے۔ آج یہاں کل وہاں قبیلے والے جتنا سردیوں میں ان ظالم بھیڑیوں سے ڈرتے اور کسی بڑے سے بڑے جانور سے بھی اتنا نہ دبکتے۔ بھوک میں یہ شیروں اور چیتوں کے بھی چچا ثابت ہوتے۔ ایکدم فاقوں کے بعد تیروں کی بوچھاڑ اور برچھیوں کے واروں میں بلاؤں کی

طرح بے دھڑک چلے آتے ۔

تنکتی نے بھی دوسرے قبیلے والوں کے ساتھ درختوں میں چلتی پھرتی
پرچھائیاں دیکھیں۔ سردار تھا۔ قبیلے کی نگرانی اس کے فرائض میں داخل
تھی۔ اٹھ کر ان پرچھائیوں کی طرف چلا۔ مرگ آسنی قبیلہ کا ایک نوجوان
بھی پیچھے ہو لیا۔ لمبے لمبے نیزے دونوں کے ہاتھوں میں تھے درختوں
کے پاس پہنچ کر اس نے اپنا خالی ہاتھ پھیلایا اور اپنے ساتھی کو اشارے
سے دکھا کر قدم روکے آہستہ آہستہ کوئی منتر پڑھا پھر دونوں پیچھے ہٹ کر
ایک طرف مڑے۔ یہ بھیڑیوں کی گھات میں تھے اور بھیڑئے ان کی ۔۔۔۔
پرچھائیاں دیکھ کر تنکتی سمجھا تھا کہ ایک نہیں دو نہیں زیادہ سے زیادہ
تین ہوں گے۔ لیکن اس کا گمان غلط نکلا۔ آباؤ اجداد جنگل کا باشندہ
ہونے کے باوجود وہ بھیڑیوں کی عادت بھول گیا۔ اس کے ساتھی نے
بھی نہ جتایا کہ بھیڑئے کبھی اکیلے نہیں ہوتے۔ پھرتے ایک ایک کر کے
ہیں اور ہوتا ان کا غول ہے۔ ایک آواز لگائی اور ساری برادری
اکٹھی ہو گئی۔

اس وقت کتنے بھیڑئے تھے؟ اللہ ہی جانے۔ دو سے چار چار
سے آٹھ ہوتے ہوتے منٹوں میں اتنے ہو گئے کہ تنکتی اور اس کے
ساتھی دونوں گن نہ سکے۔ وہ درختوں کی آڑ لیتے چپ چاپ پھر رہے
تھے۔ کوئی کوئی ان میں سے ان بہادر شکاریوں کی طرف بھی منھ
اٹھا کر دیکھ لیتا۔ تنکتی کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

تنکتی: "یار! برے پھنسے۔ ان کی یہ خاموش چہل قدمی خطرناک ہے
کوئی دم میں ان کی چیخ پکار کی آوازیں سن لینا اور پھر خیر نہیں۔"

ساکھی: "مگر نوجوان سردار! تم کیا سمجھ کر یہاں آئے؟"
شکتی: "چوک ہو گئی۔ جانتے بوجھتے مجھے یہ خیال رہا کہ ایک دو ہوں گے چل کر مار لو۔ قبیلے والوں کی دہشت کو دور کرنا بھی ضروری تھا۔"
ساکھی: "افسوس۔"
شکتی: (شانے ہلا کر) اوکھلی میں سر دیا تو موسلی کے دھمکوں سے کیا ڈرنا"
ساکھی: "تمہارا باپ نرسنگھا کہا کرتا تھا کہ "بھیڑیا ایک تو چاہے بلم مار، یا تیر پھینک، بھیڑیئے دو، ڈھونڈ اپنی کھو، بھیڑیے تین، لیں گے جنگل چھین"۔"
شکتی: "پھر اب کیا کرنا۔ یہ تو سینکڑوں کا غول ہے۔"
ساکھی: "بچ کر نکل چلو۔"

دونوں نے قدم بڑھائے اور کتراتے ہوئے اپنے غار کی طرف چلے بھیڑیے دور تھے۔ لیکن انھیں ہر دم یہ خوف تھا کہ کہیں وہ جھپٹ نہ پڑیں غار دور میدان کھلا ہوا۔ اگر بھیڑیے چاہتے تو چار جستوں میں آ پہنچتے گھبرا کر انھوں نے اپنی سیٹیاں نکالیں اور زور زور سے بجانی شروع کیں تاکہ قبیلے والوں کو خطرے کی اطلاع ہو جائے۔ سیٹی کی آوازوں نے بجائے قبیلے کے شکاریوں کو خبر دینے کے بھیڑیوں کے کان کھڑے کر دیئے۔ یا تو وہ خاموش چلے آ رہے تھے یا اب انھوں نے تیور بدل کر بھوکی نظریں اپنے شکار پر ڈالیں اور مختلف آوازیں نکالتے ہوئے جھپٹے۔ برف کے ٹکڑوں کے ٹکرانے کی آوازیں آنے لگیں۔

بھیڑیوں کا لشکر قریب آ پہنچا تو شکتی اور اس کے ساتھی نے اپنی جان بچانے کے لئے تیر چلانے شروع کئے۔ اتنے بڑے غول پر دو

تیر اندازوں کے تیر کیا کام دیتے۔ وہ تیر کھاتے بڑھے چلے آتے تھے۔
کہ ایک بھیڑیا کئی تیر کھا کر گرا۔ بھیڑیے نجانے کب کے بھوکے تھے چاروں
طرف سے اس زخمی بھیڑیے پر آ گرے اور اسے چیرنے پھاڑنے لگے
اور ایسے چلائے کہ جدھر نگاہ جاتی تھی بھیڑئے ہی بھیڑئے آتے
دکھائی دیتے تھے۔ تھوڑی دیر میں سارا میدان ان وحشی درندوں
سے بھر گیا۔ لیکن اتنی دیر میں شکتی اور اس کے ساتھی کو ایک چھوٹے
سے ٹیکرے پر چڑھنے کی مہلت مل گئی۔ پہاڑی پر چڑھ کر شکتی نے
آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ بادل چھا رہے ہیں طوفان آنے
والا ہے دونوں کی صلاح ہوئی کہ کسی اونچے درخت پر چڑھ جانا چاہئے
بھیڑیوں نے دیکھ لیا تو جان بچنی مشکل ہے۔ دونوں ایک مضبوط درخت
پر چڑھ گئے روحوں سے اپنی حفاظت کی دعا مانگی اور شکتی نے پھر ہمت
کر کے اپنی پوری طاقت سے سیٹی بجائی۔

بھیڑئے اپنے ساتھی زخمی بھیڑئے کی تکا بوٹی کر چکے تھے ان
کی نگاہیں شکتی اور دوسرے شکاری کو ڈھونڈھ رہی تھیں۔ انھوں نے
پہاڑی پر سے سیٹی کی آواز آتی ہوئی سنی وہ پہاڑی پر حملہ بولنے ہی والے
تھے کہ شکتی کی سیٹی کے جواب میں یکے بعد دیگرے کئی سیٹیوں کی آوازیں
آئیں اور ساتھ ہی کچھ آدمی آتے ہوئے دکھائی دئے۔ شکاریوں کی
جان میں جان آئی۔ ادھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ پہاڑی کے دامن کی گھنی
جھاڑیوں میں سے یکایک ایک بارہ سنگھا چھلانگ مار کر نکلا۔ شکتی کے
اوسانوں کا کیا کہنا اس نے درخت سے کود اوپر تلے دو تین تیر لگائے
اتفاق کی بات وہ سرے ہی تیر میں بارہ سنگھا لوٹ پوٹ ہو گیا۔ بارہ

ٹھکے کے گرتے ہی بھیڑیوں کا رخ بدل گیا پہاڑی کی طرف آتے آتے بارہ سنگھے پر جا گرے۔

ٹنکنی اور اس کا ساتھی اب تقریباً امن میں تھے۔ دونوں پھر کھا کر دوسری طرف سے اتر مدد کو آنے والے اپنے قبیلے کے شکاریوں میں جا ملے اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ بھیڑیوں کی آوازیں آئی تبدریج کم ہونی شروع ہوئیں۔ طوفان بھی ٹل گیا تھا۔ بادلوں کے ہٹنے سے آسمان پر چاند بھی دکھائی دینے لگا اور دور سے اپنا غار بھی نظر آیا وہ بہت خوش ہوئے کہ روحوں نے بڑی کرپا کی، موت سے بال بال بچایا اور دھڑکتے ہوئے دل سے سورج بھگوان کے جانشین چندرماں کا شکریہ ادا کیا کہ ایسے کٹھن وقت میں اپنے بچاریوں کو بھولا نہیں۔ اپنی جوت میں لے کر صحیح و سالم گھر پہنچا دیا۔

برف کے قیدی

اس وقت گو ٹنکنی اور دوسرے شکاریوں کے نصیب سے طوفان ٹل گیا اور یہ سب اپنے غار میں آگئے نہ کسی کی انگلی دکھی نہ نکسیر پھوٹی لیکن آدھی رات کو پھر ابر نے آسمان کو گھیر لیا۔ ہوا کے جھکڑ چلے برف کا کارخانہ اوپر سے نیچے اتر آیا۔ طوفان سا طوفان۔ روحوں نے بھی پناہ مانگی۔ تین رات اور تین دن لگاتار نہ بارش تھمی نہ آندھی نے دم لیا۔ سارے شکاری غار میں بند۔ پہاڑوں پر شور اور گھاٹیوں میں ہواؤں کا وہ غل تھا کہ الاماں۔ برف سے چپہ بھر زمین نہیں بچی تھی۔ پتھر سفید

درخت سفید، زمین سفید۔ چشمے جمے ہوئے۔ ندی نیچے سے بہتی ہوئی تو بہتی ہو اوپر سے تو پانی کی لہریں تک جمی کی جمی رہ گئی تھیں بھالو کھبٹ سے جل وادی تک آنا جانا تک دشوار تھا۔ سارے راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے اور برف بھی قدآدم تودے کے تودے۔

غاروں میں نسبتاً امن تھا۔ ایندھن کا ذخیرہ کافی۔ الاؤ لگے ہوئے۔ عورتیں اپنا دھندا کرتیں۔ مرد شکار کے آلات درست کرتے اور بچے آگ کے گرد کھیلتے۔ گرو ایک کونے میں بیٹھا منتر جپتا رہا۔ یا آئندہ کے لیے پیشین گوئیوں کے منصوبے گانٹھا کرتا۔ موسموں کی آمد برآمد کے وقت جو خانہ بدوش قبیلہ رات کی رات جل وادی میں ٹھہرا تھا اور اس کے گرو کی اگیابتیاں سے ملاقات ہوئی تھی۔ یاد ہوگا۔ اس نے اپنی بڑائی جتانے کے لیے آئندہ کے متعلق چند ایسی باتیں بتائیں تھیں جن کا اگیابتیا کو خوف لگا ہوا تھا۔ اول اول تو کچھ خیال نہیں کیا۔ لیکن جوں جوں اس کا کہنا ہوتا جاتا اس کی جان پر بنتی جاتی۔ اس نے کہا تھا کہ اس مرتبہ سردی سخت پڑے گی۔ سردی پڑی اور ایسی پڑی کہ جو جہاں تھا جم کر رہ گیا اسکی پیشین گوئی تھی کہ ان دنوں میں جو یہاں رہے گا پریشان ہوگا پریشانی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ بھیڑیوں سے بمشکل جان بچی۔ غار میں قیدی بنے بند ہیں۔ نہ سیر نہ شکار۔ نہ تازہ گوشت نہ بہتا ہوا پانی۔ اب تیسری بات جو اس نے جتائی تھی کہ بھوکی روحیں سب کو ہڑپ کر جائیں گی۔ اس کے جانچنے کا وقت البتہ ابھی نہیں آیا تھا۔ کیا وہ موسم بہار کے آنے سے پہلے ہی بھوکے مر جائیں گے؟

اگرچہ بھالو کھبٹ والوں کے پاس الاؤ کے لئے ایندھن بھالو

میں پانی خشک اور بھنا ہوا گوشت برف میں دبا ہوا کافی مقدار میں موجود تھا اور وہ انہی چیزوں کے سہارے کسی خاص تکلیف کے بغیر گزار کر رہے تھے۔ لیکن تا بہ کے؟ موسم کے ٹھکانے پر آنے کے ابھی کوئی آثار نہ تھے اور کھانے کو چاہیئے دونوں وقت روز بروز یہ فکر بڑھتی جاتی تھی کہ جب ذخیرہ ختم ہو جائے گا تو کیا کریں گے؟ سب سے زیادہ شکتی اس آنے والی مصیبت پر غور کیا کرتا۔ سردار بننا آسان نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں سردار بہ سردار، سچ ہے دوسروں کی بلائیں اپنے سر لو تو سردار بنو۔ قبیلے کی اچھائی برائی کا یہی ذمہ دار تھا۔ اور اب تو ایک چھوڑ دو دو قبیلوں کے بوجھ اس کے کندھوں پر تھے وہ پڑا تو رہتا۔ بھٹ میں مگر اس کا دل جنگلوں میں اچھے موسم کو تلاش کرتا پھرتا

آخر شکتی نے بھی بہت سے موسم گزارے تھے۔ نرم گرم دونوں اپنے باپ کی سرداری کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ ایک سردار کو اپنے قبیلے والوں کے اطمینان کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟ اسے سب خبر تھی مانا کہ اس وقت تک بھالو بھٹ میں کسی کو فاقہ نہیں کرنا پڑا، بے پیٹ بھرے عورت مرد بوڑھا بالا کوئی نہیں سویا۔ لیکن برا وقت کہہ کر نہیں آیا کرتا۔ بلکہ یہاں تو برے وقت کے آثار موجود تھے۔ موسم سدھرنے پر آتا ہی نہ تھا اس کا یہ اندیشہ کہ اگر زیادہ عرصہ اسی طرح غار میں بند رہنا پڑا تو کیا کھائیں گے۔ کسی بزدلی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

قومی دستور کے مطابق شکتی غار میں خالی نہ بیٹھتا۔ ہتھیار بناتا۔ پتھر کے چوڑے ٹکڑوں یا ہڈیوں پر جانوروں کی شکلیں بناتا۔ قبیلے کے نشان کھودتا۔ ہاتھ پاؤں سے تو یہ کام لیتا اور دماغ سے آئندہ واقعات کے

روک تھام کی تدبیریں سوچا کرتا۔ ایک روز وہ اسی انتشار میں بیٹھا ہاتھ چلا رہا تھا۔ سامنے بن باسی دیوی تیر بنا رہی تھی اسے لکڑی کے تیروں میں چقماق جڑنے خوب آتے تھے وہ سوفار کچھ اس طرح لگاتی کہ جس کے لگتے ہی گوشت پھٹ جاتا تیروں میں چقماق لگانے کے علاوہ برف پر چلنے کے لئے موزے اور کھالوں کے لباس میں اس کو خاص دخل تھا۔ کام کرتے کرتے کبھی کبھی دونوں کی نظریں اٹھ جاتیں۔ ایک دوسرے کو دیکھتا اور پھر اپنا دھندا کرنے لگتا یکایک شکتی کا ہاتھ سست پڑا بن باسی دیوی نے کیا آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہہ دیا؟ اس وحشی زمانہ میں عورت مرد کے تعلقات کی یہ ادائیں نہ تھیں۔ بن باسی دیوی کی صورت نے دراصل شکتی کو اس وقت غار سے نکال کر کسی دوسری دنیا میں پہنچا دیا تھا روحوں کے تصرفات اور شگون کے اسرار پر بحث تھی گزشتہ واقعات اور جن حالات میں وہ ظاہر ہوئے تھے ایک ایک کر کے سامنے آتے اور چلے جاتے۔ اس کا ذہن اس کشمکش میں تھا کہ آیا ان کی کرنے والی بد روح ہے یا نیک روح باپ دادا سے تو اس نے یہ بات سنی تھی کہ دونوں قسم کی روحیں اپنے اپنے کام میں ہر وقت مستعد رہتی ہیں، اور جب کسی فعل کے واقع ہونے میں دیر ہوتی ہے تو صرف ان دونوں قسم کی روحوں میں جھگڑے کے باعث۔ لیکن اس کا اپنا ایمان یہ تھا۔ اس کے اپنے تصورات کچھ اور تھے جن کو وہ ظاہر کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ قبیلے والوں کو بھڑکا دیتا اور قبیلے والے اسکی اپچ سے بگڑ جاتے۔

قبیلے والے غار میں پڑے ہوئے بیٹھے رہنے کے سارے

کام تو کئے جاتے مگر ان کے دل ٹھکانے نہ تھے ہر وقت قحط کا سا لنا لگا ہوا تھا اور ان کی نگاہیں کسی وقت ننکتی کے احوال سے نہ چوکتیں وہ برابر کہتے رہتے تھے " سردار کو کیا ہو گیا ہے عورتوں کی طرح غار میں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ۔ طوفان کے ٹالنے کی کیوں کوئی تدبیر نہیں کرتا موسم ٹھیک ہوئے بغیر شکار اچھا نہیں ہو سکتا۔ یہ طعن وطنز کی باتیں سن سن کر ننکتی کا کلیجہ پک گیا تھا وہ اٹھا غار سے نکلا اور چپ چپاتے ایک تنگ راستے سے گزرتا ہوا بھالو بھٹ کی پشت پر چوڑے درے میں آیا یہ جگہ طوفان کی روحوں کا تھان مانی جاتی تھی گروکی نسبت اس کے خیالات کچھ واہی تباہی سے ہو گئے تھے۔ مگر جدی معتقدات کو کیا کرے اکیلے ہی جنتر منتر کرنے چاہے پہلے اس نے چٹان کا مرکب ملا۔ پھر منتر جنتر جپتے ہوئے بجار گھوڑے بارہ سنگھے اور ہرن کے خاکے بنائے دوسروں کی بنائی ہوئی تصویروں کو اجاگر کیا۔

غاروں میں قدرتی شگاف ہوتے جو جانوران میں چھپنے آتے نوک دار پتھروں سے رگڑ کھا کر زخمی ہو جاتے زیادہ تر یہ ہوتا کہ شکاری انھیں ان تنگ شگافوں میں دھکیل دیتے تاکہ آسانی کے ساتھ انھیں پکڑ سکیں اس طرح ان کے کندھے اور پیٹ بری طرح چھلتے یہ اپنے نیزے چبھو چبھو کر اور گہرا کرتے تاکہ خون بہنے لگے بعض اوقات خون اس قدر بہتا کہ پہاڑ کی درزوں میں زندہ خون کا چشمہ سا جاری ہو جاتا اس خون سے وہ چٹانوں پر طرح طرح کے نقشے بناتے یہ ان کا بڑا ہوا نبتر تھا ؎

شکتی کا جادو

تین روز تک قبیلے والے غار میں بالکل بند رہے چوتھے دن طوفان ہوا۔ برف کھود کھود کر راستہ بنایا اور لوگ باہر نکلے۔ زمین پہچانی نہیں جاتی تھی۔ ہر طرف برف کے تودے کے تودے لگے ہوئے تھے درختوں پر پالا پڑا ہوا تھا۔ پھل، پھول، پتے سب ندارد۔ لیکن فضا صاف تھی بادلوں میں سے نیلا نیلا آسمان نظر آتا تھا۔ شکتی کو سب سے پہلے اس بانس کی سلامتی کا فکر ہوا۔ جس پر ان کی مشکل کشا مورت لٹکی ہوئی تھی وہ کہیں دکھائی نہیں دی بھاگا بھاگا قریب گیا تو معلوم ہوا کہ بانس مورتی اور اس کے سارے لوازمات کہیں گئے نہیں سب موجود ہیں البتہ آندھی اور برف نے انھیں دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا ہے شکتی نے اطمینان کا سانس لیا اور بانس کو کھڑا کر کے مورتی کی درستی کر دی۔

گوشت جو درختوں کی شاخوں پر سکھلانے کی غرض سے ٹانگ رکھا تھا۔ اس میں بھی کوئی خرابی نہیں آئی تھی برف نے چور جانوروں سے اس کے پارچے بھی بچالئے تھے شکاریوں نے ان پر سے برف جھاڑ جھاڑ کر سنگوانا شروع کیا۔ اب شکتی نے جل وادی کے دوسرے غاروں میں جو لوگ تھے ان کو جا کر دیکھنا تھا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ مرگ آسنی قبیلے والوں کے ایک جا ہو جانے کے بعد بھالو بھٹ میں سب کے گزارے کی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے آس پاس کے اور کئی چھوٹے موٹے غاروں پر قبضہ کر لیا گیا تھا اور طوفان کے دنوں میں جو جہاں تھے وہیں رہ گئے اتنی مہلت بھی نہیں ملی کہ ایک غار والا دوسرے

غار والے کی خبر لیتا ۔ چنانچہ اور سب تو گوشت سمیٹنے میں رہے ۔ شکتی پیروں پر کھال کے موٹے موٹے موزے چڑھا اس طرف چلا ۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی برف ہی برف دکھائی دیتی راستے بند تھے ۔ پھر کہیں برف نرم کہیں سخت پاؤں دھنستے یا ٹھوکریں لگتیں ۔ پگ ڈنڈیاں سجھائی نہیں دیتیں تھیں ۔ کئی مرتبہ گڑھوں میں جا پڑا اوپر سے برف آ رہی ۔ بڑی مشکل سے نکلا ۔ بہر حال جس غار تک پہنچنا تھا آخر پہنچ کر رہا ۔

مرگ آسنی اور ہیٹیا والے جو لوگ یہاں رہنے لگے تھے دیکھا غار کے باہر نکلے بیٹھے ہیں ۔ آثار سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بپتا پڑی ہے عام موسمی مصیبت کے علاوہ اگیا بتیال گروجی مہاراج کا بھی یہیں استھان تھا وہ الگ خاموش بسورتی شکل بنائے کھڑے تھے ۔ شکتی نے آگے بڑھ کر دیکھا تو گروجی کی پریشانی واجبی تھی ۔ اس کا مقدس بانس یا جھنڈا برف میں دبا پڑا تھا یہی نہیں بلکہ اس پر جو کھال کی بنی ہوئی مورتی تھی اسے بھیڑیوں نے چیر پھاڑ ڈالا تھا ۔ سارے شگون ہی بگڑ گئے تھے بد روحوں کے آنے جانے کی اب کون خبر دے گا ؟ سب نے سمجھ لیا کہ مصیبت ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے ۔ بلاؤں کے روکنے کی ڈھال ہی نہ رہے تو آنے والی آفتوں کو آنے سے کون روکے ۔ محافظ روحوں نے اپنا ہاتھ اٹھا لیا ۔ اب شکار ملنے کی کیا صورت رہی ۔ کیا عجب ہے کہ بے پناہ قحط شروع ہو جائے ۔ کوڑھ میں کھاج یہ ہوئی کہ شکاری تو طوفان کے مارے غار کے اندر دبکے رہے باہر بھیڑیوں نے جا بجا گوشت کے ذخیروں پر چھاپہ مارا ۔ ایک بوٹی تک درختوں پہ نہ چھوڑی ۔

شکتی پہلے تو اپنے ان ساتھیوں کی پریشانی سے متاثر ہوا ۔ مگر فوراً

ہی اس نے اپنی سرداری کا سا کھا دکھایا۔ ہمت اور جواں مردی سے کام لے کر سب کو اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا "جنگل میں رہ کر ایسے ڈرپوک میری سنو! اگر تمہارا جھنڈا گر پڑا، شگون بگڑ گیا تو کیا ہوا؟ میرا جھنڈا تمہارے اصلی غار بھالو بھٹ کا بانس تو سلامت ہے ہمارے قبیلے کا جدی نشان تو قائم رہا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ سچا شگون اسی سے لیا جائے گا اور وہ کتنا طاقت ور ہے۔ تمہیں فکر کس بات کی وہاں گوشت بہت ہے تم کبھی بھوکے نہیں مر سکتے۔ کیوں اپنا دل بھاری کرتے ہو۔ آؤ میرے ساتھ میدان میں چلو اور برف کے نیچے پھندوں میں شکار تلاش کرو میں جنتر منتر کر چکا ہوں کئی نئے منتر میں نے سیکھے ہیں۔ میں انھیں پڑھوں گا۔ طوفاں بھاگ گیا۔ اب ڈر کا ہے کا۔

جوان سردار طاقت ور اور لمبا تڑنگا۔ اس پر تحکمانہ لہجہ۔ تقریر مردانہ سننے والوں پہ جادو کا سا اثر ہوا۔ مردہ دلوں میں نئے سرے سے روح دوڑ گئی۔ ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھ گئیں سب نے شکتی کی جے بہادر سردار کی جے، کے نعرے لگائے اور خوش ہو گئے شکتی نے خاموشی کے ساتھ گرا ہوا بانس اور اس کی چھڑائی ہوئی مورت وہیں چھوڑی اور آگے آگے ہو لیا۔

دونوں قبیلوں کے دس بارہ جوان شکاری اس کے پیچھے پیچھے تھے برف سے بچنے کے لئے ٹخنوں تک موزے چڑھائے اور بھیڑیوں کے ڈر سے گروہ باندھے بھالے تانے چاروں طرف دیکھتے۔ بڑی مشکل سے چکر کاٹتے۔ راستہ بناتے پہلے پھندے کے پاس پہنچے وہ برف میں دبا ہوا اور خالی تھا۔ دوسرے پھندے میں برف بنا ہوا ایک ہرن ملا۔

خوش قسمتی سے بھیڑئے اور لومڑیاں وہاں تک پہنچی نہ تھیں یا برف نے
ان کی آنکھوں پہ پردہ ڈال دیا۔ جو کچھ بھی ہو شکتی خوش ہو گیا کہ اس کے
منتر کامیاب ہوئے اس کی بات خدا نے بنا دی۔ قبیلے والوں نے اسکو
بڑی عزت کے ساتھ دیکھا۔ ان کے نزدیک اب شکتی صرف سردار ہی نہیں
بلکہ گرو بھی تھا۔

جس طرح بد اقبالی کے دنوں میں ہر مصیبت دوسری مصیبت کو اپنے
ساتھ لگائے رہتی ہے اسی طرح اقبال جب آتا ہے بگڑی ہوئی باتیں
بننے لگتی ہیں۔ مردہ ہرن کو وہ پھندے سے نکال کر کھینچتے ہوئے واپس
جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک درے کے اندر سے دو ہرن چوکڑی بھرتے
ہوئے سامنے سے چلے۔ شکتی نے نظر پڑتے ہی اس پھرتی کے ساتھ
ایک پر برچھی پھینکی اور دوسرے پر اپنا ڈنڈا پھرا کے مارا کہ دونوں لوٹ
پوٹ ہو گئے ادھر قبیلے والوں نے پیچھے سے واہ واہ کا شور مچایا۔
ادھر اس نے لپک کر گرے ہوئے ہرنوں کو مارے ڈنڈوں کے ادھ
موا کر دیا۔ اور جلدی سے ان کی گردن کی رگیں کاٹ کر گرم گرم خون پی
گیا اس کے بعد دوسرے شکاریوں نے دونوں کے ٹکڑے کر کے اپنے
کندھوں پہ لادلئے۔

جوان سردار نے جن جذبات کے ماتحت قبیلے والوں کو مرد بنایا تھا
ان کے نونہال دور کئے تھے جو کچھ بھی ہوں اس وقت تو اس کی بن آئی
تھی ہر ایک کی آنکھوں کا تارا تھا جو اس نے کہا منٹوں میں ظہور میں آ گیا۔
شکاری جتنا اسے کندھوں پر بٹھاتے کم تھا۔ سب نے ایک جلوس
سا بنا ما۔ آگے آگے شکتی اور پیچھے پیچھے قبیلے والے شکار سے لدے

پھندے۔ گیت گاتے۔ ہو ہا کرتے چلے۔ جل وادی پہنچے تو ایک ہرن کا گوشت بھالو بھٹ والوں کے لئے بھیجا گیا۔ دوسرا یہاں کے لوگوں کو دیا۔ تقسیم بھی انصافانہ تھی۔ سب مطمئن تھے۔

گوشت کی تقسیم سے فرصت پاکر تشکتی گرو کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے جھنڈے کے بانس کو لئے اور مورت کے چیتھڑوں کو سمیٹے بجھتی ہوئی آگ کے سامنے مایوس بیٹھا ہے۔ تشکتی نے ادب سے کہا: "آگیا بیتال سر جھکائے کیوں بیٹھے ہو؟ رنج کی کوئی بات بھی! کیا تم نے مجھے منتر نہیں سکھائے؟ تمہاری ہی تعلیم سے تو میں ان بھیدوں سے واقف ہوا۔ تم گرو ہو۔ میں تمہارا چیلا ہوں۔ میں ہمیشہ تمہاری عزت کروں گا۔ رہی یہ بات کہ تمہارا جھنڈا برباد ہو گیا۔ میرا سلامت رہا۔ یا میرے منتر تمہارے منتروں کے مقابلہ میں بار آور ہوئے۔ اس کا تمہیں کیوں غم ہو۔ تم ہی نے تو محافظ روحوں کو میرے ساتھ کیا ہے۔ تم ہی نے ان کی تسخیر کے عمل مجھے سکھائے ہیں۔ تم بوڑھے گرو ہو، میں جوان چیلا۔ میرے دل کی طاقتیں... بڑھتی ہوئی اور تمہاری گھٹتی ہوئی۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ اب تم وہ پرانی باتیں بھی مجھے بتادو جو آج تک مجھ سے چھپائی ہیں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری آبرو میں کسی قسم کا فرق نہیں آئے گا۔

گرو نیچی نگاہ کئے نہایت مایوسی کے ساتھ بولا: "تشکتی! تم جو کہہ گئے کروں گا تم ہی ایک میرے چیلے ہو۔ لیکن سب سے پہلے میں تمہیں یہ بتادینا چاہتا ہوں بڑا بھید اسی کو سمجھو کہ روحیں مجھ سے ناخوش ہوگئی ہیں میں نے غضب یہ کیا کہ خانہ بدوش قبیلے کے گرو کے کہنے کو سچ نہ سمجھا وہ روحوں کا پیغام لایا تھا۔ میں اپنے جنتروں منتروں کے بھروسہ پر رہا اس

کی نہ مانی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری پیشین گوئیاں اکارت گئیں۔ روحوں نے انھیں الٹ دیا۔ نشکتی تم کو معلوم ہے کہ وہ پیغام کیا تھے؟ روحوں کی مرضی تھی کہ خزاں میں جانوروں کا پیچھا کریں۔ خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ جانا پڑے سورج بھگوان کی طاقت کمزور پڑ گئی ہے۔ تم اس کی جوت میں فرق دیکھتے ہو۔

نشکتی :۔ (گھبرا کر) مہاراج! سورج بھگوان کی طاقت کون چھین رہا ہے؟

گرو :۔ "اس کا آکاش پہ لانے والا۔ خیر یہ باتیں ابھی جانے دو میری سنو!"

نشکتی :۔ "(بے چینی سے بات کاٹ کر) لیکن گرو جی اس کا کوئی کارن بھی؟"

گرو :۔ "کارن کیا۔ دنیا نے اپنی سمجھ پہ بھروسہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اگلے وقتوں کے گرو جو بتا گئے ہیں انھیں نہیں مانتے۔ نحوستوں نے سب کو گھیر رکھا ہے نشکتی! یاد رکھو انسان بڑا ناٹ کھٹ ہونے والا ہے۔ اس وقت کے بعد لوگ سورج بھگوان تک پہنچنے کا راستہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے ان کے الاؤ کو دیکھنا چاہیں گے۔ اس سے پہلے کہ دوسرے بھگوان کے استھان کی ٹوہ لگائیں۔ اگر تم ان کے چرنوں میں پہنچ جاؤ تو بہت اچھا ہے میرا کہنا گرہ میں باندھ لو۔ تمہارے راستہ میں خواہ کیسی مشکلیں ہوں۔ موجیں مارتے ہوئے دریا ایسے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ کھڑے دکھائی دیں۔ ہمت نہ ہارنا اور ایک گرو کے سچے چیلے ہو تو روحوں کی چلائی ہوئی راہ پر چل کر سورج بھگوان کے ملک میں پہنچنے سے غافل نہ رہنا وہ دیس بڑا سکھ کا دیس ہے۔ نہ وہاں سردی ہے نہ بھوک۔ آدمی اور روحیں ساتھ رہتی ہیں۔"

نشکتی :۔ (تعجب سے) اور وہاں آدمی پہنچ بھی سکتے ہیں؟"

گرو "آدمی کہاں نہیں پہنچ سکتا۔ آدمی تو بھگوان کی اولاد ہے۔ لیکن مجھے بات ختم کر لینے دو۔ دیکھو بھیشیا کا قبیلہ کتنے موسم یہاں رہا۔ پانچ بہاریں اور پانچ خزائیں ایک ہی جگہ گزاریں۔ روحیں اب نہیں چاہتیں کہ ہم اور زیادہ رہیں۔ وہ منہ سے کبھی نہیں کہا کرتیں۔ آنکھوں والے ان کے تیور دیکھتے ہیں۔ ہم نے ان کے اشارے نہیں پہچانے وہ ناخوش ہو گئیں۔ نحوست پھیلانی شروع کر دی۔ شکار کمیاب ہو گیا۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے ہم سمجھ جائیں تو اچھا ہے جن دور دراز میدانوں میں وہ گھوڑوں' ہرنوں' بارہ سنگھوں اور گائے بیل کے ریوڑوں کو بھیج رہی ہیں قبیلے والوں کو بھی ان کے پیچھے جانا واجبی ہے۔ تمہیں اپنی قسمتوں سے ضد نہیں کرنی چاہیئے "۔

شکتی "اگیا بتیاں! تم نے آج سے پہلے یہ باتیں کیوں نہ بتائیں؟"

گرو "(آہ بھر کر) میری آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہو گئے تھے میں نہیں سمجھا تھا کہ ان چھپی ہوئی آوازوں میں اتنی سچائی ہے۔ خیر جو ہونا تھا ہو چکا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کرم کا لکھا نہیں مٹا کرتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھ پر روحیں اب مہربان نہیں ہو سکتیں۔ میں پہاڑوں میں کہیں چلا جاؤں گا"۔

شکتی "کیوں؟"

گرو "ناکام۔ تھکے ہوئے شکاری ہوں یا گرو۔ انھیں از خود راستہ سے ہٹ جانا چاہیئے۔ ورنہ دوسرے ان کو ہٹا دیتے ہیں"۔

شکتی "پھر تم واپس نہیں آؤ گے؟"

گرو "اس جنم میں نہیں!"

نکتی ـ" افسوس اور ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی پیشین گوئی تو کرو "

گرو ـ" یہ جتنی باتیں کی ہیں کیا پیشین گوئیاں نہیں ؟ "

نکتی ـ" میرے متعلق ! "

گرو ـ" (ایک کھسیانہ قہقہہ لگاکر) تم تم موسم بہار میں تم نے نکتی سورج بھگوان کے بسیرا لینے کی جگہ کے کھوج میں اپنے قبیلہ کی رہبری کرو گے تم پر دیوتاؤں کا سایہ ہے "

بہار کا موسم

آسمان بالکل صاف ہو کر سورج اپنی جوت دکھانے لگا تھا۔ اس کی کرنیں نمناک زمین کے پیٹ میں گدگدیاں کر رہی تھیں۔ برف اگرچہ ابھی پوری نہیں پگھلی تھی کہ پانی بن کر بہ جاتی اور پالا ماری ہوئی گھاس کی جگہ ہری ہری دوب نکل آتی تاہم وہ پودے جو خزاں کی نوچا کھسوٹی سے لنڈ منڈ ہو کر رہ گئے تھے بہار کی ہوائیں انہیں ڈھونڈتے نظر آتے انھوں نے اپنا زرد لباس اتار کر نئے کپڑے پہننے شروع کر دئے تھے۔ کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔ رنگ برنگ کے شگوفوں سے ہر درخت کی گود بھری ہوئی تھی۔ جنگل میں منگل کا یہی زمانہ ہوتا ہے شجر حجر سب اپنے اپنے جوبن دکھاتے ہیں۔ بھینی بھینی ہوا خوشبو سے مہکی ہوئی موسم فرحت بخش۔ انسانوں کے لئے جوانی اور دنیا کے حق میں بہار۔ قدرت اپنے کرشمے انہی دنوں میں دکھاتی ہے۔ قبیلے کے تمام آدمی خوشی میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ بہار نے ان میں ایک نئی زندگی پیدا کردی

تھی۔ بچے غاروں کے گرد طرح طرح کے کھیل کھیلتے۔ ہوا ان کے جسم میں تازہ خون دوڑاتی۔ عورتیں دھوپ کے مزے لیتیں۔ سائے میں خوش گپیاں اڑاتیں۔ شکاری جب نرم نرم زمین اور لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں میں سے گزرتے تو دلوں میں عجب طرح کی مسرت پاتے جاڑے کی ناقابل برداشت لمبی قید سے انھیں آزادی نصیب ہوئی تھی۔ ان سے زیادہ مگن کون ہوتا۔ جنگلوں گھاٹیوں کے چکر لگاتے۔ گھر میں بیٹھتے تو خوشی خوشی اپنے ہتھیار درست کرتے رہتے۔ چقماقوں کے چلنے کی آوازیں ان کے بے تکے گانوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ایسی عجیب موسیقی پیدا کرتیں کہ زمین سے آسمان تک ایک سماں بندھ جاتا۔ اور پھر جب عورتیں بھی ان کے گیتوں میں اپنے گیت ملا دیتیں اور بچے بھی پاس آکر کھلکھلانے لگتے تو بہار میں پوری بہار آجاتی۔

اسی اثنا میں ہرنوں کی آمد کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ شکتی روزانہ ان کی جستجو میں جاتا۔ ٹیلوں پر چڑھ کر دیکھتا۔ میدانوں کا چکر کاٹتا دروں کی درمیانی گھاس کے تختوں پر نظر ڈالتا اور چلا آتا۔ ابھی کوئی ڈار اس علاقے میں نہیں آئی تھی۔ دوسرے شکاری بھی دو دو چار چار مل کر اسی طرح جاتے اور دیکھ بھال کر چلے آتے۔ ایک دن شکتی کو چلتے پھرتے کچھ شکاری بہت دور وادی کے ایک طرف ملے جو اسی کی طرح شکار کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ اس سال گائے بیلوں کے گلے بہت آنے والے ہیں۔

شکتی: "کیا کوئی گلہ تم نے دیکھا؟"

ایک شکاری: "دیکھا تو ابھی تک نہیں۔"

ششکتی :- "پھر تم نے کس طرح جانا؟"
دوسرا شکاری :- "ہمیں ایسا ہی یقین ہے"
تیسرا شکاری :- "ہم ابھی پہاڑ کی اس چوٹی سے اتر رہے تھے جس کے نیچے ندی بہتی ہے ہم نے دور میدان میں اپنی سرحد کے اس پار کچھ پرچھائیاں سی دیکھیں جو ہوں نہ ہوں بجاروں کی تھیں۔
ششکتی کو یہ سن کر فوراً اس عجیب غار کا خیال آگیا جہاں گرو نے نئی طرح کی پوجا کی تھی۔ گائے اور بجار کی مورتیاں تھیں اور کہا تھا کہ اب روحوں کی مہربانی سے بچھڑوں اور بجاروں کی کمی نہیں رہے گی۔ بات آئی گئی ہوئی۔ شکاری اپنے راستے لگے اور ششکتی اپنی راہ روانہ ہوا۔
کوئی تین چار دن ہوئے ہوں گے کہ ایک شام کو ششکتی ندی کے کنارے اونچی چٹان پہ بیٹھا ڈھلتے ہوئے سورج کی پوجا کر رہا تھا کہ دور میدان میں کچھ گہرے گہرے لال، کالے، سفید دھبے سے حرکت کرتے دکھائی دیے۔ شکاری کی آنکھ بہت کم چوکتی ہے۔ اس دن جو اطلاع ملی تھی کچھ جھوٹ نہ تھا۔ کھڑے ہو کر غور سے جو دیکھا تو واقعی بجار تھے پہلے اکا دکا نظر آئے پھر گلہ کا گلہ صاف طور پہ دکھائی دینے لگا۔ وہ گھاٹیوں میں اترتے، ٹیلوں پر چڑھتے ادھر ہی چلے آ رہے تھے ششکتی اپنے کو ان سے چھپاتا نیچے اترا۔ اور بھاگم بھاگ سیدھا گرو کے پاس پہنچا اور خوشی میں بے تحاشا چلا کر کہا۔ "آگیا بیتال، آگیا بیتال: بیلوں کا گلہ آگیا بجاروں کی کیا گنتی بتاؤں؟ دریا کی بلبلوں کو کون گن سکتا ہے؟ اور بچھڑے اتنے ہیں جتنے اکاش پہ تارے۔ تمہارے منتروں کا کیا کہنا۔ تم بڑے

سب سے بڑے ودھوان گرو ہو۔"

اگیا بتیال کی جب سے اس کی پیشین گوئیوں کو دھکا لگا تھا قبیلے والوں میں پہلی سی قدر و منزلت نہیں رہی تھی۔ قبیلے کو چھوڑ کر جانے سے تو خیر وہ تنکتی کی ضد سے رک گیا تھا مگر رہتا ہر وقت بچار میں کہ کس طرح اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرے۔ تنکتی جانتا کہ وہ روٹھی ہوئی روحوں کو منانے کے لئے کوئی بہت بڑا جاپ کر رہا ہے۔ تنکتی نے جو یکایک آکر اسے بیلوں کے گلے کی خبر سنائی تو وہ دل میں تو بہت خوش ہوا کہ اس کے اچھے دن آگئے البتہ منہ سے کچھ نہ بولا بلکہ تنکتی کی طرف دیکھ کر بڑبڑانے لگا۔ تنکتی سمجھا کہ گرو کی شاید ابھی جاپ ختم نہیں ہوئی اور وہ دبے پاؤں باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر میں سارے قبیلے والوں میں بیلوں کے گلہ کی اطلاع ہو گئی۔

مہنشیا والوں کی خوشی کا کیا ٹھکانا تھا۔ قحط ہوتے ہوتے ایسے سمے کی خبریں جس قدر بھی وہ پھولے نہ سماتے کم تھا۔ اگیا بتیال کا گیا ہوا بھرم پھر تازہ ہو گیا۔ لوگوں کی عقیدت جو اس سے پھر گئی تھی عود کر آئی اور تنکتی کو تو نہ جانے اب وہ کیا سمجھنے لگے اس کی سرداری میں چار چاند لگ گئے۔ گویا تنکتی بھی گرو مانا جانے لگا۔ اس طرح آج سے اس قبیلے کے دو گرو تھے اور دونوں گرو روحوں کے پیارے دونوں پر روحیں مہربان۔

اگیا بتیال بھی کان لگائے بیٹھا تھا کہ قبیلے والوں کی چہ میگوئیاں سنے اسے جو لوگوں کے خیالات معلوم ہوئے تو وہ غار سے نکلا اور جہاں قبیلے والے جمع تھے وہاں آیا اس وقت تنکتی کی جے کے نعرے لگائے

جا رہے تھے کسی نے پکار کر کہا "اب ہمارے دو گرو ہیں۔ ایک بوڑھا اگیا بیتال دوسرا نوجوان شکتی۔ روحوں کی مہربانیاں ہم پر اس سے زیادہ کیا ہوں گی" گرو نے سر ہلایا اور قبیلہ والوں کو متوجہ کر کے بولا "اے ہیتیا کے پوتو! وقت آ گیا ہے کہ میں ان علامتوں کے آگے سر جھکا دوں جنہیں روحوں نے مجھے دکھایا ہے روحوں کا پیغام ٹلا نہیں کرتا وہ مجھے بلا رہی ہیں اور مجھے جانا پڑے گا یاد رکھو ایک قبیلہ میں دو گرو نہیں رہ سکتے دوسرا گرو جب بنتا ہے تو پہلا چلا جاتا ہے۔ تمہارے ساتھ رہنے کی جو میرے لئے مدت مقرر تھی ختم ہوئی۔ میں نے شکتی کو ان تمام خبتر منتر اور بھیدوں سے خبردار کر دیا ہے جو ایک گرو کو جاننے چاہئیں اس میں بہت بڑی چھپی ہوئی طاقت ہے۔ روحیں اس پر غیر معمولی مہربان ہیں اور اس لئے یہ اور بہت سے عجیب و غریب بھیدوں سے بہت جلد واقف ہو جائے گا۔ ہیتیا والوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ ان کو ایسا سردار ملا ہے جو گرو بھی ہے۔ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ شکتی کی رہنمائی میں تم زیادہ سے زیادہ ترقی اور بڑی سے بڑی طاقت حاصل کرو گے۔"

اس دن بلکہ اس وقت کے بعد پھر کسی نے اگیا بیتال کو نہیں دیکھا وہ بڑا سرتا گرو تھا۔ اس نے سمجھا کہ آخری مرحلہ تھا کہ اتفاق سے بات بن گئی۔ آئندہ اگر کوئی بجوگ پڑ گیا تو عمر بھر کے لئے کنوندے ہو جاؤ گے بہتر ہے کہ موقع کو ہاتھ سے نہ دو بنی ہوئی ساکھ میں چھو ہو جاؤ۔ ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست، چنانچہ وہ جدھر کو سینگ سمایا نکل گیا۔ تاکہ کسی نئے خانہ بدوش قبیلے میں اپنا رنگ جمائے اور موج کرے۔

قدر نعمت بعد زوال، انسان کی یہ عادت بہت پرانی بلکہ یوں

کہنا چاہیئے کہ پیدائشی ہے ۔ موجودہ حالت سے کبھی مطمئن نہیں ہوتا ہمیشہ
منہ بناتا رہتا ہے اور جب وہ حالت بدل جاتی ہے تو روتا ہے اس کے
نصیب میں گزشتہ پر ماتم کے سوا کچھ نہیں ۔ اگیا بیتال قبیلہ میں تھا تو اس
میں برائیاں تھیں ۔ اس میں کوئی قابلیت نہ تھی وہ چلا گیا تو کیڑوں کی جگہ
اس کے اعمال میں لال لگ گئے ۔ اس کی ذات سے ساری شکایتیں بدل
گئیں اسے یاد کرتے اور افسوس کرتے ۔ لیکن اب افسوس کرنے سے
کیا ہوتا ۔ چڑیا تو اڑ گئی تھی اس کے دور کو یاد کر کے اس کی جدائی کا صدمہ
ہوا کرے ۔ کردنی خویش آمدنی پیش ۔ نعمت کی قدر نہ کرنے کا یہی انجام ہوتا
ہے ۔ لیکن شکتی ان میں موجود تھا اور جانے والے گرو کی پیشین گوئی
کے مطابق اس میں گرو بننے کی پوری صلاحیت تھی ۔ اس سے قبیلے والوں
کی ڈھارس بندھی رہی ۔ کیونکہ شکتی بھی بہت سے رازوں کا جاننے والا
ثابت ہو چکا تھا ۔ اس کے جنتر منتر بھی کارگر ہوتے وہ دیکھ رہے تھے ۔

پربت کا بھید

خانہ بدوش قبیلہ کے گرو کا حکم نہ مان کر قبیلے والوں کو بڑی مصیبت
کا سامنا کرنا پڑا تھا ۔ اگیا بیتال کی ہماہمی کہو یا لکھے کی خرابی ۔ لیکن اب تو
سارے معاملات صاف ہو گئے تھے ۔ بیتی ہوئی کو جھٹلانا کیسے ہو سکتا
ہینسیا اور مرگ آسنی دونوں قبیلے والوں نے ٹھان لی کہ یہاں رہنا نہیں
چاہیئے ۔ چنانچہ سفر کی تیاریاں ہونے لگیں شکتی نے بھی کوئی اعتراض
نہیں کیا ۔ البتہ اس کے دل میں ایک چٹنک لگی ہوئی تھی وہ یہ کہ چلنے سے

پہلے ذرا غار کے ادہر کے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر دیکھوں ممکن ہے کوئی بھید کی بات مل جائے یا کم از کم کسی ایسی وادی کا پتہ لگے جہاں کافی شکار ہاتھ آئے اور آجتک ہماری آنکھوں سے اوجھل رہی ہو کیونکہ یہ چوٹی قرب وجوار میں سب سے بلند تھی اور اس کا حال کسی کو معلوم نہ تھا اور یہیں سے دم تڑاق، دم تڑاق کی ڈرانے والی آوازیں بھی کسی وقت میں آتی تھیں۔ بڑی آگ کے شعلے بھی نظر آتے تھے۔

شکتی نے اپنے اس ارادہ میں بن باسی دیوی سے بھی مشورہ لیا اور قبیلہ کے دو منچلے نوجوان شکاریوں گھیٹے اور گھگو سے بھی ذکر کیا۔ مگر اس طرح کہ اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اس نے اپنے رازداروں سے کہا کہ "اس پہاڑ کی چوٹی پر ضرور کوئی بھید ہے اور میں جانتا ہوں کہ اگر وہ ہمیں معلوم ہو گیا تو قبیلے کی شان بہت بڑھ جائے گی۔ کیا تم میرا ساتھ دوگے؟"

گھیٹا۔ "سردار! ساتھ دینے کی ایک ہی کہی۔ ہم گلے گلے پانی میں تمہارے ساتھ ہیں۔"

گھگو۔ "دم تڑاق اور بڑی آگ کا بھید اگر ہم نے معلوم کر لیا تو قبیلے والے ہماری کس قدر عزت کریں گے اور عزت کی کس کو تمنا نہیں۔ میں تم سے دو قدم آگے چلنے کو تیار ہوں۔"

شکتی۔ "تو پھر کب چلنا چاہیئے۔"

گھیٹا۔ "یہ میں کچھ نہیں جانتا۔ گھیٹا تو تمہارے دم کے ساتھ ہے۔"

شکتی۔ "تم بتاؤ گھگو؟"

گھگو۔ "میں تو تمہاری دم ہوں۔ جدھر لے جاؤ اور جب لے جاؤ۔"

آگیا بتیال کے چلے جانے کے بعد سے شکتی بہت زیادہ دلیر ہو گیا تھا جتنی زیادہ آدمی پناہ میں رہتا ہے جتنے زیادہ اس کے حمایتی ہوتے ہیں اسی قدر وہ بزدل اور امن پسند ہوتا ہے۔ گرو کا سہارا جاتے ہی اس کے سارے خوف بھی جاتے رہے تھے فوراً بلا پس و پیش دوسرا ہی دن پہاڑ پر چڑھنے کے لئے مقرر ہوا۔ ایک ہی رات بیچ میں تھی سونے میں گزر گئی۔ دوسرے دن صبح سویرے تینوں چپ چپاتے نکل کھڑے ہوئے پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ خاصی دور ایک گھنے جنگل میں سے تھا پہاڑوں پر چڑھنے کے راستے اول تو یونہی انیڈلے بینڈلے ہوتے ہیں پھر ایک ایسا پہاڑ جس پر لوگ جاتے ہوئے ڈریں اور اس لئے اس کا کوئی راستہ مقرر نہ ہو۔ اس کی گھاٹیاں طے کرنی آسان نہیں۔

موسم برا نہیں تھا۔ وقت بھی سہانا۔ ہوائیں خوش گوار۔ پرندوں کے ہر طرف چہچہے۔ جنگل پھلا پھولا۔ مگر درختوں کے جھنڈوں میں راستہ ٹٹولنا اور سیدھا خیال رکھنا کار دارد۔ ہر قدم پر ٹھوکریں۔ درندوں کا ڈر۔ شکتی کے دونوں ساتھی اور اپنے سردار پر اندھا دھند عقیدہ رکھنے کے تھوڑی دیر میں ہمت سی ہار گئے جوں جوں وہ اوپر چڑھتے اپنے اندر ایک قسم کی پست ہمتی اور بے چینی محسوس کرتے یہ بے چینی بڑھتی جا رہی تھی یہاں تک کہ غار کو چھوڑ کر اس بھیانک سفر میں چلتے چلتے یکایک ان پر ایک وہمی خوف مسلط ہو گیا۔

گھگو:۔ "شکتی کا بازو پکڑ کر" سردار میں پوچھتا ہوں آخر تم اس پہاڑ کی چوٹی پر جا کر کیا کرو گے؟ "

شکتی:۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ دم تڑاف اور آگ کا بھید معلوم

کرنا ہے۔"

گھنگو :۔ (شکتی کے سامنے آکر) چھپے ہوئے بھیدوں کے پیچھے پڑنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اگیا بتیال کہتا تھا کہ روحیں ان کو مار ڈالتی ہیں جو ان کا بھید کھولے۔"

گھیٹا :۔ (سانس درست کر کے) ہمیں پھر چلنا چاہئیے۔ ہم اپنے قبیلے سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ جنگل کی روحیں ہمارے دل دھڑکا رہی ہیں۔ چوٹی پر جانا خطرے سے خالی نہیں۔"

شکتی دل کا مضبوط اور اپنے ارادے کا پکا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی باتوں پر ہنسا اور بولا۔" اگر تم ڈرتے ہو تو شوق سے الٹے چلے جاؤ تمہارے دل روحیں دھڑکاتی ہیں میرا دل تو ذرا نہیں ہلتا۔ اپنے سردار کو اکیلا چھوڑتے ہو چھوڑ دو۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ اس کے جادو کا بانس جنگل کی ساری روحوں سے زیادہ طاقت والا اور اونچا ہے اور یہ کہتا ہوا وہ آگے بڑھا گھیٹا اور گھنگو بھی مجبوراً پیچھے پیچھے ہولئے الٹا غار کی طرف جانا بھی ان کے بس کا نہ تھا۔ شکتی کے ساتھ جانے کی نسبت واپس ہونے میں زیادہ خطرے تھے کیونکہ روحوں سے بچنے کی کوئی چیز نہ تھی نہ کسی طرح کا جنتر نہ منتر و تنتر یاد۔ دوسرے یہ خیال کہ اگر کہیں بھٹک گئے تو ڈھونڈتے ہی ڈھونڈتے مر جائیں گے پہلے کی بنی ہوئی پگڈنڈی ہوتی تو شاید الٹے بھی چل پڑتے بہر حال ناچار شکتی کے ساتھ ساتھ چڑھنے لگے۔

اب تک جتنی مسافت طے کی تھی وہ اتنی کٹھن نہ تھی جتنی آگے کی راستہ تنگ اور درختوں سے زیادہ گھنا ہوا دور تک چلا گیا تھا آخر میں درخت

گھیٹا: (گڑ گڑا کر) "تشکتی! اپنے قبیلے پر رحم کرو یہ بہادری دکھانے کا موقع نہیں۔ میں آگے چلتا ہوں تم میرے پیچھے آؤ۔ ہمیں گھر جانے کا رستہ مل جائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ اتار کی طرف بڑھا۔ مگر تشکتی نے اسے ڈپٹ کر روک دیا کہ ذرا ٹھہرو۔ میں اپنی محافظ روحوں سے صلاح لیتا ہوں۔ سردار بھی آدمی ہوتا ہے لیکن اس کی سوجھ بوجھ اس کی جرأت اور اس کے قویٰ دوسرے آدمیوں سے زیادہ تیز، بڑھے ہوئے مضبوط ہوتے ہیں۔ تشکتی نے محافظ روحوں سے مشورہ کرنے کا بہانہ کر کے اپنے ساتھیوں کی باتوں پر غور کیا۔ آخر انسان تھا خوف اس پر بھی طاری ہوا۔ اس کی یہ خواہش کب تھی کہ جیسا گھیٹے نے ایک آدمی کا پنجر دیکھا ہے آئندہ لوگ اسی طرح اس کا پنجر بھی دیکھیں روحیں اس کا بھی ویسا ہی حشر کریں۔ لیکن اس نے غیر معمولی جرأت سے کام لیا دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو اپنے باپ دادا کا نام نہیں ڈبونا سرداری کی ہیٹی نہیں کرنی۔ آدمی بار بار نہیں مرتا۔ مرنا قسمت میں ہے تو یونہی سہی نام تو ہوگا یہ سوچتے ہی چہرے پر جو سفیدی سی دوڑ چلی تھی سرخی سے بدل گئی اور وہ بڑی مستعدی سے اپنے ساتھیوں سے بولا "روحوں کی مرضی میں نے پالی ہے۔ میں ضرور آگے جاؤں گا۔ تمہارا دل نہیں ٹھکتا تم گھر کا راستہ لو۔"

گھنگو میں اس سے زیادہ ایک لفظ بھی سننے کی تاب نہ تھی وہ چھلانگ مار دیوانوں کی طرح الٹے پاؤں پہاڑ کی ڈھلان کی طرف بھاگا۔ گھیٹا بھی لڑکھڑاتا ہوا اس کے پیچھے ہو لیا۔ دونوں بے تحاشا گرتے پڑتے ایک ایک قدم پر یہ سوچتے چلے جا رہے تھے کہ دیکھیے تشکتی کی چوٹی پر پہنچتے ہی کیا

طوفان برپا ہوتا ہے۔ آسمان ٹوٹ کر سروں پر گرے۔ یا زمین پھٹ پڑے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ تاکہ ہم لپیٹ میں نہ آجائیں۔ تِسکتی کا تو آج خاتمہ ہے۔ اگر بدروحوں نے ہمیں دیکھ لیا تو ہماری بھی خیر نہیں۔

تِسکتی کا خیال کیا آپ سے خوب خدا، انھیں تو اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی پیچھے مڑ کر دیکھنا کیا معنی۔ ایک کی دوسرے کو بھی خبر نہ تھی۔ اپنی اپنی دھن میں سرپٹ اڑے چلے جاتے تھے۔ ذرا سا کھٹکا ہوتا اور جان پر بن جاتی ٹھوکر سے کوئی پتھر لڑھکا اور یہ سمجھے کہ کوئی شریر روح آگئی۔ سامنے جھاڑی میں الجھے اور یقین ہوا کہ بھوتوں نے راستہ روکا۔ ڈر کے مارے آوازیں تک نہیں نکلتی تھیں۔ اگر تارا نہ ہوتا تو شاید یہ وہیں کہیں ڈھیر ہو کر رہ جاتے۔ خدا خدا کر کے بمشکل تمام ہانپتے کانپتے بالآخر وادی میں پہنچ گئے اور نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے۔ بدحواس تھے زبان یاری نہیں دیتی تھی۔ لیکن... آنکھیں پہاڑ کی چوٹی پر لگی ہوئی تھیں کہ اب کوئی آفت آئی۔ بلائیں نازل ہونی شروع ہوئیں۔

اپنی جانیں تو پیاری تھیں ہی، نہ ہوتیں تو بھاگتے کیوں مگر تِسکتی کو بھلا دینا بھی ان کی وحشیانہ مروت کے خلاف تھا۔ اس کی طرف سے طرح طرح کے بُرے بُرے وسواس ان کے دل میں آرہے تھے۔ جتنا وقت گزرتا۔ پریشانی بڑھتی جاتی۔ دم تڑاق دم تڑاق کی دلوں میں دہلا دینے والی آواز پچھلے سال انھوں نے یہیں سے سنی تھی۔ وہموں کی دنیا ہمیشہ آباد رہتی ہے جیسی شکلیں تصورات پیدا کرنی چاہتے ہیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک دفعہ ہی انھوں نے دیکھا کہ پہلے سفید اور پھر سیاہ بادلوں کی طرح گہرا دھواں پہاڑ کی چوٹی پر اٹھا۔ بھیانک خیالات سامنے آنے لگے۔ کلیجہ

دھڑکنے لگا۔ سمجھے کہ شکتی کام آگیا۔ دونوں اٹھ کر سر پیٹتے پراگندہ احوال غار کی طرف چلے اور غمگین آواز میں قبیلہ والوں سے کہا "غضب ہوگیا پہاڑ کی روح نے سردار کو مار ڈالا۔ ہمارا کہنا اس نے نہیں مانا۔ چوٹی پر جا پہنچا وہاں لڑائی ہوئی روح نے اسے دھوئیں میں اڑا کر آسمان پر پہنچا دیا۔"

سورج کا بھگت

گھیٹے اور گھگو اپنے دونوں ساتھیوں کے بھاگ آنے کے بعد شکتی نے آگے قدم بڑھایا۔ چوٹی دور ہی کتنی تھی ایک ہلے میں اوپر تھا۔ کیسے ہی مضبوط ارادے کا سہی خوف اسے بھی گھیرے ہوئے تھے چوٹی پر پہنچ کر اس نے بڑی مشکل سے اپنے بے قابو دل اور لرزتے ہوئے اعضا کو سنبھالا۔ گھبرا گھبرا کر چاروں طرف نگاہیں ڈالیں۔ بلندی پر ہونے کی وجہ سے دور دور تک کی چیزیں صاف دکھائی دیتی تھیں۔ میدان، گھاٹیاں، دوسرے چھوٹے چھوٹے پہاڑ۔ سب اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ یکایک اس کی نظر ایک چوڑی چکلی چٹان سے ٹکرا کر جھجکی۔ پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ جیسا کہ گھیٹے نے کہا تھا واقعی اس پر ایک ڈھانچہ پڑا ہوا دیکھا۔ کچھ ہڈیاں جڑی ہوئی کچھ منتشر۔ معلوم ہوا کہ روحوں کے علاوہ گدھ اور لکڑ بگڑ بھی یہاں پہنچے ہیں۔ کھوپڑی ابھی تک الگ پڑی تھی اور اس پر لگے ہوئے چند سرخ سرخ بال جھلک رہے تھے۔ شکتی کو بہت دن کی ایک بات یاد آگئی ہو نہ ہو یہ وہی کھویا ہوا لڑکا ہے جسے ڈھونڈھتی ہوئی اس کی ماں اپنے دو ساتھیوں کو لئے اس طرف بھی آئی تھی۔ شکستہ پنجر کے پاس ہی کوئی بجھی ہوئی آگ کے

نشانات بتا رہے تھے کہ یہاں کبھی کوئی بڑا الاؤ بھی لگایا گیا ہوگا۔
ان چیزوں نے شکتی کا خوف بھلا دیا اور وہ جھکا ہوا ان ہڈیوں اور راکھ میں کچھ اور علامتیں تلاش کر رہا تھا جس سے یہ پتہ چلے کہ در اصل معاملہ کیا ہے؟ آخر یہاں چوٹی پر ایسے کون لوگ رہتے ہیں......
اچانک اسے ایک پرچھائیں سی نظر آئی۔ دبے پاؤں ہاتھ میں برچھی لیے کوئی آتا معلوم ہوا۔ یہ کھٹک کر سیدھا کھڑا ہوا ہی تھا کہ وہ پرچھائیں جھپٹ کر سامنے آگئی۔ شکتی کی جو اس پر نگاہ پڑی تو اوسان جاتے رہے۔ سارا بدن سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔ سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب دل کی حرکت بند ہوئی۔ اس آنے والے کی حیثیت ہی کچھ ایسی تھی۔ دیکھنے میں آدمی مگر ایسی ڈراؤنی صورت اور دہشت ناک وضع کہ خدا کی پناہ، کمر پر لمبے لمبے سرخ بالوں کی کھال پڑی ہوئی۔ سر پر دو نہیں چار نہیں بکرے کے چھ سینگ لگے۔ چہرہ عجیب طرح سے سینگوں میں لگی ہوئی کھال سے چھپا۔ ننگے سینے پر گول گول رنگ برنگ کے بندی دار نشان۔ بازو اور رانوں پر قسم قسم کی ہڈیاں بندھی۔ شکتی نے اگر اسے پہاڑ کی بری روح سمجھا تو کیا بجا تھا۔ ایسی حالت میں کہ سنسان پہاڑ کی چوٹی۔ نہ کوئی سنگ نہ ساتھی۔ ایک طرف انسانی ڈھانچہ پڑا ہوا دوسری طرف کوئی بلا کی شکل آجائے۔ فرمائیے؟ وہ تو انہی جنگلیوں کا اتنا دل گردہ تھا کہ ایسی آفتوں کا مقابلہ کرتے اور جیتے۔
یہ کسی روح کا خول تھا یا کوئی وحشی انسان، وضع اس کی اس قدر ڈراؤنی تھی کہ شکتی اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو گیا۔ یہ سہما ہوا اپنے حواس درست کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے ہونٹوں میں سے سانپ

کے پھنکاروں کی سی آواز برابر چلی آتی تھی اور اس کی لال لال آنکھیں ٹکٹکی باندھے ہوئے شکتی کو گھور رہی تھی۔ خاصی دیر تک ایک دوسرے کو دیکھا کیے۔ اس کے بے حس خاموش کھڑے رہنے سے شکتی کی ہمت بڑھی اور اس نے دل کڑا کرکے کہا "اگر تم روح ہو تو مجھے معاف کرو کہ میں بے پوچھے تمہاری سرحد میں آگیا۔"

آنے والا۔ "(قہقہہ لگاکر) معاف کردوں!"

شکتی۔ "(ایک قدم پیچھے ہٹ کر) دیا کرنا روحوں کا کام ہے۔ مجھ سے بھول ہوئی۔ اس کے بدلے میں کوئی بھینٹ چڑھا دوں گا۔"

آنے والا۔ "(گرجتی ہوئی آواز سے) روحیں معاف کرسکتی ہیں میں معاف نہیں کرسکتا۔"

شکتی۔ "(ایک قدم پیچھے سرک کر) پھر تم کون ہو؟"

آنے والا۔ "میں، میں سورج بنسیوں کا گرو، اس بڑے جوتا دا سے بھگوان کا پجاری۔"

شکتی۔ "(اس کے تیوروں سے ڈر کر) وہ تو دنیا کو زندگی دیتے ہیں۔"

آنے والا۔ "مگر اے جنگلی منش مورکھ وہی مارنے والا بھی ہے۔"

شکتی۔ "جلانا مارنا اسی کے اختیار میں ہے۔"

آنے والا۔ "اس کی مرضی ہے کہ تو اس کی راہ میں قربان ہو اور تجھے ضرور مرنا چاہیئے۔ میں اس جوتی سروپ کا سیوا دھاری ہوں۔ تجھے ضرور اس پر بھینٹ چڑھاؤں گا۔ اس کے الاؤ میں ایندھن کی ضرورت ہے۔ پچھلے موسم میں بھی ہم نے ایک جوان کو اس کی جوت بڑھانے کے لئے بھینٹ چڑھایا تھا۔ لیکن اسے اگنی نے قبول نہیں کیا

لگے۔ شکتی پر اب ایک دوسری ہیبت طاری ہوئی۔ وہ سہم گیا کہ یہ میں نے کیا کیا؟ اچھا تو کیا اسے اس کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے تھی؟ خونی ارادہ کا بدلہ خونی ارادہ! شکتی اس شش و پنج میں تھا کہ گرو لوٹنی لیکر اٹھا اور شکتی سے لپٹ گیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ ایک مرنے والا۔ دوسرا موت کے پنجے میں۔ زندگی اور موت کا سوال۔ شکتی نے پوری طاقت لگا کر اپنے کو اس سے چھڑایا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبانا شروع کیا۔ گھٹنے اس کی چھاتی پر رکھ دیے۔ اس کی ٹوپی جس پر چھ سینگ لگے ہوئے تھے اور بدن پر لپٹی ہوئی سرخ رنگ کی کھال زمین پر گر پڑی۔ اس نے ہاتھ پاؤں پھیلا دیے۔ آنکھیں نکل پڑیں۔ دیکھا تو وہ نہایت ڈراؤنی صورت کا انسان تھا۔ سرخ سفید رنگ سے پتے ہوئے چہرے پر موت کی تاریکی نے اس کی شکل اور بھی بھیانک کر دی تھی۔

شکتی نے جب دیکھ لیا کہ گرو کی روح دوسری بدمعاش روحوں میں جا ملی اور اس کا خول خالی ڈرانے کے لیے رہ گیا۔ اس کے ہاتھ ہلتے ہیں نہ پاؤں۔ نہ اس کے جادو میں تاثیر رہی نہ اس کی آنکھوں میں چمک تو وہ اسے چھوڑ کر الگ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اب اسے کیا کرنا چاہیے وہ سوچتا رہا کہ جو کچھ اس نے کیا ٹھیک تھا یا غلط؟ ایک گرو کے قتل میں روحیں اس سے کچھ مواخذہ کریں گی یا نہیں؟ اور تھوڑی دیر اس کا دل قابو سے باہر رہا۔ لیکن جو آدمی اپنے دل و دماغ اور اپنے ہاتھ پاؤں کے بل بوتے پر زندہ رہنے کے عادی ہیں وہ پیش آنے والے واقعات سے مرعوب نہیں ہوا کرتے۔ ان کی خوشی ہاتھ پاؤں پھیلانے والی ہوتی ہے۔ ان کا خوف دیر پا۔ دو چار قہقہے لگائے، خوشی ختم۔ ایک جھرجھری لی اور

خوف دور۔ وہ زیادہ سوچ بچار بھی نہیں کرتے ۔ شکتی کی یہ ذہنی پریشانی جو واقعات کی غیر متوقع تبدیلی سے ہوئی تھی صرف چند منٹ تک رہی۔ پھر اس نے اپنے اس فعل کے جائز ناجائز ہونے کے خیال کو ترک کر دیا کیا وہ یہاں گرو کے قتل کرنے کو آیا تھا ؟ گرو کو کیا اس نے ناحق مارا ؟ کیا اپنی جان کی حفاظت جرم ہے ؟ گرو نے اسے مارنا چاہا۔ آپ مر گیا۔ اسکی موت یوں ہی آئی تھی ! اور اب شکتی کو بجائے تشویش کے اس بات پہ ناز تھا۔ کہ اس کے بانس کا طلسم سب سے بڑھ کر طاقت ور ہے۔ اس کا جنتر منتر سورج کے گرو کی جادوگری پہ بھی غالب رہا۔

باوجود اس مضبوطی اور یقین کے شکتی نے اس حادثہ کو اپنے ہی علم تک محدود رکھنا مناسب سمجھا۔ اس نے مارا مار سوکھی ہوئی لکڑیاں اکھٹی کیں۔ چتا سی بنائی اور اس پہ مردہ گرو کی لاش رکھ کر پھونک دی۔ واقعہ کا کھوج ہی مٹا دیا۔ اسے یہ بھی تو سا لسا لگا ہوا تھا کہ نہ جانے اس کے ساتھ کتنے چیلے چانٹے ہیں تلاش کرتے ہوئے آ گئے اور اپنے گرو کو مرا ہوا دیکھا تو جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔ نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری ۔ گرو کا پتہ ہی نہ پائیں گے تو لڑنا جھگڑنا کیسا ؟۔ گرو کو داغ دے کر اور اس کی راکھ کو اڑا دینے کے بعد وہ گرو کے غار کی تلاش میں چلا ۔ حماقت کہو یا جنگلی جرأت ! آخر دم تک اس کا سراغ لگائے بغیر کیسے لوٹ جاتا۔

غار کے ڈھونڈھ نکالنے میں کیا دشواری تھی۔ ایک طرف ہٹ کر بڑی چٹان کے پہلو میں سیڑھیاں سی دکھائی دیں۔ نیچے اترا تو چھوٹا سا غار تھا اتنا کہ دس پانچ آدمی مشکل سے رہ سکیں ۔ سامنے ہی دھونے صاحب تشریف فرما تھے ۔ پتہ لگ گیا کہ اس گرو کا یہی استھان ہے۔ بڑا زبردست

نقارہ تھا۔ کئی ہاتھ کے دور کا۔ کوئی دو ہاتھ اونچا۔ درخت کا ایک بہت موٹا تنہ خبر نہیں کس کس چیز سے کھوکھلا کر کے اسے بنایا ہوگا اور کوئی بہت ہی بڑا بارہ سنگھا کہیں سے مار کر لائے ہوں گے جس کی کھال اس پہ منڈھی گئی ہوگی۔ شکتی نے غار کی اندرونی حالت سے اندازہ لگایا کہ گرد زیادہ عرصہ یہاں نہیں رہتا۔ موسموں کا اکثر حصہ میدانوں میں گزارتا ہے سورج دیوتا کے صرف تہواروں کے دنوں میں آتا اور بھینٹ پوجا کر کے چلا جاتا ہے۔ انہی موقعوں پہ یہ ڈھولوں کے گرد بھی دم تڑاق دم تڑاق کرتے ہوں گے۔

شکتی کو یاد آگیا کہ جب وادی میں دم تڑاق کی آواز سنی ہے ٹھیک یہی دن تھے اور اگر گرو نہ مرتا تو دو چار روز میں سارے پاپی گرو جمع ہوتے کسی نہ کسی کو بھینٹ چڑھانے کے لیے ربھی کہیں نہ کہیں سے پکڑ لاتے تہوار مناتے اور ڈھول بجاتا شکتی روحوں کی کارستانی پہ ہنسا کہ گرو دوسروں کو بھینٹ چڑھاتے خود بھینٹ چڑھ گیا۔ سورج بھگوان نے اپنے پجاری کی ذرا مدد نہ کی اور ہرن کا لمبا سینگ اٹھا کر نقارے کو خوب زور سے بجانا شروع کیا۔ وادیاں دم تڑاق کی آواز سے گونج اٹھیں۔ قبیلے والے سہم گئے کہ جس وقت کا انتظار تھا اس کی نوبت آگئی اور اپنے اپنے غاروں میں جا چھپے۔ لیکن شکتی بڑی دیر تک بجائے چلا گیا۔ ایسی مقدس چیز اس کے ہاتھ لگی تھی۔ سورج دیوتا کی مہربانیاں تھیں۔ کیوں نہ دور دور تک دم تڑاق سے اپنی فتح کا اعلان کرتا۔

سُورج کا سفر

سورج چھپ گیا تھا اور اگرچہ چاندنی رات تھی، چاندنی بھی خوب نکھری ہوئی لیکن پہاڑی کٹھن راستوں میں مانگے کی روشنی کیا پورا ڈالتی ہر پھر شکتی صاحب نقارے کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ آثار اس پر آن جانا آن پوچھا، اپنے سے زیادہ بوجھ لے کر چلنا نانی کا گھر نہیں جس طرح بن پڑا رات پہاڑ کی چوٹی اور گرو کے غار میں بسر کی۔ صبح تاروں کی چھاؤں نقارہ پیٹھ پر لاد۔ دھمادھم کرتا ہوا چل کھڑا ہوا۔ دھوپ تیز ہوتے ہوتے اپنے قبیلہ میں آ پہنچا۔

قبیلے والے حیران ایک ایک کا منہ دیکھیں گھنٹے۔ اور گھلگو کی عجیب کیفیت پھر نقارہ جو دیکھا تو نقاروں کا قبلہ گاہ۔ سب دنگ ہو گئے چوٹی پر جو واقعہ گزرا تھا شکتی نے اسے بھید کی طرح دل میں چھپائے رکھا ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ یہاں تک کہ بن باسی دیوی کے سوال کا جواب کچھ ایسے خاموش انداز سے دیا کہ دوبارہ اس کو منہ کھولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سرداروں اور قبیلے کے پروہتوں میں بڑی خوبی یہ دیکھی جاتی تھی کہ وہ کتنا بھیدوں کا جاننے والا اور جاننے کے باوجود کتنی اپنے دل میں ان کی سمائی کرنے والا ہے جس قدر کوئی زیادہ بھاری بھرکم ہوتا۔ اسی قدر زیادہ لوگ اس کی عزت کرتے اور اس کے قول و فعل کو مانتے۔ شکتی کی خاموشی اور نقارے کی عظمت نے اس کے وقار کو اور بڑھا دیا۔ قبیلے کا ہر چھوٹا بڑا اب اسے سچ مچ کا پہنچا ہوا گرو سمجھنے لگے گا۔

اسی قسم کے بھید ہوتے تھے۔ اب بھی ان مقامات کی نسبت جو طلسم

کہلاتے ہیں یا جنھیں طلسم بنا لیا جاتا ہے اسی طرح کے بھید رہتے ہوں گے آخر وہ کیا کہتا؟ معمولی بات تھی۔ اس سے زیادہ کیا ہوتا۔ اس کی بہادری کی تعریف ہوتی اور ممکن تھا کہ گروکا خون کرنے کے جرم میں قبیلے والے اس سے ناراض ہو جاتے۔ بہرحال بندھی ہوئی مٹھی کھلی ہوئی سے زیادہ بھرم والی ہوتی ہے۔ تیشکتی کے زندہ سلامت مع نقارہ تشریف لانے اور گھنٹے وغیرہ کی خبر سے ہر شخص نے یہ جان لیا تھا کہ بری روح سے سردار کی ضرور مڈبھیڑ ہوئی۔ گھگو نے یونہی زٹل قافیے ملا دیے کہ روح نے مار ڈالا۔ معلوم ہوتا ہے اس نے شکتی کی بڑی آؤ بھگت کی۔ نقارہ بجایا اور دعوت کے لئے آگ سلگائی۔ کیونکہ رات دم ترڑاق دم ترڑاق کی متواتر آوازیں بھی آئی تھیں اور پہاڑ کی چوٹی پر آگ جلتی ہوئی بھی دکھائی دی تھی۔ اگرچہ اس وقت اس دم ترڑاق اور آگ کا دوسرا مطلب لیا گیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ جب کسی کا منشا خاموش رہنے میں خاطر خواہ پورا ہو جائے تو وہ خواہ مخواہ بول کر جھنجھٹ میں کیوں پڑے۔

اب سفر کے لئے سامان کی سمیٹا سمائی ہونے لگی۔ غاروں کے باہر الاؤ کے گرد ان چیزوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ جنھیں اپنے ساتھ لیجانا چاہتے تھے۔ قبیلہ کا ہر چھوٹا بڑا عورت مرد جھپا جھپ کام کر رہا تھا کہنے کو تو کئی سالوں کا بسا بسایا گھر۔ لیکن حقیقت میں غریبوں کے سامان کی بساط ہی کیا تھی۔ تھوڑی دیر میں غار صاف ہو گئے۔ سوئیاں آر چقماق وغیرہ چھوٹے چھوٹے تھیلوں میں بھر لئے۔ کھالیں لپیٹ لیں عورتوں مردوں کے بوجھ بنا بنا کر الگ الگ رکھ دیئے اور جو چیزیں لے جانے کے قابل نہ تھیں برباد کر دی گئیں تاکہ اگر کوئی دوسرا قبیلہ وہاں آکر بسے

تو اس کے کام نہ آسکیں۔

جب سب طرح کی تیاری ہوگئی تو تُکمی نے بحیثیت سردار کے سب کو حکم دیا کہ اپنی اپنی گٹھریاں پوٹلیاں اٹھا لیں۔ حکم کی دیر تھی۔ عورتوں نے چھوٹے بچوں کو گودوں میں لیا۔ بڑے بچوں کی انگلیاں پکڑ لیں۔ اپنا بوجھ پیٹھ پر لادا۔ مردوں نے ہتھیار سنبھالے اور میدان پر بغیر للچائی ہوئی نظریں ڈالے روانہ ہوئے بن باسی دیوی باوجود دو جیا ہونے کے سب عورتوں کے آگے آگے دھیمی چال سے چل رہی تھی۔ شکاری کچھ آگے کچھ پیچھے کچھ ادھر کچھ ادھر برچھیاں ہاتھوں میں لئے ساتھ تھے کہ اگر کوئی موذی جانور آجائے یا کسی دشمن کا مقابلہ آپڑے تو عورتوں اور بچوں کی حفاظت کر سکیں۔

غار جو ابھی چند لمحہ پہلے تک آباد تھے بالکل ڈھنڈار ہو گئے ان کے دور نکل جانے کے بعد ان میں گیدڑ اور لگڑ بگڑ آئیں گے۔ بجھی ہوئی آگ کے آس پاس جو ہڈیاں وغیرہ ملیں گی ان پر غرفش ہوگی۔ خدا جانے کتنی مدت تک انسانوں کی جگہ اب ان جانوروں کا مسکن رہے گا۔ دنیا میں ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے انسانی حفاظت گاہیں درندوں کے قبضے میں آتی ہیں اور درندوں کی جگہ انسان بسیرا لیتے ہیں۔

یہ قافلہ منزل بمنزل خانہ بدوش قبیلوں کی طرح ڈیرے ڈالتا اور اٹھاتا کوہستانی دیوار کے دامن میں چلا جاتا تھا جس کا سلسلہ نہ جانے کہاں جاکر ختم ہوگا۔ لیکن جب ختم ہوگا تو وہ بہت جلد بڑے دریا پر پہنچ جائیں گے اور پھر اس کے کنارے کنارے چل کر انھیں میدانوں میں پہنچنے کی توقع ہے جہاں ہر موسم میں ہرن، بیل اور بارہ سنگھے رات دن بہ افراط چرا کرتے ہیں یہ ان کا تخیل تھا ورنہ در اصل منزل نا معلوم تھی۔ تاہم وہ راستہ سے خوف زدہ

نہ تھے ۔ کیونکہ سکتی انھیں روحوں کی زیر ہدایت ایک ایسے عجیب اور پیچیدہ پگڈنڈیوں پر سے جارہا تھا جو کبھی کسی مقام پر سورج کی شاہراہ سے جا ملیں گی ۔

(انگریزی سے ماخوذ)

، علیمی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کی ا